

الْأَخْبَدَانِ وَمُرَانِيْلُ الْجَالِ

معروف به

إسلامي ستيلا



مکتبۃ الشیخ ۳/۴۵ - بہار آباد کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ :

بعد سلام مسنون محبت نامہ پہنچا۔ جس خلوص اور جوش سے تم نے لکھا ہے اس سے اور بھی لطف آیا۔ اس قسم کے سوالات تو تحریراً تقریراً کثرت سے ہوتے ہی رہتے ہیں مگر اپنی نااہلی کہوں یا کاہلی کثرت مشاغل سے تعبیر کروں یا تساہل سے۔ اکثر سائل کے مناسب مختصر جواب لکھ دیتا ہوں یا کہہ دیتا ہوں مفصل لکھوں تو کسے کسے لکھوں۔ لیکن تمہارے خلوص اور دوسری خصوصیات نے مجبور کیا کہ کسی قدر تفصیل سے لکھوں۔ تم بھی جوش سے علیحدہ ہو کر ذرا غور سے پڑھنا۔ اور صرف ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ بار بار دیکھنا۔ اول تو مجھے اُس تعلق کی بنا پر جو تم کو ہے خود ہی یقین ہے کہ تم بہت غور سے کئی بار پڑھو گے۔ احتیاطاً میں نے بھی لکھ دیا ہے کہ رنج اور غصہ اور جذبات سے علیحدہ ہو کر دیکھنا مکرر کہتا ہوں کہ خالی الذہن ہو کر غور سے پڑھنا سمجھ میں آتے قبول کرنا ورنہ کوئی جبر نہیں۔ تمہارے سارے طویل مضمون کا خلاصہ جو میں نے سمجھا ہے چند امور ہیں۔

نمبر ۱: حضرت تھانوی اور حضرت مدنی میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے ؟

نمبر ۲: تیرے نزدیک کون حق پر ہے اور ان مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟
 نمبر ۳: ہمیں کیا کرنا چاہیے کیا مر رہنا چاہیے، تو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟
 نمبر ۴: مسلمان تباہ ہوتے جا رہے ہیں آخر ان کو کیا کرنا چاہیے؟
 نمبر ۵: اغراض آج کل زیادہ کام کر رہی ہیں، ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے۔

نمبر ۶: علما کا وقار عمداً گرایا جا رہا ہے، بے تکلف سب و شتم کیا جاتا ہے۔
 نمبر ۷: علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔
 تمہارے خط کے معظم امور یہ ہیں اور یہ سوالات اکثر و بیشتر تحریراً تحریر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں اپنے پریشان خیالات ان امور کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں لکھ رہا ہوں وہی حق ہے ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ میرے ناقص خیالات امور بالا کے متعلق حسب ذیل ہیں۔ والعلہ عند اللہ ۛ

جواب سوال اول

مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی عامی ایسی چیز سے پریشان ہو تو بعید نہیں، مگر تم جیسے سمجھدار علمی مناسبت رکھنے والے کو اس سے متعجب ہونے اور اس طرح متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں تو اس چیز میں اتنا ٹھنڈا ہوں کہ لکھ نہیں سکتا۔ سوال میں

حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں تمت ہوتی ہے۔
 ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرتا جس میں کم از کم
 بیس مرتبہ یہ کہنا نہ پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور
 فلاں کا یہ ہے۔ صحابہ کے یہ مذاہب ہیں تابعین میں یہ اختلاف ہے۔ اگر
 آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہوگا تو ہمیں بڑی مشکل پیش آجائے گی
 کہ ان سب حضرات رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ کو مخلصین کی جماعت
 سے خدا خواستہ نکالنا پڑ جائیگا۔ رہا شدید اختلاف ہونا تو میں تو کچھ شدید
 بھی نہیں سمجھتا۔ اتنا ہی تو ہے کہ ایک وقتی مسئلہ میں ایک حضرت کی
 رائے یہ ہے کہ لیگ میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید ہے کانگریس میں
 مضرب ہے دوسرے حضرت کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب جو شخص خود
 اہل الرائے ہے حالات کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے قواعد شرعیہ سے واقف ہے
 اُس کو چاہیے کہ جس کو دیناً ناق پر سمجھتا ہے اسکو اختیار کرے جو خود اتنی سمجھ
 نہیں رکھتا اس کو چاہیے کہ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو دو چار
 دن قیام کرے یا اگر حالات سے پہلے سے واقف ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت
 نہیں جو نسے حضرت سے عقیدت زیادہ ہو ان کا اتباع کرے بِأَيِّهِمْ اَفْتَدَيْتُمْ
 اِهْتَدَيْتُمْ اس میں لڑائی کی کیا بات ہے اور جھگڑا کیا ہے۔ اور میں پوچھتا
 ہوں کہ آخر ان اکابر کا اختلاف آپ کی نظر میں شدید اختلاف کیوں ہے کیا یہ
 اختلاف جنگِ جمل سے بھی بڑھ گیا ہے جس میں دونوں طرف سے تواریں چل

ہے :- یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ایک جانب حضرت
 علیؑ تھے اور دوسری جانب حضرت عائشہؓ تھیں - ۱۲

رہی تھیں۔ تم ہی بتاؤ کہ ان میں سے کون سے فریق کو مخلصوں کی جماعت سے نکال دو گے، اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اہم گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا ہے خلیفہ برحق کہنا ہے مزح الاولیاء کہنا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کا نام آئے تو رضی اللہ عنہا کہنا ہے۔ ام المومنین کہنا ہے۔ اور حضور سید الکونین کی سب سے زیادہ لاڈلی بیوی کہنا ہے۔ اور اختلاف کا حال معلوم ہی ہے کہ جگہ جگہ کا نام قیامت تک اس اختلاف کی یاد کو باقی رکھنے والا ہے۔ سنو! چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں اس لئے زور دار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا۔ اگر خدا نخواستہ ایسا کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی علمی عملی کارناموں کے ساتھ جن کے ثمرات وہ شب و روز لٹتے ہیں دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بیچارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آ رہا ہے اس لئے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تمہیں لیتے جاؤ کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر بن رہا ہے اور مجرم بن رہا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مَا تَعْدُونَ الْمُفْلِسَ فَيَكْفُرُ قُلْنَا مَنْ لَا مَالَ لَهُ قَالَ لَيْسَ

بِذَاكَ وَلَيْكَتُهُ الَّذِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِحَسَنَاتٍ وَيَأْتِي
قَدْ ظَلَمَ هَذَا وَشَتَمَ هَذَا وَآخَذَ مَالَ هَذَا وَلَيْسَ
هُنَاكَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ فَيُضْلَوْنَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَلَا تَعْنِي
فَيُؤْخَذُ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ فَيُطْرَحُ عَلَيْهِ (جمع الفوائد)

حنور نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ مفلس تم لوگ کس کو
سمجھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مفلس نہیں ہے بلکہ حقیقتہً مفلس وہ شخص
ہے جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لیکر حاضر دربار ہو مگر دنیا میں کسی
پر ظلم کیا تھا کسی کو گالیاں دی تھیں کسی کا مال چھین لیا تھا۔ قیامت میں
روپیہ پیسہ تو ہے ہی نہیں وہاں تو سارے حساب نیکیوں اور گناہوں سے
پورے کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان مظالم کے بدلے میں اس شخص کی
نیکیاں اُن لوگوں کو دلائی جائیں گی جن پر ظلم کیا تھا۔ اور ان کو بُرا بھلا کہا تھا۔
اور جب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو بہر حال اُن کے تو حقوق کو پورا
کرنا ہی ہے اسلئے بقدر ان حقوق کے جس قدر گناہ اُن لوگوں کے وزن میں آئیں
گے وہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے تو اصل مفلس یہ ہے کہ بہت کچھ کمائی (نماز روزہ
اور دینی کاموں کی) لیکر گیا تھا اور بلایہ کہ دوسروں کے گناہ بھی سر پر گئے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے اُن کو بُرا بھلا
کہا جاتا ہے اور فساق اور کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد
ہے۔ اِذَا مَدَحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَرَلَهُ الْعَرْشُ (مشکوٰۃ شریف)

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ ناراض ہوتے ہیں اور عرشِ تہرانے لگتا ہے) میرا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی تعریف نہ کی جائے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ کس شخص کی تعریف کس حد تک اور کن قواعد کے تحت میں جائز ہے اور کس حد تک ناجائز ہے۔ میری غرض یہ ہے کہ اللہ والوں کو بُرا نہ کہا جائے۔ کسی کی خلافِ شرع تعریف نہ کی جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کسی ایک جانب غلطی ہے تو کیا اُس کا مقتضایہ ہے کہ اُن کے سارے دینی کمالات سے آنکھیں پھوڑ لی جائیں۔ شریعتِ مطہرہ نے ہم لوگوں کو ایک ایک جُز اور ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے۔ ہم لوگ باوجود ادعائے مذہبیت کے اُسکی پرواہ نہیں کرتے۔ اور دوسری قومیں ان زرین اصولوں پر عمل کر رہی ہیں اور بڑھ رہی ہیں اور ہم لوگ اپنی بایہ لٹا رہے ہیں۔ اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔ سنو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی ایک جانب غلطی ہے اور وہ ایسی کھلی غلطی ہے کہ تم اُس کو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ نہ کرو۔ کون مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس بارہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سامنے رکھو انہوں نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے اور اللہ ان پر رحمت کرے کس قدر نفیس بات کہی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَاحْذَرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيمِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُولُ
كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلَى لِسَانِ الْحَكِيمِ وَقَدْ يَقُولُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ
الْحَقِّ قُلْتُ لِمَعَاذِ مَا يُدْرِينِي رَحِمَكَ اللَّهُ أَنَّ الْحَكِيمَ قَدْ
يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَأَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الْحَقِّ قَالَ

بَلَىٰ اجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيمِ الْمُسْتَهْزَاتِ الَّتِي يُقَالُ
لَهَا مَا هَذِهِ وَلَا يَشْنِيكَ ذَلِكَ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُرَاجَعَ
وَتَلَقَّ الْحَقَّ إِذَا سَمِعْتَهُ فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُورًا ۝

(میں تمہیں حکیم کی کجی سے ڈراتا ہوں کہ شیطان کبھی ناحق بات حکیم کی زبان
سے کہہ دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا۔
اللہ آپ پر رحم کرے۔ جب ایسا ہے تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ حق کیا
ہے اور گمراہی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں حکیم کی ایسی باتوں سے پرہیز کرو
جن کے متعلق یہ کہا جائے یہ کیا ہوگا یہ کیسے کہہ دیا اور اسکا خیال رکھنا کہ
حکیم کی یہ باتیں تجھے اس سے روگردان کر دیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع
کرے) اب غور کرو کہ حضرت معاذؓ نے اس ضابطہ اور نصیحت میں کتنے اہم
امور ارشاد فرمادیئے ہیں۔

① ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں۔ کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے،
اس لئے محض ایک بات کسی کی سنکر اس کا معتقد نہ ہونا چاہیئے۔ ہماری
عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا مضمون کسی کا پڑھا فوراً اس کے
معتقد ہو گئے ساتویں آسمان پر اُس کو پہونچا دیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ
ایک شخص کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بد دین ہے فاسق ہے مگر بات
ہماری مرضی کے موافق کہہ رہا ہے تو اس کو اتنا پتہ دین دار ثابت کریں گے
کہ معاذ اللہ نبوت کے قریب پہونچا دیں گے۔ پھر اسی کی کوئی بات اپنی
رائے کے خلاف سنیں گے تو اس کو تحت الثرملی میں پھینک دیں گے۔ اسی کا

نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق ہم صبح کو زندہ بار کہتے ہیں شام کو مُردہ بار کہتے لگتے ہیں۔ یُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَيُؤْمِنُ كَافِرًا سے اگر اس کو تشبیہ دوں تو کیا بجائے۔

(۲) حضرت معاذؓ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ حکیم سے بھی کجی کی بات ہو جاتی ہے۔ اس لئے محض ایک آدھ بات کی وجہ سے غیر معتقد نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ دونوں کے مجموعہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اول تو آدمی کی حالت کا پورے غور و تعمق سے مطالعہ کرنا چاہیئے اگر وہ اکثر و بیشتر امور میں شریعتِ مطہرہ کا متبع ہے اور سنتِ نبویہ کا دلدادہ ہے۔ تو بیشک وہ قابلِ اتباع ہے قابلِ اقتداء ہے۔ پھر اگر کسی کو اپنی پوری ذمہ دارانہ تحقیق سے کوئی بات اس کے خلاف معلوم ہو تو اس بات کو نہ لینا چاہیئے لیکن اس کی وجہ سے اس حکیم سے علیحدگی اختیار نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ تو رجوع کر لے اور تم ہمیشہ کے لئے اس سے پھوٹ ہی جاؤ گے۔ یہ اجمال ہے حضرت معاذؓ کے ارشاد کا تفصیل میں غور کے بعد بہت سی گنجائش ہے۔ اب موجودہ صورت کو جانچو ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔ ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی کیسی ہی معمولی سی بات ہو۔ کتنی ہی جزوی چیز ہو۔ پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اُس کے موافق دیکھ لی یا سن لی تو اُسکی تعریفوں کے پُلِ باندھ دیئے جاتے ہیں اُس کو سراہا جاتا ہے۔ اس کی جاوید حمایت کی جاتی ہے۔ اُس میں جو خلاف شرعی واقعی باتیں ہوں ان کو معمولی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے

یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اس کو حق کہا جائے جو غلط ہے اس کو غلط کہا جائے یا کم از کم سکوت کیا جائے۔ لیکن ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ اس شخص کی حمایت میں ان شرعی امور ہی کو سرے سے لغو بتا دیا جاتا ہے جن کی وہ خلاف ورزی کرتا ہے حتیٰ کہ اسلام کے اہم ترین رکن جس کو سیکڑوں احادیث میں کفر و اسلام کا امتیاز بتایا گیا ہے یعنی نماز اس کے متعلق بھی ایسے الفاظ ہماری زبان و قلم سے نکلتے ہیں جن کی نقل سے بھی کوفت ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ہمارا ممدوح نماز نہیں پڑھتا نماز کے ساتھ استخفاف کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اسکا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سُن لی یا دیکھ لی تو اس کا ہر فعل عیب ہے۔ جو واقعی خوبیاں اس میں ہیں وہ بھی سراسر مذمت کے قابل سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ شرع اور عقل و فہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک مرتبہ ہے جس سے نہ گھٹانا چاہیئے نہ بڑھانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے - اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ كَذٰلِكَ اِنِّیْ الْجَامِعُ (بروایت مسلم و ابی داؤد عن عائشہ و رقم لہ الباصحی) لوگوں کو اُن کے مرتبہ میں رکھا کرو (یعنی نہ مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ) لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں افراط و تفریط ہے اعتدال کا ذکر ہی نہیں، علاوہ ازیں اگر میں مان بھی لوں کہ ان حضرات میں شدید اختلاف ہے تو یہ بھی سمجھ لینے کی بات ہے کہ اہل حق میں شدید اختلاف کا ہو جانا نہ منقصت ہے نہ شریعت کے خلاف۔ بلکہ جب کسی امر میں

اہل حق کے نزدیک اختلاف ہوگا تو جس درجہ کا وہ امر اور وہ اختلاف ہوگا اسی درجہ کی اُس میں شدت بھی ہوگی۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک امر کو کوئی شخص فرض سمجھتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے یا ایک شخص واجب سمجھتا ہے دوسرا مکروہ تحریمی تو اس میں آپس میں مخالفت منازعت تردد ضروری ہے یہی چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں قتال تک پر مجبور کیا۔ ابو داؤد شریف میں ایک حدیث ہے ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتروا جب ہے۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جن کی تحقیق اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کذب (بھوٹ بولا) گو علما اس ارشاد کی صحابی کی شان میں ہونے کی وجہ سے توجیہ فرماتے ہیں لیکن ظاہر الفاظ یہی ہیں اس لئے اگر کسی امر حق کی تحقیق میں کوئی لفظ سخت نکل جائے تو اسکی توجیہ ہم کو بھی تو کرنا چاہیئے۔ حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں نظیریں اس کی ملیں گی اور یہ حضرات اپنے اس زور و شور میں اس لئے معذور ہیں کہ ان کے پیش نظر **إِلَّا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ كَذَابِي جَمَعَ الْفَوَائِدُ بِرَوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَرْفُوعًا** جیسے ارشادات نبویؐ بکثرت موجود ہیں۔ ترجمہ: خبردار! کسی شخص کو امر حق کہنے سے لوگوں کی ہیبت نہ روکے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نقل فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ بہت سے امور ہم نے دیکھے اور ہیبت ہمارے لئے مانع ہو گئی۔ نیز مشہور حدیث

ہے۔ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ جو شخص کوئی ناجائز چیز دیکھے اس کو ہاتھ سے بند کر دے ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے بند کر دے۔ زبان سے بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) دل سے تو اسپر نکیر کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی نصوص ہیں جن میں سے بعض میں اپنے رسالہ تبلیغ میں ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ارشادات ان حضرات کو مجبور کرتے ہیں کہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اور جس درجہ کا حق سمجھتے ہیں اس کو اصرار سے بیان فرمائیں اور شائع کریں اور اس کے خلاف پر نکیر کریں اور شدت سے کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نکیر کرنے والا اسکا اہل ہو کہ نکیر کر سکے۔ ہر شخص اسکا اہل نہیں ہوتا۔ اس میں نہ تشویش کی وجہ ہے نہ کوفت کی۔ البتہ یہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر ایک منظر پر متفق ہو جائیں۔ اگرچہ اس میں تنگی ضرور ہو جائیگی کہ اختلاف کی وسعت جاتی رہے گی لیکن اور بہت سی مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائیگی۔ مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب و شتم کرے نہ یہ ہے کہ اُن کے غیر واقعی عیوب پھیلانے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم بجائے نفع کے صرف نقصان ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر بھی غور کریں۔ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعْنَانٍ عَلَى مَوْنٍ نَدُو طَعْنُ بَازٍ وَنَابِہٍ نَدُو لَعْنَتٍ بَازٍ نَدُو فُحْشٍ كُوْہَتَابِہٍ نَدُو بَدُوْہٍ

وَلَا لَعَانَ وَلَا فَحَاشٍ وَلَا بَذْيٍ دُوسری حدیث میں ہے:
سَبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ وَقِتَالُ الْكُفْرِ۔

ایک حدیث میں ہے: يَا مُعَشَّرُ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضْ الْإِيْمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَغْتَرَوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ ۝

بلکہ اسکی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پتھے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں۔ متحمل مزاج بھی ہوں۔ جائیں طویل طویل گفتگو کریں۔ بفضل اور پتھے صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں۔ انشاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر میری طرح سے افسوس کریں۔ لیکن گالیاں دنیا بہ عام

عہ مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کر ڈالنا کفر کی بات ہے۔
عہ لے وہ لوگوں جو زبان سے اسلام کے دعی ہوا اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ہے تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچایا کرو اور انکو عار نہ دلایا کرو ان کے عیوب کے دپے نہ ہوا کرو جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کے دپے رہتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اسکی عیب کے دپے ہوجاتے ہیں۔ اور اللہ جل جلالہ جس کے عیب کے دپے ہوجائیں اس کو پردہ کے اندر سے بھی رسوا فرمادیتے ہیں۔

مومنوں کو بھی جائز نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو ابھی نقل کیا گیا ہے کہ سَبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ (مومن کو گالیاں دینا فسق ہے) اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود ابو ہریرہ، سعد عبداللہ بن معقل، عمرو بن النعمان اور جابر (جامع الصغیر) اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہؓ نے نقل کیا ہے۔ پھر چہ جائیکہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینا بُرا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑنا ہے کسی کا کیا نقصان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ (شکوہ بخاری وغیرہ) جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔ تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہ سے لڑائی کر کے دُنیا میں کون شخص فلاح پاسکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اور یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ بالا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بخاری شریف میں نقل کئے گئے ہیں اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ حضرت میمونہؓ حضرت معاذؓ حضرت انسؓ حضرت ابوامامہؓ و حبیب بن منبہؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ بعض روایتوں میں وارد ہے کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر اُتر آیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے (فتح الباری) حضرت عمرؓ ایک

مرتبہ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت محاذ بن جبلؓ حضور
 اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں جھڑ
 عمر نے دریافت کیا معاذ کیوں رو رہے ہو عرض کیا کہ میں نے اس (پاک)
 قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بات سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں،
 (مبادا میں کہیں مبتلا ہو جاؤں) میں نے آپؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تھوڑا
 سا دکھلاوا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا
 ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے (حاکم مستدرک) ایک حدیث
 میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل
 علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی
 اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے میں اپنے اولیاء
 کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضبناک شیر (درمنثور)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو
 اُس کا بھلا ٹھکانا کہاں۔ اور پھر اگر اس کے معاوضہ میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ
 جائیں ناک کان آنکھ جلے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہر حال
 ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن
 خدا خواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بد دینی میں مبتلا ہو جائے

عہ حضرت وہب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی کتاب (زبور) میں اللہ
 جل جلالہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی
 ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر آتا ہے: درمنثور ص ۱۸۹

تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو۔ بحرح اس گناہ کے اور سود کھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سور خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے امرقاہ شرح شکوۃ) صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بدر ہونے پر۔ ایک مسلمان کے لئے خاتمہ بالآخر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔

شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے اُن حضرات صوفیہ پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں زہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے۔ بڑی سخت و عید اس بارہ میں وارد ہوئی ہے اور یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا (معاذ اللہ) اندیشہ ہے۔ اس کے بعد موصوف نے بہت طویل بحث اس میں کی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بہر حال میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ

مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقہ بھی ہمیشہ اس کی خصوصیت سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس بقیۃ السلف حجتہ الخلف شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقہ نے اپنی تفسیر میں ذَلِکَ بِمَاعَصَوْا وَکَانُوا یَعْتَدُونَ کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے کہ اُن یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ محکم ہوتی گئی اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے اور جو ان کو گناہوں سے منع کرتا تھا اُس کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے تھے قتل کر ڈالا اور قرآن کی آیات کا صریح انکار کیا۔ اور یہ گناہ کی نحوست ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور پھر تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء ربانی گناہوں کی مداومت سے نہایت ہی تاکید سے منع کرتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور جو چیز ان سے مانع ہو اس کی بُرائی دل میں جم جاتی ہے حتیٰ کہ اخیر نوبت کفر کے حدود تک پہنچ جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے مَنْ تَهَاوَنَ بِالْآدَابِ عُوقِبَ بِحُرْمَانِ الشُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالشُّنَّةِ عُوقِبَ بِالْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوقِبَ بِحُرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ۔ جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا

سمجھتا ہے اسکو سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنت کو ہلکا اور خفیف سمجھتا ہے اس کو فرائض کی محرومی سے سزا دی جاتی ہے اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے یہ بہت ہی سخت اندیشہ ناک بات ہے۔ شریعت کے معمولی آداب کو بھی استخفاف اور فضول سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیئے کہ اس سلسلہ کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت سے محرومی کا سبب بنتی ہے۔ چہ جائیکہ اہل اللہ کے احترام کو جو اہم آداب میں ہے۔ اور جب آداب کے ساتھ استخفاف کا سلسلہ فرائض کے استخفاف اور مہتہا میں کفر تک پہنچانے والا ہو تو تم ہی سوچو کہ کتنا خطرناک معاملہ ہے۔ لوگ معمولی آداب اور معمولی گناہوں کو ہلکا سمجھ کر لاپرواہی کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دین کا ہر ہر جز کچھ ایسا آپس میں مترتب ہے کہ ہر کڑی دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے حضور کا ارشاد ہے کہ جو قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے اللہ جل شانہ ایک سنت ان سے اٹھا لیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹتی (مشکوٰۃ شریف) حضور کا ارشاد ہے کہ جب اللہ جل شانہ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اُس سے حیا اور شرم کو زائل کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ بے شرم بن جاتا ہے تو اسکو دیکھنے کا وہ غصیا رہ اور لوگوں کی نگاہ میں بغوض بن جائے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائیگا تو اس سے امانت زائل ہو جائیگی اور وہ خائن بن جائیگا اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس کے دل سے رحمت نکال لی جائیگی اور وہ مخلوق پر شفقت نہ کرے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائیگا تو لوگوں کے یہاں مردود اور ملعون بن جائیگا اور جب اس درجہ پر

پہونچ جائیگا تو دیکھیے گا کہ اسلام کی رسی اسکے گلے سے نکل جائیگی (جامع الصغیر)
 بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص کسی مسلمان کو اذیت
 پہونچاتا ہے وہ مجھ کو اذیت پہونچاتا ہے۔ اور جو مجھ کو اذیت پہونچاتا ہے
 وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہونچاتا ہے (جامع الصغیر) کتنی سخت بات ہے کہ
 جب عام مسلمانوں کا یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہونچانا جو حقیقی
 معنوں میں مسلمان ہیں کتنا سخت ہوگا۔

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو تراب بخشی جو
 شائع صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ
 سے اعراض کی ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا
 رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے
 تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے ۷

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۶۰ میلش اندر طعنہ نیکاں برد
 شیخ ابوالحسن شاذلی جو اکابر صوفیہ اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں،
 فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ہمیشہ سے استلزام ہے
 اُن میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے
 ہیں لیکن خاص خاص اللہ والوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ
 ولی کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے وہ کیسے
 کسی کی ولایت کا انکار کر سکتا ہے شیخؒ نے آگے چل کر ان اسباب کو مفصل
 ذکر فرمایا ہے جو شائع پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا
 ہے کہ بعض شائع لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ

امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقع ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو کیسویں کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم و عبادت میں مشغول ہوتے۔ لیکن وہ معترض اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنی ذات کے لئے بل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کے لئے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لئے اور ان سے کسی مضرت کے رفع کرنے کے لئے بل رہا ہے حالانکہ بسا اوقات ایسی مصالحت کی بنا پر ان لوگوں سے ملنا واجب ہو جاتا ہے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے۔ (طبقات)

یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے برا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لئے حجاب کا سبب بن جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں حالانکہ بعض اوقات یہ بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جانا نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ (حضرت مجدد صاحب کے والد) شیخ عبدالاحد کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی انہوں نے صبر و سکوت فرمایا۔ اتنے میں دیکھا کہ غیرت الہی جو ش انتقام میں ہے شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے اس کو تردد ہوا۔ ادھر وہ عورت گر کر مر گئی۔ اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس نوع کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلا سے بہت

سہل ہے۔

حضرت شیخ علی خواںؒ پوشہورا دلیا میں ہیں فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علم یا مشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہ حفاظت سے گر جاؤ گے۔ اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔ (طبقات کبریٰ)

شیخ ابوالقوارس شاہ بن شجاع کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ انہی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے (نزہۃ البسائین) اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے۔

نصیحت گوش کن جاناں کراز جہان دستار دار : جواناں سعادت مند پذیر دانارا
خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کا شمار اور مشرآن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی انہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ قیامت

کب آئیگی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا طیار کر رکھا ہے (کہ انتظار و اشتیاق میں ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے اس کے سوا کچھ طیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے مجھے محبت ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی (مشکوٰۃ شریف) اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے جتنی بھی خوشی ان حضرات کو ہوئی ہو قرین قیاس ہے۔ میں ان حضرات کی محبت کے چند قصے اپنے رسالہ حکایات صحابہؓ میں نمونے کے طور پر لکھ چکا ہوں اُس کو بھی ایک نظر ضرور دیکھو اُس سے اندازہ ہوگا کہ دین پر مرنٹنا کیا ہوتا ہے اور ان حضرات کو حضورؐ سے کتنی محبت تھی، ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے، لہذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے (مشکوٰۃ شریف) یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے، اہل اللہ سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے وہ اکیس رہے دونوں جہان میں کام آنے والی چیز ہے۔

عہ حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیری نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضی کو ہلکانہ سمجھنا کہ وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے (درمنثور) ص ۱۶۳

دست در دامن مرداں زن و اندیشہ کن ۛ ہر کہ بانوح نشیند چہ غم از طوفانش
اہل اللہ سے جتنی بھی محبت پیدا کر سکو در بیغ نہ کرنا اور بے دین لوگوں
سے جتنا بھی ممکن ہو استراز کرنا اور یکسو رہنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
ہے کہ صالح اور بہتر ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو شک والا ہو کہ
اگر اس سے شک نہ بھی ملے تب بھی اسکی خوشبو تو پہونچے ہی گی اور بُرے
ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھیٹ کا دھونکنے والا ہو کہ اگر کوئی چنگاری
وغیرہ گرتی تو بدن جلاد یگی یا کپڑے جلاد یگی اور (اگر چنگاری نہ بھی اڑے) تو اُسکا
دھواں اور بُو تو پہونچے ہی گی۔ بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے
نقل کی گئی ہے۔

حضرت لقمان حکیم کی نصیحت ہے کہ بیاضلحار کی مجلس میں بیٹھا کر اس سے تو
بھلائی کو پہونچے گا اور اُن پر رحمت نازل ہوگی تو تو اُس میں شریک ہوگا۔ اور
بُروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں، اور کسی وقت
ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تو بھی شریک ہو جائیگا۔ (در منثور ص ۱۶۳) اس لئے
بُری صحبت کے اثرات سے بہت استراز کرنا چاہیئے۔ اور اللہ والوں کی صحبت اور
اُن کے پاس بیٹھنے کو اکسیر سمجھنا چاہیئے۔ انہی صحبت نیک اعمال کی ترقی کا سبب
ہوتی ہے۔ البتہ جیسے ہر چیز میں اصل و نقل کا امتیاز کیا جاتا ہے، سچ اور جھوٹ کو پرکھا
جاتا ہے یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔

اے بسا ابلیس کا دم رُتے ہست ۛ پس بہر دستے نہ باید داد دست
مخالطہ سے بُرے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے، اور

اسکا معیار شریعت مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں
شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہو۔ نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا
پابند ہو۔ وہ نیک ہے شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں
ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے
جس کو میں لے کر آیا ہوں“ (مشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تم میں بہترین لوگ وہ
ہیں جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ جن کی بات سے علم
میں ترقی ہوتی ہو۔ جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو۔“
(جامع الصغیر و رقم لب الصحتہ)

اس لئے محبت اور تعلق رکھنے کے لئے یہ شرط تو ضروری ہے کہ اُس کے
دینی حالات معلوم ہوں اور شریعت کے موافق اسکا ہونا محقق ہو جائے۔
لیکن جس شخص کا حال معلوم نہیں نہ یہ معلوم کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا
مخالف اُس سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ البتہ محض سنی سنائی باتوں سے
اس پر کوئی حکم لگا دینا یا بُرا بھلا کہنا بیجا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ
مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا اگر تو اس پر
قادر ہو کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر۔
یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا

ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہے
(مشکوٰۃ)

جواب ۲

میرے خیال میں تمہارا یہ سوال اس قدر مہل ہے کہ جواب کے قابل بھی نہ تھا۔ اللہ کے بندے اتنا تو سوچا ہوتا کہ ان حضرات کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، دیانت و تبحر، اللہ کا خوف، اللہ سے تعلق، دینی اشتغال، دینی تعلق کو کسی چیز ایسی ہے جس کے پاشنگ میں بھی اپنے کو رکھ دوں۔ ایسی صورت میں میرا منہ یا میرے قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان اکابر میں محاکمہ کروں۔

سنو! دو آدمیوں کے درمیان محاکمہ جب ہی ہو سکتا ہے جب محاکمہ کرنے والا ان میں محاکمہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو اور پھر دونوں کی پوری پوری سُننے اور سُننے کے بعد اُن کے کلام کا وزن دیکھے۔ ہر ایک کے اشکالات کا دوسرے سے جواب مانگے اور پھر جواب الجواب اور اس ساری تحقیقات کے بعد پھر دیکھے کہ کس کی بات وزنی ہے۔ پھر کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ اب تم خود اندازہ کر لو کہ اول تو میری حیثیت ہرگز ایسی نہیں کہ ان حضرات سے مساویانہ گفتگو کر سکوں اور اگر بغرض محال ان کے اخلاق کریمانہ کے پیش منظر ایسا ہو بھی جائے تو پھر کیا میری یہ بھی حیثیت ہے کہ میں اس میں توازن قائم کروں۔ میری حیثیت یہ ہے کہ میری پختہ رائے کے بعد بھی اگر یہ حضرات کسی بات کو فرمادیں کہ یہ غلط ہے

تو مجھے اس کو قبول کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ اس پر نقد و تبصرہ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ دو اخبار پڑھ لئے یا ایک مہل مضمون کسی اخبار میں لکھ دیا اور ان لوگوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو علوم کے سمندر لئے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کسی پر تنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اسکی بات کی حقیقت اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے۔ یہ انتہائی حماقت ہے کہ بغیر بات سمجھے اناپ شناسپ ہانکنا شروع کر دے۔ ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے کہ ایک ادراک کی گرہ کہیں سے اٹھالی اور اپنے آپ کو پینساری سمجھنے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں اعْجَابُ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ بھی ارشاد فرمایا ہے (ہر ذی رائے کا اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنا) جس کا آجکل ظہور علی الوجہ الاتم ہو رہا ہے۔ ہر شخص سی سمجھتا ہے ہچو من دیگرے نیست کہ جو میری سمجھ میں آگیا ہے وہی حق ہے چاہے کوئی بڑا کچھ کہے یا چھوٹا، عالم کہے یا مدبر۔

غور تو کرو کہ حضرت اقدس حکیم الامتہ ادام اللہ ظلال برکاتہ، ۱۳۱ھ میں فارغ التحصیل عالم فاضل ہوئے اس کے بعد سے آج ۱۳۵ھ تک درس تدریس قال اللہ قال الرسول استفادہ و افادہ باطنی میں انہماک۔ یہ نصف صدی سے زیادہ زمانہ فقہ اور اصول قرآن اور حدیث کے غور و غوض اور افہام و تفہیم میں گذر گیا۔ جس مبارک ہستی کا اتنا وسیع

وقت علوم کے تدبر میں گذرا ہو۔ نکات قرآنیہ اور دقائق فقہیہ میں اتنی مدت گزری ہو اس کی نظر ایسی چیز ہے جس کو بے دھڑک ہر آدمی لغو اور غلط کہہ دے۔

اسی طرح امیر الہند حضرت مدنیؒ میں فارغ التحصیل ہوتے اور آج تک کا سارا زمانہ درس و تدریس استفادہ اور افادہ باطنی میں گذرا۔ سالہا سال حضرت شیخ الہندؒ جیسے محقق و متبحر کے زیر سایہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں مہارت حاصل کی اور پھر عمر کا اکثر حصہ سیاسی مناظر اور قید و بند ہندو بیرون ہند کے تجربات میں گذرا۔ کیا یہ ہستیاں ایسی ہیں کہ ہر کہ و مر ان کی دقیق نظروں کا مقابلہ کرنے لگے اور بے دھڑک ان پر رائے زنی شروع کرے۔ اور پھر بالخصوص مجھ جیسا کوتاہ نظر جو ابھی طفل مکتب ہو اور کے آمدی کے پرشدی کا مصداق ہو۔ میں تو جب ان حضرات اکابر کے نام اشتہارات اور اخبارات میں کھلے خط دیکھتا ہوں محو حیرت ہو جاتا ہوں کہ دنیا کیلئے کیا ہو گئی ہے۔ عالم میں کیسا انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ اکابر کا احترام بالکل جاتا رہا ہے۔ پھر اگر اہل علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی بات کہیں تب بھی ایک درجہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اہل قلم جن کا منتہائے علم ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا ہے یا ایک شستہ تقریر کر دینا ہے۔ ایسے بیجا الفاظ سے رد کرتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی استعمال کرنا ناموزوں ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میرے استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔

میری ایک نصیحت بہت غور سے سُنو۔ ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ و ما علیہ پر عبور ہو۔ دو شخصوں کے درمیان میں محاکمہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ان دونوں کے پورے دلائل پر عبور ہو۔ البتہ کسی شرعی منصوص کے خلاف کوئی چیز ہو تو اس میں کسی کی بھی رعایت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں۔ بلکہ فقہاء سلف کے منصوص اقوال کے خلاف بھی مقلد کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن جہاں مسئلہ استنباط سے تعلق رکھتا ہو نصوص شرعیہ ہر ایک کے ساتھ ہوں وہاں جلدی سے دخل در معقولات کر کے فوراً محاکمہ کر دینا حماقت ہے۔ میں تم کو بڑے زور سے روکتا ہوں کہ اہل حق پر انکار کرنے میں کبھی بھی جلدی نہ کرنا بہت غور و فکر اور تدبیر کے بعد لب کشائی کرنا۔ جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز کرنا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے انہوں نے حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا۔ تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ أَيْدِيَنَا مِنْهَا فَلَا فُلُوثٌ أَلَسْنَا بِهَا؟ ان خونوں سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو پھر ہم اپنی زبان کو کیوں اُن سے آلودہ کریں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان اعلیٰ وارفع ہے دوسروں کو ان پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہاں لب کشائی سے بچنے والے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نہیں۔ جو جلیل القدر تابعی ہیں حضرت خضر اور

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہما السلام کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ قرآن پاک میں مفصل مذکور ہے۔ متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) پر رحم فرمائیں اگر وہ سکوت کرتے تو اور بھی عجائبات حضرت خضر کے کارناموں کے معلوم ہوتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ کا مقولہ ہے کہ امور تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کا رشد (ہدایت) ہونا کھلا ہوا ہو ان کا اتباع کرو دوسرے وہ امور ہیں جن کا گمراہی ہونا کھلا ہوا ہو ان سے اجتناب کرو۔ تیسرے وہ ہیں جن میں اختلاف ہو ان کو ان کے عالم کے حوالہ کرو (رواہ الطبرانی ورجالہ موثوقون کذا فی مجمع الزوائد) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جری ہے وہ جہنم پر زیادہ جری ہے (دارمی) حضرت عبداللہ بن مسعود ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر استفتاء کا جواب دے وہ مجنون ہے (دارمی)

مقصود یہ ہے کہ بہت سے استفتاء فضول مد میں کئے جاتے ہیں جیسا کہ آجکل عام دستور ہے کہ استفتاء سے مقصود عمل کم ہوتا ہے کسی کو رُسوا کرنا۔ کسی کے خلاف سازش کرنا ہوتا ہے اس لئے اس چیز میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ نیز بسا اوقات مسئلہ میں اشتباہ بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں خواہ مخواہ فتویٰ دینا بھی جرات ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

حلال کھلا ہوا ہے حرام کھلا ہوا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے
 مشتبہ امور ہیں جن میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس لئے جہاں ایسی
 جزئیات پیش آویں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا چاہیئے۔ نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

إِذَا وَبَسَدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرُوا السَّاعَةَ.

جب امور نا اہلوں کے سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو (اشاعت بروایت
 البخاری) اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ محقق علما کے درمیان میں جاہل لوگ
 حاکم شروع کر دیں نیز دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 نے چھوٹے لوگوں سے علم کا تلاش کرنا بھی علامات قیامت میں شمار فرمایا
 ہے۔ میرا مقصود ان سب آثار و روایات سے یہ ہے کہ جو چیزیں استنباط
 سے تعلق رکھتی ہیں کوئی نص شرعی تصریح سے ان کو متناول نہیں
 ان میں اہل حق کی تردید میں جلدی کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ بالخصوص
 چھوٹوں کو لب کشائی کرنا بہت ہی زیادہ بے محل ہے۔ ہاں جو شخص
 عمل حیثیت سے برابر کا ہو اس کو یقیناً حق ہے کہ بے تامل رد کرے۔
 البتہ کوئی چیز صراحتہً نصوص کے خلاف ہو تو اس میں یقیناً لاطاعۃ
 مَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت
 نہیں) صاف اور واضح اعلان ہے۔ اب غور سے سوچو کہ مسائل حاضرہ میں اصل
 مدار اسلام اور مسلمانوں کی منفعت پر ہے اور اس کلیہ کے تحت میں تقریباً
 تمام جزئیات حاضرہ داخل ہیں۔ اس میں حسب قواعد شرعیہ الْأُمُورُ

بِمَقَاصِدِهَا وَالشَّيْءُ الْوَاحِدُ يُتَصَفُّ بِالْجِلَّةِ وَالْحُرْمَةِ بِاعْتِبَارِ مَا قَصِدَ لَهُ (مقصد کے اعتبار سے امور کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور ایک ہی شے مقصد کے اختلاف کے اعتبار سے حلال و حرام کی ساتھ متصف ہو سکتی ہے) يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍ (خصوصی نقصان عمومی نقصان کے مقابلہ میں قابل برداشت) مَنْ أَتَى بِلَيْتَيْنِ فَلْيَحْتَرَأْهُمَا (جو دو مصیبتوں میں گرفتار ہو وہ کم درجہ مصیبت کو اختیار کرے) إِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غَلَبَ الْحَرَامُ (جس چیز میں حلال اور حرام دونوں شامل ہو جائیں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے) وغیرہ وغیرہ ایسے قواعد کلیہ ہیں کہ ان کے تحت میں جزئیات کا داخل کرنا اور ان سے جزئیات کا استنباط کرنا ہر کہ و مہ کا کام نہیں ہے وہی ان قواعد سے جزئیات کا جواز و عدم جواز نکال سکتا ہے جو قواعد شرعیہ سے پورا واقف ہو اور جو شخص نصوص شرعیہ حدود شرعیہ اور قواعد فقہیہ سے واقف نہ ہو وہ محض کسی اہیت کا ترجمہ دیکھ کر یا حدیث کا ترجمہ دیکھ کر فتاویٰ جاری کرنے لگے تو اس سے زیادہ بد دینی کیا ہوگی۔ انہیں قواعد کے تحت میں موجودہ اختلاف بھی ہے کہ ایک مشترک مقصد یعنی اسلام کی اور مسلمانوں کی منفعت اور ان کو مضرت دینی سے بچانا دونوں حضرات کا مشترک مقصد ہے اور ہونا بھی ضروری ہے کہ ادنیٰ سا مسلمان بھی اسکو گوارا نہیں کر سکتا کہ اسلام کو یا مسلمانوں کو کچھ نقصان پہونچے چہ جائیکہ اولیاء اللہ اور محقق علماء کے متعلق اس قسم کی بدگمانی کی جائے یہ کتنی سخت غلطی ہوگی۔

اس کے بعد اس مقصد کے حصول کے وقت دو راستے ہیں اور دونوں
 خطرات سے خالی نہیں ہیں اور اس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہے اب
 زیر بحث مسئلہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کس طریقہ میں مضرت زیادہ ہے
 کس میں کم ہے۔ کونسی مضرت قابل تحمل ہے کونسی مضرت ناقابل برداشت
 ہے کونسا نقصان عام ہے اور کونسا خاص ہے۔ اسکی مثال بعینہ ان دو
 ڈرائیوروں کی سی ہے جن کو مثلاً مکہ مکرمہ جانا ہے اور موٹروں کو ان کچے
 راستوں سے لیجانا ہے جن میں دلہلیں ضرور ہیں، لیٹروں کا ملنا بھی
 یقینی ہے۔ خطرات بھی لازمی ہیں۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کونسا
 ایسا راستہ ہے کہ جس میں خطرات کم ہیں اور کونسا ایسا ہے جس میں
 خطرات زیادہ ہیں۔ کونسے راستے پر چل کر پہنچ جانے کا غلبہ ظن ہے۔
 اور کس راستے سے جانے سے دلہل میں پھنس کر راستہ میں ایسے
 پھنس جانے کا خطرہ ہے کہ نہ پاتے رفتن نہ جاتے ماندن کا مصداق بن
 جائے۔ کس راستہ میں یہ خطرہ ہے کہ کوئی مقامی حکومت قافلہ کو ایسا گرفتار
 کر لے کہ نہ واپس آنے دے نہ آگے جانے دے۔ ایسی صورت میں اگر دو
 ڈرائیوروں میں راستہ کے بارہ میں اختلاف ہو اور ہر ایک کے نزدیک
 ایک راستہ پر سے جانے میں منزل مقصود تک پہنچ جانے کا غلبہ ظن ہو
 اور دوسرے میں خطرہ یقینی اور قطعی ہو تو اس میں کیا تو الزام ہے
 ڈرائیوروں پر اور کیا ذمہ داری ہے اس کی کہ جس راستہ پر وہ لے جانا
 چاہتے ہیں اس میں کوئی خطرہ نہیں یا منزل مقصود تک پہنچنا یقینی ہے۔

ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو درایتور راستوں کے خطرات کی اصلاح کی فکر میں ہوں۔ دن رات اسی سوچ میں گھلے جاتے ہوں قافلہ کو کس طرح منزل مقصود تک پہنچاؤں وہ قابل شکر گذاری ہیں یا قابل ملامت و دشنام ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ ان کی جو اعانت ممکن سے ممکن ہو کی جائے یا اسکے قابل ہیں کہ جو مشکلات ان کے راستہ میں حائل کی جاسکتی ہوں ان سے دریغ نہ کیا جائے اور ایسے مسافر جو اپنے رہبروں کے انتظامات میں مشکلات حائل کرتے ہیں وہ اپنے اور اپنے بھائیوں کے اور اپنی قوم کے دینیات کو خطرہ میں ڈالتے ہیں یا ان کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں میں پھر وہی کہوں گا کہ جس شخص کو اپنی بصیرت سے اپنے تجربہ سے کسی ایک جانب خطرہ کم معلوم ہوتا ہے وہ اس راستہ پر ضرور چلے۔ لیکن یہ کہ ہر کا انصاف ہے کہ دوسرے ماہر تجربہ کاروں کو سب و شتم کرے یا ان کو ستلئے نہیں معلوم ہے کہ ہندوستان میں دو نظریے تقریباً پچاس برس سے چل رہے ہیں ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں ان کو ہندوستان میں سیاسی جدوجہد دوسری اقوام کی ساتھ ملکر کرنا ضروری ہے ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی کا ثمر ہونا مشکل ہے گو اس اتحاد میں کچھ تسامح بھی کرنا پڑے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہندو کی تنگ نظری سے ان کے ساتھ ملنے میں مقصد تک پہنچنے سے قبل ہی بہت سے دینی اور دنیاوی نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے اور مقصد تک پہنچنا یقینی نہیں ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی

علیحدہ مستقل جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ میرے اکابر ان نظریوں میں ہمیشہ
 مختلف رہے ہیں اور اب تک ہیں۔ دونوں نظریے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں
 کسی ایک کو بھی قطعی طور پر غلط نہیں کہا جاسکتا۔ ایسی صورت میں کیا
 ضروری نہیں کہ جس کے نزدیک جو چیز اہم ہو، جس صورت میں نقصان
 کم ہو اس کو اختیار کرے اور اپنے دوستوں کو بھی ضرور مشورہ دے کہ
 اس راستہ پر چلنا مفید و مناسب ہے اور دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا
 راستہ بین بین نکل سکتا ہو تو اس کو اختیار کر لے۔ بشرطیکہ کوئی رہبر کوئی
 ڈرائیور ساتھ ہو۔ کوئی راستہ پر چلانے والا ہمراہ ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ ہم
 لوگ ذرا سے اختلاف سے کتنا مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایسے لوگوں
 کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں شروع کر دیتے ہیں جنکو ہم اپنا
 مقتدا اپنا رہبر بھی مانتے ہیں اور جس قوم کے مقتداؤں کا یہ حال ہو جو
 ہم لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں لکھتے اور کہتے ہیں تو مقتدیوں
 کا حال خود ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف ان اکابر ہی کی شان
 میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ اپنی نااہلیت اور نالائقی کا بھی ڈنکا بجاتے ہیں
 کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو اوصاف جمیلہ کبھی مسلمانوں کی شایان
 شان تھے وہ آج دوسرے لوگ اختیار کر رہے ہیں اور مسلمان اُن کو
 چھوڑتے جاتے ہیں۔ آج دوسری قوموں میں باوجود شدید اختلافات کے
 آپس میں اتحاد ہے اتفاق ہے۔ ایک کو دوسرے کی رائے کی باوجود مخالفت
 کے وقعت ہے وہ اندر خانہ اور درپردہ بلکہ علی الاعلان مخفی مشورے بھی

آپس میں کر لیتے ہیں اور ہم لوگ کسی بڑے کا اتباع اور اسکی حمایت یا اسکی جماعت میں ہونا اسکو سمجھتے ہیں کہ اسکی مخالف جماعت سے برسرِ پیکار رہیں۔ اسکی توہین و تذلیل کے درپے رہیں۔ گو اس میں خود ہمارا نقصان ہو جائے۔ ہماری بدنامی ہو جائے مگر دل ٹھنڈا جب ہی ہوگا جب دوسری جماعت کی کوئی رسوا ہوگی۔ اسکا کوئی عیب طشت ازبام ہوگا۔ خیر القرون اور اسلاف کا ذکر نہیں میں نے قریب ہی زمانہ کے اپنے خاندانی بزرگوں کے قصے کثرت سے سنے ہیں کہ آپس میں جانبداری قصوں میں مقدمہ بازی سے مگر کیرانہ تحصیل میں جو کاندھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اکثر دونوں فریق ایک ہی بہل میں چلے جاتے تھے۔ جس فریق نے اپنی بہل جڑ والی دوسرا بھی اسی میں چلا گیا۔ انہی واقعات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات سنی ہے کہ دو عزیزوں میں طویل مقدمہ بازی تھی۔ ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا اسی دوران میں مدعا علیہ کا انتقال ہو گیا۔ مدعی نے مرحوم کی اہلیہ کے پاس کہلا کر بھیجا کہ میری لڑائی بھائی سے تھی تم جیسے اُن کی چھوٹی تھیں میری بھی چھوٹی ہو تم سے کوئی جھگڑا نہیں کا غذات ارسال ہیں جو تم لے کر دو گی اور تجویز کرو گی وہی مجھے منظور ہے اسی صدی کا قصہ ہے اور دنیا داروں کا واقعہ ہے۔ کیا آجکل دیندار کہلانے والے بھی ایسا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگوں کی مساعی بچانے تخریب کے تعمیر میں خرچ ہوتیں۔

جواب

(س) ہمیں کیا کرنا چاہیے کیا مر رہنا چاہیے۔ تو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا ؟
 مر رہنا تو قبضہ کی بات نہیں ہے۔ موت کا ایک وقت متعین ہے
 وہ نہ اس سے پہلے آسکتی ہے نہ مؤخر ہو سکتی ہے اور خودکشی حرام ہے
 کہ اس سے دُنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ ہے۔ ایسے یہودہ الفاظ زبان
 سے نکالنا بھی نہ چاہئیں۔ دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے آدمی کو اس
 میں کوئی دین کا کام ضرور ہی کرنا چاہیئے اور اصل یہ ہے کہ صرف دین
 ہی کے لئے آدمی پیدا کیا گیا ہے اگر آدمی دین کے کسی کام میں نہ لگے تو
 اس میں اور چوپایوں میں کیا فرق ہے محض کھانے پینے میں تو حیوانات
 ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ بہر حال اس سوال کے دو جز ہیں۔ ایک میری
 ذات کے متعلق دوسرا تمہارے متعلق۔ اور یہ دوسرا جز دو نوع کو شامل
 ہے۔ ایک طلبہ کے متعلق دوسرا عوام کے اس لحاظ سے تین جز سوال کے ہونگے۔
 (الف) میری ذات کے متعلق یہ صحیح ہے کہ میں حتی الوسع اس کی
 کوشش کرتا ہوں کہ کہیں بھی شریک نہ ہوں۔ مگر میں اسکو خوبی نہیں
 سمجھتا بلکہ اپنا ضعف اور اپنی نا اہلیت سمجھتا ہوں اس لئے یہ چیز قابل
 التفات نہیں اور اسی وجہ سے جو مجھے بُرا کہے میں سمجھتا ہوں کہ صحیح کہہ رہا
 ہے۔ اس میں زیادہ دخل میری طبعی وحشت کو بھی ہے۔ ہر شخص کا ابتدائی
 نشوونما جس طریقہ پر ہوتا ہے وہ اسکی تقریباً فطرت بن جاتا ہے اسی
 وجہ سے اکابر کی خواہش ہمیشہ یہی رہا کرتی ہے کہ بچوں کو ابتداء ہی سے

دین اور دنیات کے ساتھ وابستہ کیا جاتے تاکہ دین کا اہتمام ان کی طبیعت بن جائے۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ حالانکہ سات برس کی عمر میں بچہ مکلف بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ تجربہ ہے کہ جو بچپن میں نماز کا عادی ہو جاتا ہے اسکو ہمیشہ کے لئے نماز سہل ہوتی ہے۔ میری ابتدائی تربیت جن اصول کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ برس کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا معیت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اور اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان کے ساتھ ہوتے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کر لوں مجھے دو تین آدمیوں کے ہوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرت کی زیر نگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں۔ تو الف لیلہ و لیلہ بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر سخت مجرم قیدیوں کی سی زندگی گذری مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے

فضل نے مجھ کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائی جس کی برکات میں اب دنیا ہی میں پار رہا ہوں۔ مثال کے طور پر ایک قصہ لکھتا ہوں کہ ایک مرتبہ میرا نیا جوتہ مدرسہ میں سے کسی نے اٹھالیا تو تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتہ خریدنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے ہیں وہ ڈال دیتا ہے جو اب تک بھی دستور ہے اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا نہ جوتے کی ضرورت ہوئی۔ اس قسم کے سیکڑوں واقعات گذرے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ اب مجھے بچ سے وحشت ہے۔ کسی مجمع میں مجھے جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے حتیٰ کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اسکی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف اور سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو۔ بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو۔ جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے مجھے تقریبات میں بھی شرکت سے وحشت ہوتی ہے۔ ہر نوع کے مجموعوں کی شرکت میرے لئے وقت کا سبب ہے۔

نفس دانیم و بس راہ چمن از باہمی پرسی ۴ کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیان مارا
اس کے علاوہ ایک عارضہ یہ بھی پیش آگیا کہ جلسوں میں مقررین حضرات تعاریر کے زور میں ایسے اونچے اونچے لفظ فرمادیتے ہیں کہ ان پر سکوت شرعاً مشکل معلوم ہوتا ہے اور بولنے سے اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی ہے

اور جلسہ میں گڑ بڑ پیدا ہوتی ہے حضرات مقررین کی تقریر ہی جب موثر ہوتی ہے جب وہ جوش میں ان کہنی بھی کہہ جاتیں اور مجھ جیسے وہی کو ہر چیز پر یہ سوچ کہ یہ کہنا جائز تھا یا نہیں۔

أَنَا تَشَقُّ وَأَنْتَ مَشَقٌّ فَكَيْفَ نَشَقُّ چند سال ہوئے ایک جلسہ میں یہاں سہارنپور ہی میں شرکت کی نوبت آئی۔ مقرر صاحب نے ایک بات ایسی ہی فرمادی جو صریح غلط تھی۔ ہمارے ناظم صاحب سے نہ رہا گیا فوراً ٹوک دیا۔ انہوں نے گرانی سے قبول کر لیا۔ اور کہہ دیا کہ یہ مولانا صاحب یوں فرماتے ہیں اسکے بعد پھر کچھ اور کہہ دیا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادہ مولانا خلیل الرحمن صاحب مرحوم بھی شریک جلسہ تھے دوبارہ انہوں نے ٹوک دیا۔ وہ صاحب اچھا اچھا فرما کر آگے چل دیئے۔ تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب نے جنکا میں نام نہیں لکھتا ٹوک دیا۔ مقرر صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ تقریر ہی بند کر دی، کہنے لگے کہ آپ لوگ یہ چاہتے ہی نہیں کہ میں تقریر کروں۔ اسکے ساتھ ہی جلسہ میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ آدھے آدمی ادھر آدھے ادھر ہر شخص مستقل اہل الرائے اور اہل فتویٰ۔ کوئی مقرر کا حامی کوئی ناقدین کا طرفدار۔ آخر جلسہ تکرر سے ختم ہو گیا۔ اسی کے قریب قریب اور بھی چند واقعات تو خود مجھے بیش آپکے ہیں کہ جلسوں میں ان مقررین حضرات نے ایسے ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ ان کو حدود میں رکھنا انہی تاویل کرنا مشکل ہے۔ اسی لئے اکثر جلسوں میں شرکت سے ڈر لگتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں جس کام میں لگ رہا ہوں اسکا سراسر دین اور متفق علیہ کار خیر ہونا یقینی ہے۔ خدا کرے کہ یہ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اور رَبِّ صَابِرٌ لِّسِّنِّ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوعُ لِّسِّنِّ وَرَبِّ قَاتِمٌ لِّسِّنِّ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهْرُ کے ذیل میں نہ ہو۔ مجھے اپنی بد اعمالیوں سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ كَذَّبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ لِيَقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ فَقَدْ قِيلَ لَا تَنْبَغِي

یہ سورہ کہف کے اخیر رکوع کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہتے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرانی سخت سب کئی گزری ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں یہ ہے ایک حدیث ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جن کو روزہ سے بجز بھوکا رہنے کے کوئی نفع نہیں اور بہت سے رات کو عبادت کرنے والے ایسے ہیں جن کو رات بھر عبادت میں کھڑے رہنے سے جاگنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ بھی ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا جسکو ملا کر اللہ کی نعمتیں جو دنیا میں اس پر نازل ہوئی تھیں یا دولا کر پوچھا جائیگا کہ ہماری ان نعمتوں کے ماحول میں تو نے کیا کارگزاری کی وہ کہے گا کہ میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا حکم ہوگا کہ یہ ہمارے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا جان کی بازی لگادی چنانچہ لوگوں نے کہہ دیا اور جس نیت سے کیا تھا وہ مل گیا اسکو حکم ہوگا کہ جہنم میں پھینک دیا جاوے۔ پھر ایک عالم بلایا جاوے گا۔ اس کو بھی اسی طرح اللہ کی نعمتیں جتنی جانی گئی اور سوال ہوگا کہ ان نعمتوں میں کیا کارگزاری کی تھی وہ کہے گا کہ میں نے علم پڑھا اور پڑھایا سب آپ کے لئے کیا ارشاد ہوگا بھوٹ ہے یہ سب اسلئے کیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا عالم ہے پس لوگوں نے کہہ دیا اور مقصود پورا ہو گیا اسکو بھی جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔ پھر ایک مالدار بلایا جائیگا جس کو ہر قسم کی دولت اللہ نے دی تھی اس سے بھی سیرح سوال ہوگا وہ کہے گا کہ میں نے کوئی خیر کار موقوفہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں صدقہ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ یہ سب اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے سو کہہ دیا گیا اسکو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

لیکن لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ کے بھروسہ لگ رہا ہوں مگر کام یقیناً سراسر خیر ہے اور اہل حق میں سے کسی کو بھی اسکے خیر ہونے میں تردد نہیں ہے ایسی صورت میں کسی دوسرے مشغلہ میں لگنا اسکے حرج کا یقینی سبب ہے لوگ کہتے ہیں کہ آخر حضرت مدنی بھی دونوں کام کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بے شک کرتے ہیں مگر مجھے اس میں حضرت مدنی کی حرص کرنا سراسر حماقت ہے بھلا جس شخص کے یہاں سفر حضر برابر ہو، دن رات یکساں ہونہ اس کو راحت کی ضرورت ہو، نہ مکان پاس پھسکتا ہو اسکی کوئی کیا حرص کر سکتا ہے انکا تو یہ حال ہے کہ حجاز سے سفر شروع کریں اور کراچی سے اتر کر سیدھے دوشنب دروزریل میں گذار کر پانچ بجے صبح دیوبند پہنچیں اور چھ بجے بخاری شریف کا سبق پڑھا دیں جیسا کہ اس آخری سفر حج میں پیش آیا ہے وہ مسلسل پندرہ دن تک روزانہ کئی سو میل کا سفر کریں اور کئی کئی تقریریں کر دیں جیسا کہ گذشتہ سال ہوا۔ ابھی دو ایک برس کا قصہ ہے کہ سہارنپور میں سیرت پر ایک ہفتہ وار تقریر کا وعدہ ایک مجلس میں کر گزرے تھے۔ کئی مہینہ تک ہر ہفتہ شب کی کی گاڑی سے آنا۔ عشاء کے بعد سے ایک بجے تک تقریر کرنا اور تین بجے بلا کسی کے جگائے اٹھ کر ریل پر چل دینا اور صبح کو سبق پڑھانا جس میں مسلسل تین چار گھنٹہ تقریر فرمانا اسکے بالمقابل میری حالت یہ کہ میرا منتہائے سفر اکثر دہلی ہوتا ہے۔

لے یہ قرآن پاک کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جو سورہ زمر کے چھٹے رکوع کے شروع میں ہے جبکہ کا ترجمہ یہ ہے (مجدد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہتے تھے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید ہو بالیقین حق تعالیٰ شانہ گناہوں کو توبہ سے اور اپنے فضل سے) بخش دیں گے۔ وہ توبہ ہی بخشنے والے اور رحم والے ہیں۔

جانے سے ایک دن پہلے سے ہم جاتا ہوں کہ سفر درپیش ہو گیا ہے۔ اور واپسی کے دو تین دن بعد تک سفر کا شمار اور تعب و تکان رہتا ہے کہ سبق میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ تالیف میں دلچسپی نہیں ہوتی اس کے علاوہ حضرت مدنی کی ابتدائی مدرسہ مدینہ منورہ میں برسوں ایسی جانفشانی سے گزر چکی ہے کہ بعض زمانوں میں مسلسل بارہ تیرہ سبق روزانہ پڑھانا اور شب و روز میں صرف دو تین گھنٹہ سونا باقی اوقات یا سبق یا اس کا مطالعہ جو شخص ایک عرصہ تک اس طرح استعداد کو بچختہ کر چکا ہو اس کی حرص کرنا اپنی استعداد کا ناقص کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو علوم کا حال تھا۔ اب سلوک کی سنو۔ سب سے پہلا غلط تو بحر عشق و معرفت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں لگایا اور مدینہ پاک میں مسجد اجابت جیسی بابرکت اور یکسو جگہ میں عرصہ تک ضربیں لگائیں۔ پھر اس کی تکمیل و تجویز قطب الارشاد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے یہاں ہوئی اور پھر برسوں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے ظل عاطفت میں مالٹا کی یکسوئی میں اس رنگ کو پکایا ایسے شخص پر کیا تو اختیار کا اثر ہو۔ اور کیا اشتت اس کو مضر ہو اور میری حالت یہ کہ بالکل تنہائی میں بھی یکسوئی نہیں ہوتی۔

ع ہم انجن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

تو ایسی حالت میں ان کی حرص کر کے میں غریب کہاں رہوں گا مجھے تو گوشہ

یکسوئی میں پڑے رہنے پر بھی تبیل اور دلجمعی نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے۔ گوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ وَكَيْفَ يُدْرِكُ الظَّالِمُ شَأْوَافِصِيحَ یہ میری اپنی حالت ہے جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ نے ہمت و قوت عطا فرمائی اور وہ ذی استعداد مالک الاوقاف ہیں وہ ضرور کریں اور ان کو کرنا چاہیے۔ ایک ناکارہ و نااہل پر اپنے کو قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

دوسرا جز طلبہ کے متعلق ہے۔ میں تو طلبہ کی ہر قسم کی عملی شرکت کو ان کے لئے سم قاتل سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے میرے بعض اکابر میرے اس خیال کی زور شور سے تردید فرمائیں اور بہت ممکن ہے کہ حق بھی وہی ہو جو وہ ارشاد فرمائیں کیونکہ بہر حال وہ میرے بڑے ہیں اور میری رائے ان کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز نہیں۔ مگر میری ناقص سمجھ میں تو اب تک جتنا غور کرتا ہوں یہی آتا ہے اور بہت سی وجوہ سے میرے خیال خام میں اب تک یہی چیز جی ہوئی ہے اُن میں سے بعض کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔

علہ یہ قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے جو سورہ فرقہ کے پہلے رکوع میں وارد ہوں وَادْكُرْهُمْ رَبَّنَا وَتَبْلِلْ اِلَيْهِ تَبْلِيلًا (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ) اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں علہ یہ عربی کی ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سنگڑا (بیل) قوی اور طاقتور (گھوڑے) کی رفتار کیسے چل سکتا ہے۔

(الف) سَلِّ الْمَجْرِبَ وَلَا تَسْأَلِ الْحَكِيمَةَ میں پوچھتا ہوں ایک گہری نظر عالم پر یا کم از کم ہندوستان پر ڈال کر دیکھو کہ آج جتنے حضرات علمی دنیا کے مالک ہیں انہی طالب علمی کا زمانہ کیسا گذرا ہے۔ آج وہ خواہ کسی میدان میں گامزن ہوں لیکن علمی مشغلہ والے بالعموم وہیں ملیں گے جو طالب علمی کے زمانہ میں انہماک سے اس میں لگے رہے اور جو حضرات اس زمانہ میں کسی دوسری طرف مشغول رہے ہیں آج وہ شہرت میں خواہ کتنے ہی ممتاز ہوں اور علماء کی فہرست میں خواہ کتنے ہی اوپر شمار ہوتے ہوں مگر علمی مشغلہ، علمی تدقیق، فقہ، حدیث پر ان کی نظر بہت ہی پیچھے ملے گی۔ کسی غیر معمولی فقہی مسئلہ کی ضرورت پیش ہو یا کسی علمی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہو تو ان کا قدم آگے نہیں ملے گا۔ یہ کچھ دلائل کی بات نہیں۔ ہند کے علماء نظر کے سامنے ہیں۔ ایک نگاہ غور سے ڈالو پتہ چل جائے گا۔

(ب) ہمارے اکابر اور اکابر کے اکابر ہمیشہ علم سلوک انہی جان رہا ہے اور گویا علمی مشغلہ کے ساتھ ان حضرات کے یہاں یہ سلسلہ بھی جُز و لا ینفک کے قبیل سے رہا اور ہے مگر خلفاً عن سلف سب کے سب قاطبۃ طلبا کو بیعت سے انکار ہی فرماتے رہے۔ حالانکہ ان حضرات کے یہاں یہ جز کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے مگر طالب علم کے اس کو بھی منافی سمجھتے رہے۔

علہ یہ عرب کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ تجربہ کار سے بات تحقیق کرنی چاہیے۔ بڑے قواعد اور دلائل سے تحقیق نہیں ہوتی۔

(ج) تجربہ اور سرسری غور سے اصولاً بھی میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ طلباء کا جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ محض وقتی چیز ہو، ہفتوں نہیں تو کئی کئی دن تک ان کا ذکر تذکرہ ان پر تبصرہ ان کا حسن و قبح طلباء کی مجالس کا اہم مشغلہ رہتا ہے۔

(د) پھر انہی اجتماعی زندگی ایک دارالطلبہ میں ان کا مجموعی قیام چونہیں گھنٹہ کا ساتھ اس مناظرانہ گفتگو کو ختم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہر مجلس میں یہی تذکرہ، ہر وقت یہی بحث، کہاں کا مطالعہ اور کہاں کا تکرار اور کہاں کا سبق یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو انکار کر دینے سے زائل نہیں ہو سکتے۔

(ه) پھر ان مناظروں اور اختلاف کا ثمرہ منازعت اور جھگڑوں پر پہنچتا ہے جس خیال کے مجمع کی کثرت ہوتی ہے وہ اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اول اپنے زور سے یہ ناکافی ہو تو ناظم و مہتمم مدرسہ کے یہاں جھوٹی سچی شکایات سے اور دوسرا فریق جوابی کوشش میں ان پر جھوٹے افترا اور سچی شکایات کا طومار باندھتا ہے۔ پھر عموماً غالب فریق کے گواہ بھی کثرت سے ہو جاتے ہیں اور مغلوب کے لیے سچی گواہی دینے والے بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ ناظمین مدارس عالم الغیب بھی نہیں ہوتے۔ جس کا ثمرہ اکثر یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اصل مجرم بری ہو جاتے ہیں غیر مجرم ماخوذ۔ یہ محض نخیلات نہیں واقعات ہیں جو آتے دن گذرتے ہیں، اور ہم لوگ ان کو بھگتے ہیں۔ اختلاف رائے عام طبقہ

میں بھی ہوتا ہے۔ ان میں اختلافات اور نزاعات بھی ہوتے ہیں مگر وہ اکثر وقتی ہوتے ہیں۔ ان کے اجتماعات عموماً مخصوص وقت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جلسہ ختم ہوا سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ مگر ان لوگوں کا یہی گھر ہے یہی مجلس خانہ چوبیس گھنٹہ تک جانی قیام۔ ایسی صورت میں معمول سا اختلاف بھی شروع ہوتا ہے تو وہ مہینوں نشوونما پاتا ہے۔ یہ تو طلباء کا اپنا ماحول ہوا ایک قدم آگے اور بڑھاؤ۔ (ح) کیا مدرسین کسی مدرسہ کے بھی ایک خیال کے ہیں۔ دو چار ادھر ہیں تو دو چار اُدھر۔ اسباق میں معمولی سی مناسبت سے نہیں بلکہ بلا کسی مناسبت کے یہی بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ ان پر تبصرے ہوتے ہیں راتے زنیات ہوتی ہیں اپنے ہنجیال لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں ان کی تقریروں کی مدح و ثنا ہوتی ہے۔ دوسروں پر تنقید ہوتی ہے، تضحیک ہوتی ہے انکی نقلیں اُتاری جاتی ہیں۔

(ط) ایک قدم اور آگے چلو۔ جماعت کے سب طلباء مدرس کے ہم خیال نہیں ہوتے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جنکی وہ تعریف کر رہا ہے وہ اکثر طلباء کی نگاہ میں تنقید کے قابل ہے۔ اور جن کی مدرس تغلیط کر رہا ہے طلباء اکثر نہیں تو معتد بہ اسکے حامی ہیں۔ اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے وہ مدرس ان طلبہ کی نگاہ میں بے وقعت ہوتا ہے۔ کج فہم اور شغصب بنتا ہے اور جب طلبہ کے تخیلات مدرس کی طرف سے یہ ہونگے تو علمی انتفاع معلوم۔ یہ طے شدہ امر ہے اور عارۃ اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا

احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہو سکتا۔ جہاں کہیں ائمہ فن طالب علمی کے اصول لکھتے ہیں اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب کا باب ذکر کیا ہے جو اوجز المسالک کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے۔ اس میں اس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاد کے ہاتھ میں کلیۃً اپنی باگ دیدیں۔ اور بالکل اسی طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے فروخت کرے یا غلام بنادے۔ علامہ زر نوٹی نے تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ میں بہت سے طلبہ کو دیکھتا ہوں کہ وہ علم کے منافع سے بہرہ یاب نہیں ہوتے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے شرائط اور آداب کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک مستقل فصل اساتذہ کی تعظیم کے ضروری ہونے میں لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ طالب علم علم سے منتفع ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ علم اور علماء اور اساتذہ کا احترام نہ کرے۔ جس شخص نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ احترام سے کیا ہے اور جو کچھ ہے بخرمتی سے بگرا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آدمی گناہ سے کافر نہیں ہوتا دین کے کسی عہ مقدمہ اوجز المسالک شرح مولانا کی جلد اول میں شامل ہے اور علیحدہ میں مل جاتا ہے۔

جُز کی بے حرمتی کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ و لنعم ما قیل ۛ
 از خدا خواہیم توفیق ادب ۛ بے ادب محروم گشت از فضل رب
 ہم اللہ جل شانہ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کہ بے ادب اللہ کے فضل سے
 محروم ہوتا ہے ۛ

ادب تاجیست از فضل الہی ۛ بنہ بر سر بر و ہر جا کہ خواہی
 یعنی ادب فضل خداوندی کا ایک زبردست تاج ہے اُس کو سر پر
 رکھ کر جہاں چاہے چلے جاؤ۔ اور یہ مثل تو مشہور ہے ہی۔ با ادب بانصیب
 بے ادب بے نصیب۔

امام سدید الدین شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے مشائخ سے سنا ہے جو
 شخص یہ چاہے کہ اس کا لڑکا عالم ہو جائے اس کو چاہیے کہ علماء کا اعزاز
 و اکرام بہت کرتا رہے اور انہی خدمت کثرت سے کرے۔ اگر بیٹا عالم نہ
 ہوا تو پوتا ضرور عالم ہو جائیگا۔ امام شمس لائمرہ حلوانی کا قصہ مشہور ہے کہ
 وہ کسی ضرورت سے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے وہاں جتنے شاگرد تھے
 وہ اُستاد کی خبر سنکر زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ مگر قاضی ابوبکر حاضر نہ ہو سکے
 بعد میں جب ملاقات ہوئی تو اُستاد نے دریافت کیا اُنہوں نے والدہ
 کی کسی ضروری خدمت بجالانے کا عذر کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ رزق میں وسعت
 ہوگی۔ مگر علم سے منفع نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ویسے بھی عام طور
 سے مشہور ہے کہ والدین کی خدمت رزق میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے۔
 اور اساتذہ کی خدمت علم میں ترقی کا۔ الغرض یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔

لیکن ہمارے جو طرزِ عمل ہے وہ سب کو معلوم ہے کہ جب شاگردوں اور استاد کا سیاسی خلاف ہوتا ہے تو اس پر فقرہ بازی، تمقیص، عیب جوئی وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ جو اُن کے لئے حرمان کا سبب بن جاتا ہے۔ میرا تو تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلباء بھی جو لوگ طالبِ علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں۔ اُونچے اُونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں۔ جس غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے اور جو اس زمانہ میں استادوں کے ساتھ نخوت و تکبر سے رہتے ہیں وہ بعد میں اپنی ڈگریاں لئے ہوتے سفارشیں ہی کراتے پھرتے ہیں کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو اتنے دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں۔ بہر حال جو علم بھی ہوا اسکا کمال اس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اسکا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے۔ چہ جائیکہ اُن سے مخالفت کرے کتاب ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ طالبِ علم کے لئے استاد کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے۔ اگر ان دونوں چیزوں کو اختیار کرے گا نفع کمائیگا اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا۔ حضور سے نقل کیا ہے کہ طلبِ علم کے ہوا کسی چیز میں خوشامد کرنا تو من کی شان نہیں ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں طالب ہونے کے وقت ذلیل بنا تھا۔ اس لئے مطلوب ہونے کے وقت عزیز بنا۔ بعض حکیموں کا قول نقل کیا ہے کہ جو طلبِ علم کی تھوڑی سی ذلت کو برداشت نہیں کرتا

ہمیشہ جہل کی ذلت میں رہتا ہے۔

(ی) اسکے بعد کا حشر اور بھی خراب اور تکلیف دہ ہوتا ہے کہ اب مدرس کی ذات بحث مناظرہ بن جاتی ہے۔ موافقین کے نزدیک وہ فرشتہ ہے اسکی ہر غلطی صواب ہے اس کا ہر فعل حجت ہے۔ مخالفین کے نزدیک وہ مدرسہ میں رکھنے کے قابل نہیں وہ پڑھانے کے قابل نہیں۔ نہ اسکی استعداد کا م کی ہے نہ اسکی تقریر سمجھ میں آتی ہے اسکی ہر خوبی قابل نفرت ہے اسکا ہر فعل قابل ملامت ہے۔ اسکے مثالب و معائب تلاش کئے جاتے ہیں اور سچے نہیں ملتے تو جھوٹے افتراء کئے جاتے ہیں۔ انکا منظم طریقہ سے پرو پگنڈہ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ واقعات ایسے ہیں جو کسی واقف سے او جہل ہوں یا مدارس سے تعلق رکھنے والے ان سے انکار کر دیں۔

(ک) میں حال ہی کا ایک واقعہ ایک مدرسہ کا لکھتا ہوں کہ ایک حجرہ کے چند طلبہ میں کھانا کھاتے ہوئے یہ بحث چل پڑی کہ اکثریت کا فیصلہ ہر حال میں قابل حجت ہے یا نہیں۔ اول گفتگو ہوئی پھر مناظرہ ہوا پھر مجادلہ ہوا۔ اسی مجلس میں منتہایہ ہوا کہ ایک جانب سے لکڑی چلی اور دوسری جانب سے جوتہ چلا۔ مدارس میں کون نگر اں ایسا ہے جو انکے ساتھ ہمزاد کی طرح ہر وقت ساتھ رہے۔ کون ہر وقت چوبیس گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا ہے کہ انکی ہر گفتگو کو سن رہا ہے اور حد و دسے تجاوز نہ کرنے دے۔

(ل) اسی طرح ابھی چند روز کا ایک مدرسہ کا واقعہ ہے کہ ایک جلسہ میں

چند طلبہ کی شرکت ہوئی بعد میں جلسہ کی کارگزاری پر رٹے زنی ہوئی پھر مباحثہ ہوا۔ دو فریق بن گئے۔ اول اول دہمکیاں رہیں آخر ایک دن ایک فریق نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو حجرہ میں بند کر کے اس قدر مارا کہ قریب الموت کر دیا۔ یہ آئے دن کے واقعات ہیں فرضی انسانے اور احتمالات عقلیہ نہیں ہیں۔

(م) اسکے بعد یہ بھی غور طلب ہے کہ طلبا کو جن اولیاء نے اہل مدارس کے سپرد کیا ہے اُن کی غرض تعلیم ہے اور صرف تعلیم۔ اُن میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو باوجودیکہ خود تحریکات حاضرہ کے حامی اور ساعی ہیں لیکن اُن سے اگر کہا جائے کہ صاحبزادہ آج اس میں مشغول ہیں تو وہ اس کی شکایت کرتے ہیں اور اس قسم کے خطوط کثرت سے منتظمین کے پاس موصول ہوتے رہتے ہیں۔ اور زبانی بھی وہ کہتے رہتے ہیں کہ سیاست ہمارے گھر کی چیز ہے۔ چند روز ہمارے ساتھ رہ کر اس سے کافی مناسبت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت ہم صرف استعداد علوم چاہتے ہیں۔

(ن) اس کے بعد اس روپیہ کے مصرف کا سوال ہے جو علم کے نام سے لیا جاتا ہے اور دینے والے صرف علم کے مشغلہ کی وجہ سے دیتے ہیں اگرچہ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو سیاسی مشاغل میں صرف کرنے کے خلاف نہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ روپیہ فلاں کام میں خرچ ہوگا اور اس وظیفہ کے پانے والے طلبہ کا یہ مشغلہ ہوگا تو ایسی صورت میں وہ ہرگز گوارا نہ کریں۔ بلکہ بعض حضرات

تو یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ ایسے طلبہ کو اس میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے تو کیا پھر ایسی صورت میں یہ احتیاط کا مقتضی نہیں ہے کہ روپے کو اسکے مصرف میں نہایت حزم و احتیاط سے خرچ کیا جائے۔ مدرسین اس میں احتیاط کر سکتے ہیں..... کہ وہ اگر اپنا وقت ایسے کاموں میں خرچ کریں تو شرعی قواعد کے ماتحت دوسرے وقت سے اسکی تلافی کر دیں۔ لیکن کیا طلبہ بھی اس میں احتیاط کر سکتے ہیں یا اگر کر سکتے ہیں تو کرتے بھی ہیں۔ یہ ہندامور میں نے مثال کے طور پر لکھے ہیں غور کرو گے تو اور زیادہ کلام کی گنجائش پاؤ گے۔ امام غزالی نے ایماۃ العلوم میں لکھا ہے کہ طلب علم کے لئے بہت سے آداب اور شرائط ہیں ان میں سے اہم اور اصل اصول دس ہیں ان کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں مشغول نہ کرے۔ اہل وعیال اور وطن سے دور جا کر علم حاصل کرے تاکہ خانگی ضروریات مشغول نہ بنائیں کہ تعلقات ہمیشہ علم سے پھیرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ حَتَّى تَعَالَ شَانُهُ نے کسی آدمی کے دو دل نہیں پیدا فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے مشہور ہے کہ علم اس وقت تک تجھ کو اپنا تھوڑا سا حصہ بھی نہ دیگا جب تک کہ تو اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالہ نہ کر دے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو دل مختلف چیزوں میں مشغول رہے وہ کھیت کی اس نالی کی طرح ہے جسکی ڈول بنی ہوئی نہ ہو کہ کچھ حصہ اس میں سے اِدھر اُدھر چلا جائیگا اور کچھ حصہ پانی کا ہوا بن کر اڑ جائیگا صرف تھوڑا سا پانی رہے گا جو کھیت کے لئے کار آمد ہو سکے گا۔

اس سب کے بعد مجھے اس چیز کے اعتراف سے بھی انکار نہیں ہے کہ طلبا کی بے فکر جماعت مقاصد کی کامیابی کے لئے بہترین جماعت ہے لیکن موجودہ ماحول میں مضار غالب ہیں اور جلب منفعت سے دفع مضرت ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے ماحول کی تبدیلی تک یہ چیز میرے نزدیک خطرناک ہے البتہ اگر ان کے حدود میں رہنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکے تو امر آخر ہے۔ تیسرا جزو غیر طلبہ کے متعلق ہے جو لوگ دین کے کسی خاص کام میں نہمک نہیں ہیں ان کو یقیناً انہماک کے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔ لیکن دیانت کے ساتھ اور اس دیانت کے ساتھ جس کو وہ کل اللہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ وہ ان کے اعمال نامے میں جلی قلم سے لکھی جاسکے۔ جہاد دین کا اہم ترین شعبہ ہے۔ اس لئے ہر وہ چیز جو اعلیٰ کلمۃ اللہ کی معین و مددگار ہو یقیناً مفید ہے اور ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دن کسی اسلامی سرحد کی حفاظت میں لگے رہنا ساری دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے افضل ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو چلنا یا شام کو چلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے افضل ہے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ایک دن رات کا رباط (یعنی اسلامی سرحد کی حفاظت میں مشغولی) ایک ماہ کے (تفلی) روزوں سے افضل ہے اور تمام مہینہ کی شب بیداری سے افضل ہے۔ اور اس حالت میں کسی کی موت آجائے، تو صدقہ جاریہ کے طور پر ہمیشہ کے لئے اس کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اسی حالت میں مر جائے قیامت تک

اس کے نیک عمل کا ثواب ملتا رہے گا۔ اور اس کو رزق عطا ہوتا رہے گا۔ اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ اور قیامت کے دن (جو نہایت ہی گھبراہٹ کا دن ہوگا) یہ شخص نہایت مطمئن ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کسی ایسی ہی جگہ کھڑے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں تھوڑی دیر کھڑے رہنا حجِ اسود کے پاس شبِ قدر میں جاگتے رہنے (اور عبادت کرنے) سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی ایک نماز دوسروں کی پانچ سو نمازوں سے افضل ہے اور اس شخص کا ایک روپیہ دوسروں کے سات سو روپیہ سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہترین شخص دو آدمی ہیں ایک وہ جس کے پاس کچھ جانور ہوں (کہ وہ ذریعہ معاش ہوں) ان کا حق ادا کرتا ہو اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو۔ دوسرا وہ شخص جو گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اللہ کے دشمنوں کو ڈراتا ہو اور وہ اس کو ڈراتے رہتے ہوں (ف) پہلے شخص کے بارے میں جانوروں کا ہونا قید نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ معمولی گذراوقات کا کچھ سبب ہو اور عبادت میں ہر وقت مشغول رہے۔ اسی طرح دوسری جانب گھوڑا قید نہیں ہے چونکہ اس زمانہ میں جہاد گھوڑے ہی پر عموماً ہوتا تھا اس لئے اس کو ارشاد فرمایا مقصود یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرتا ہو، خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ

نہیں چھو سکتی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے کسی وقت روتی ہو۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ لیلۃ القدر سے افضل کونسی رات ہے۔ وہ رات ہے جس میں (دین کی حفاظت کے لئے) کسی خطرہ کی جگہ کوئی شخص جاگے۔ اس کو یہ بھی امید نہ ہو کہ اپنے اہل و عیال کی طرف صحیح سالم لوٹ سکتا ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رونے والی ہوگی مگر وہ آنکھ جو ناجائز چیز (مثلاً نامحرم عورتوں وغیرہ) سے بند رہی ہو اور وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو اور وہ آنکھ جس سے ایک مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو کا قطرہ اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے وہ سات سو درجہ ثواب پاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مجاہد کی اعانت کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ اور جو اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ ایک حدیث میں ہے جو کسی مجاہد کی اعانت کرے یا کسی قرضدار کی مدد کرے اللہ جل شانہ اسکو ایسے دن اپنی رحمت کے سایہ میں رکھیں گے جس دن اُن کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کیا ہی مبارک ہے وہ شخص جو جہاد میں بھی اللہ کے ذکر کی کثرت رکھے کہ اسکو ہر کلمہ پر ستر ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور ہر نیکی دس گنا ثواب رکھتی ہے۔ اور اللہ جل شانہ کے یہاں جو خاص انعام ہوگا وہ مزید براہ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رویا

ہو وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جاسکتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں نہ
 واپس ہو۔ (مرا دیہ ہے کہ اسکا جہنم میں جانا محال ہے) اور جس ناک کے
 سوراخ میں اللہ کے راستے کا غبار گیا ہو اس میں جہنم کی آگ کا دھواں
 کبھی نہیں جاسکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جن قدموں پر اللہ کے راستے کا
 غبار پڑا ہے ان کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس
 چہرہ پر اللہ کے راستے کا غبار پڑا ہے اس تک جہنم کی آگ کا دھواں نہیں
 پہنچ سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے کوئی زخم اللہ کے راستے میں
 آیا ہے اس پر قیامت کے دن شہیدوں کی مہر لگی ہوتی ہوگی۔ اور وہ زخم زعفران
 کے رنگ کی طرح چمکتا ہوا ہوگا اور اس میں سے خوشبو اور مہک مشک کی سی آئے
 گی جس سے ہر شخص پہچان لیگا کہ یہ زخم اللہ کے راستے میں لگا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قافلہ کے ساتھ تشریف
 لیجا رہے تھے اس قافلہ میں ایک نوجوان تھا۔ جو راستے سے بچکر علیحدہ چل
 رہا تھا حضور نے اس سے دریافت کیا کہ تم علیحدہ کیوں جا رہے ہو۔ اس
 نے عرض کیا کہ غبار کی وجہ سے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس غبار سے بچنے کی
 ضرورت نہیں یہ قیامت کے دن مشک کے ریزے بنے گا۔ ایک حدیث
 میں ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں ایک تیر چلائے خواہ وہ نشانہ پر لگے یا
 نہ لگے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔ ان کے علاوہ سیکڑوں
 احادیث اسکے ثواب و ترغیب اور چھوڑ دینے کی وعید میں وارد ہوئی
 ہیں۔ اور جہاد ہر وہ کوشش ہے جو اسلام کے غلبہ اور کفار کی ممانعت

کے لئے کی جائے۔ اس لئے جو بھی کوشش اس نیت اور ارادے سے ہوگی وہ اس میں داخل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ حالانکہ ظالم بادشاہ کے لئے کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ بڑی شرط یہی ہے کہ ساری جدوجہد کا مقصد اسلام کی قوت اسکی رفعت اس کی بلندی ہو۔

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص غنیمت (یعنی دنیوی منفعت) کے ارادے سے جہاد کرتا ہے ایک اس نیت سے کہ اس کی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو ایک اس نیت سے کرتا ہے کہ اسکی شہرت اور چرچا ہو ان میں سے کونسا جہاد معتبر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاد وہی ہے جو صرف اس لئے کیا جائے کہ اللہ کا بول بالا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کسی شخص نے حضور سے دریافت کیا۔ ایک شخص جہاد کرتا ہے اور وہ دنیا کے کسی منفع کے ارادہ سے کرتا ہے حضور نے فرمایا اسکا کوئی اجر نہیں صحابہ کو اس پر تعجب ہوا۔ ان پوچھنے والے صحابی سے کہا کہ شاید اچھی طرح واضح نہیں ہو سکا۔ اس لئے دوبارہ دریافت کرو۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا حضور نے دوبارہ بھی یہی ارشاد فرمایا۔ پھر تیسری دفعہ دریافت کیا گیا تو حضور نے تیسری دفعہ بھی یہی جواب دیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جہاد کی حقیقت سمجھا دیجئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اللہ کے واسطے ثواب

کی نیت سے جہاد کرتا ہے تو قیامت میں اسی طرح اٹھایا جائے گا۔ اگر ریاکاری (یعنی لوگوں کو قوت و طاقت کے دکھانے کی نیت سے) یا کچھ مال و دولت کمانے کی غرض سے جہاد کرتا ہے تو اسی حالت پر اٹھایا جائیگا۔ بات یہ ہے کہ جس نیت سے تیرا فعل ہوگا اسی حالت پر تیرا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہاد کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو صرف اللہ کی رضا کا طالب ہے۔ امام کی اطاعت کرے۔ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کر دے، ساتھی سے نرمی کا برتاؤ کرے اور فساد سے دور رہے۔ اس شخص کا سونا جاگنا سب کچھ ثواب اور اجر کا باعث ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو تغاخر اور ریاکاری اور شہرت کے لئے سب کچھ کرتا ہے۔ امام کی نافرمانی کرتا ہے فساد میں شرکت کرتا ہے وہ شخص برابر سزا بر بھی نہیں لوٹتا۔ یعنی جتنا ثواب ہوتا اس سے زیادہ گناہ کمایا۔ اس بارے میں بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اس لئے یہ تو اولین شرط ہے کہ جو کچھ کیا جائے وہ خالص اللہ کی رضا اس کے دین کی حمایت اور حق کا بول بالا ہونے کی غرض سے کیا جائے۔ اس کے بعد اہل الزلے اور تجربہ کار دیندار لوگوں کی رائے سے جو سعی بھی اس ارادہ سے ہوگی وہ اجر سے انشاء اللہ خالی نہ ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاص اور اللہ کے لئے ہونے کی ہر کام میں ضرورت ہے چنانچہ پہلے یہ حدیث شریف گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ بلائے جائیں گے ان میں ایک شہید ہوگا۔ اس کو بلا کر اللہ جل جلالہ کی جو نعمتیں دنیا میں اس پر کی گئی تھیں یاد دلائی جائیں گی۔ اور جب وہ ان نعمتوں کا اقرار

کرے گا اور یاد کرے گا کہ واقعی کس قدر انعامات اللہ جل جلالہ کے دنیا میں مجھ پر ہوتے تھے۔ تو اس سے پوچھا جائیگا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگزاری کی۔ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں جان دیدی کہ (یہی سب زیادہ محبوب چیز تھی) حکم ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا۔ چنانچہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا۔ اور لوگوں نے کہہ لیا کہ بڑا جری ہے۔ بڑا بہادر ہے اس کے بعد اس کو حکم کیا جائیگا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ پھر ایک عالم بُلایا جائے گا۔ اسکو بھی اسی طرح اللہ جل شانہ کے انعامات احسانات یاد دلائے جائیں گے۔ اور پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا۔ وہ کہے گا تیرا علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔ تیرے پاک کلام کو پڑھا۔ (اور پڑھایا) ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا جید عالم ہے۔ بڑا قاری ہے۔ چنانچہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا اور لوگوں نے کہہ لیا۔ اس کے بعد اسکو بھی حکم ہوگا کہ جہنم میں لے جاؤ۔ اسکے بعد ایک مالدار بُلایا جائے گا۔ اس سے اسی طرح اللہ کی نعمتوں کو یاد دلا کر پوچھا جائیگا وہ کہے گا کہ میں نے کوئی بھی خیر کی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو اور میں نے آپ کے لئے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے، بڑا کریم ہے۔ چنانچہ کہا جا چکا اور مقصود حاصل ہو گیا پھر اس کو بھی جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا (مشکوٰۃ)

اس قسم کے مضامین احادیث میں بکثرت موجود ہیں اس لئے اللہ کے

واسطے اور خالص اللہ کے واسطے ہونے کی تو ہر ہی کام میں ضرورت ہے، مگر بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں شہرت اور فخر و نمود کے اسباب زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے دنیوی اغراض کے حصول کا داعیہ قوی ہو جاتا ہے اور جس چیز میں جتنی شہرت کے اسباب قوی ہوتے ہیں اتنے ہی اہتمام سے اس میں احتیاط کی ضرورت درپیش ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں ہر ہر قدم پر تفاخر و پروا نہ تحسین و زندہ باد ایسی چیزیں ہیں جو قلوب کو ادھر کھینچنے والی ہیں۔ اس لئے اہم اور سب سے اہم چیز یہی ہے کہ اپنی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص بھی اس میں شرکت کر سکے حصہ لے سکے۔ دین کے فروغ کا سبب بن سکے۔ اسلام کی حفاظت کا ذریعہ بن سکے۔ اسلام کو خطرہ سے بچا سکے۔ کفار کے نقصان سے اسلام اور مسلمانوں کو بچا سکے، کفار کے غلبہ کو روک سکے۔

اسکے سراسر خیر ہونے میں کسے انکار ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہو سکتا ہے جو اسکو پسند نہ کرتا ہو یا اسکے دل میں اس کا ولولہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور جو لوگ کسی معذوری سے خود شریک نہیں ہو سکتے وہ اخلاص سے کام کرنے والوں کی اعانت سے تو کم از کم دریغ نہ کریں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھیجے۔ اور خود اپنے گھر رہے۔ اسکو ایک درہم (روپیہ) کے بدلہ میں سات سو روپیہ کا اجر ہوگا اور جو خود بھی شریک ہو اسکو فی روپیہ سات ہزار کا اجر ملے گا (مشکوٰۃ) اس لئے جو لوگ کسی دنیوی مجبوری یا شرعی عذر سے خود شرکت نہ کر سکیں وہ اپنی وسعت کے موافق کام کرنے

والوں کی اعانت مالی، بدنی، قلمی سے دریغ نہ کریں۔ کس قدر اللہ جل شانہ کا لطف و انعام ہے کہ اس نے معذورین، سست کمزور اور ناز پرور ذہ لوگوں کے لئے بھی خیر کے دروازے بند نہیں کئے ہیں بلکہ ہر عبادت میں شرکت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ہم لوگ جیلے بہانے کریں اور ہر جاوہیجبات کو آڑ بنائیں اسکا تو ذکر ہی نہیں وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰی اس سلسلہ میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جہاد صرف قتل و قاتل ہی کا نام نہیں ہے گو وہ اس کا اعلیٰ فرد ہے بلکہ ہر وہ سخی جو اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اسلام کی قوت و غلبہ کے لئے ہو وہ سب ہی جہاد میں داخل ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے کو افضل جہاد ارشاد فرمایا ہے۔ لہذا جو سخی بھی اس سلسلہ میں ہوگی وہ سب ہی جہاد کے تحت میں داخل ہے مگر یہاں ایک چیز پر تنبہ بھی ضروری ہے کہ جو حضرات اس سلسلہ کے اندر منسلک ہیں وہ یقیناً ایک اہم دینی امر میں منہمک ہیں مگر بعض حضرات اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کو جو کسی شرعی وجہ سے یا ذاتی عذر سے شریک نہیں ہوتا ایسا سب و شتم کرتے ہیں کہ پھر نہ اسکی کوئی عبادت قابل التفات رہتی ہے نہ کوئی خوبی قابل اعتنا۔ فاسق و فاجر تو معمولی لفظ ہے اسکو جہنمی اور کافر تک کہنے سے باک نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر یہ فرض عین ہو تب بھی اسکا بلا عذر چھوڑنے والا ایک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا کافر اس وقت بھی نہیں ہو سکتا اور بلا کسی شرعی حجت کے ایک مسلمان کو کافر کہنا جتنا سخت ترین جرم ہے وہ ظاہر ہے۔ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان کی جڑ تین چیزیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ کسی کلمہ گوئی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ فرما (مشکوٰۃ) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو فاسق یا کافر کہے اور وہ شخص ایسا نہ ہو تو وہ کلمہ کہنے والے ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے (مشکوٰۃ) یعنی اس کا وبال اس پر پڑتا ہے بعض لوگ ایسا ظلم کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کے متعلق غصہ میں کہہ جاتے ہیں کہ فلاں شخص کی کبھی معافی نہیں ہو سکتی اسکی کبھی بخشش نہیں ہو سکتی مجھے بے حد رنج ہے کہ یہ کلمہ میں نے بعض اہل علم کی زبان سے بھی سنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ واللہ خدا نے تعالیٰ فلاں شخص کی ہر گز مغفرت نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا یہ کون شخص ہے جو میرے متعلق قسم کھاتا ہے کہ فلاں کی مغفرت نہ کروں گا میں نے اسکی مغفرت کر دی اور (اس قسم کھانے والے کو ارشاد فرمایا کہ) تیرے عمل کو باطل کر دیا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے۔ ایک بڑا عابد دوسرا گنہگار۔ وہ عابد اس گنہگار کو ہمیشہ تنبیہ کرتا رہتا۔ ایک دن اسکو کسی گناہ میں مبتلا دیکھا تو قسم کھالی کہ واللہ تیری خدا کے یہاں بالکل مغفرت نہ ہوگی۔ دونوں کو موت آئی اور اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضری ہوئی۔ عابد کو ارشاد باری ہوا۔ کیا تو میری عطا کے روکنے پر قادر تھا کہ قسم کھالی۔

اس کے بعد گنہگار کو ارشاد ہوا کہ تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور اس نابد کے متعلق ارشاد ہوا کہ اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے ایک کلمہ کی بدولت دین و دنیا دونوں ہی کو ضائع کر دیا (جمع الفوائد) غرض غصہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کر جانا بڑی جرأت ہے اور اس سے زیادہ سخت یہ ہے کہ دینیات اور اسلامیات پر بھی اہانت کے الفاظ استعمال کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں ہولویوں نے جنت کو آسان کر دیا۔ جنت کا راستہ سہل کر دیا نمازیں پڑھو روزے رکھو اور جنت میں چلے جاؤ۔ یہ فقرے اور اس قسم کے طنزیہ فقرے تقریروں میں جوش و خروش سے بیان کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے کس کو انکار ہے کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ آٹھ دروازے ہونا تو بہت سی روایات میں مشہور ہے ہی، بعض احادیث سے اس سے زیادہ کا پتہ بھی چلتا ہے، چنانچہ نماز کا مستقل دروازہ ہے۔ روزہ کے ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے۔ اسی طرح صدقہ کا، جہاد کا، غصہ کو پینے والوں اور لوگوں کے لئے معافی دینے والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے۔ متوکل لوگوں کے لئے مستقل دروازہ ہے۔ چاشت کی نماز کا اہتمام رکھنے والوں کا خصوصی دروازہ علیحدہ ہے، توبہ کا دروازہ علیحدہ ہے اور اللہ کی مرضی پر رہنے والوں کا دروازہ مستقل ہے حتیٰ کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ہر عمل کی ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے مستقل دروازہ ہے (فتح) اس لئے اس پر کیا طعن ہے اور یہ کیا طنز کی

بات ہے۔ جیسے اور دینی احکام ہیں ایسے ہی جہاد ہے۔ بلکہ علامہ شامی نے اسکی تصریح کی ہے کہ فرائض نماز کا اپنے اوقات پر اہتمام کرنا بلا تردد و جہاد سے افضل ہے۔ اس لئے کہ جہاد کی فضیلت ایمان اور نماز ہی کے قائم کرنے کے واسطے ہے اور نماز خود مقصود ہے (شامی)

اس لئے اس میں کوتاہی کرنے والوں کا نماز روزہ وغیرہ کو بیکار کہہ دینا یا اس پر طعن کرنا حدود سے تجاوز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب جہاد میں شرکت کی نیت سے حاضر ہوئے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور انہیں کی اچھی طرح خدمت کرو (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین)

ایک حدیث میں آیا ہے۔ ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں اور حضورؐ سے اس میں مشورہ لیتا ہوں حضورؐ نے ارشاد فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ رہو ان کے قدموں میں جنت ہے (مشکوٰۃ)

ایک بدوی حاضر خدمت ہوتے اور ہجرت کے بارہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے استفسار کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ، ہجرت کا معاملہ سخت ہے تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ہیں۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں ادا کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا بس تو کہیں سمندر پار اپنے دینی اعمال میں مشغول رہو۔ اللہ جل شانہ تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہ فرمائیں گے (ابوداؤد)

غرض سیکڑوں واقعات اور احادیث ایسی ہیں کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی جہاد کے مقابلہ میں دوسرے نیک اعمال کو ترجیح دی ہے۔ پھر حکمی جہاد کا تو کیا ذکر۔ اگرچہ بعض وقتی ضرورتوں اور خاص خاص مصلحتوں کی وجہ سے ایسا بھی ہوا ہے کہ جہاد کی اہمیت سب سے بڑھ گئی ہے حتیٰ کہ غزوہ خندق میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یا ایک سے زیادہ نمازیں قضا ہوئیں ہیں۔ مگر یہ کلیہ نہیں کہ جہاد کے مقابلہ میں کوئی نیک عمل معتبر ہی نہیں۔ بالخصوص جب کہ کسی عذر کی وجہ سے ہو۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ ایسے چھوٹے ہیں کہ تم جتنا راستہ بھی چلے ہو اور جو کچھ خرچ کیا ہے اور جتنا سفر طے کیا ہے اس سب کے ثواب میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ صحابہ نے تعجب سے پوچھا وہ کیسے شریک ہو سکتے ہیں حالانکہ وہ اپنے گھروں میں موجود ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اس لئے کہ وہ عذر اور مجبوری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔ (ابوداؤد)

اس مضمون کے نظائر بھی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اسکے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے (اور اس وجہ سے اپنا معمول پورا نہ کر سکے) تو اس کو اتنا ہی ثواب اور اجر ملے گا جتنا کہ وہ صحت کی حالت اور مقیم ہونے کی حالت میں کیا کرتا تھا۔
(مشکوٰۃ بروایۃ البخاری)

ایک حدیث میں ہے جب آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور وہ پہلے سے کسی نیک کام میں مشغول رہتا تھا تو اس فرشتہ کو جو اسکے نیک اعمال لکھنے پر متعین تھا یہ حکم ہوتا ہے کہ جو عمل یہ کیا کرتا تھا۔ اس کا ثواب اس کو ملتا رہے (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے جب کوئی ناجائز کام کیا جاتا ہے تو جو شخص کسی مجبوری سے اس میں شریک ہے اور وہ اس کو پسند نہیں کرتا لیکن مجبوراً وہاں موجود ہے وہ حکم کے اعتبار سے ایسا ہے گویا شریک ہی نہیں اور جو شخص اس میں موجود نہیں ہے لیکن اس کو پسند کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس میں شریک ہے (مشکوٰۃ)

ایک حدیث قریب ہی آرہی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اپنے چھوٹے بچوں کی اعانت کے سلسلہ میں نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ وہ چپ چاپ پڑے ہیں آواز دی وہ اس پر بھی نہ بولے حضور نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ ہم تمہارے بارہ میں مغلوب ہو گئے۔ (یعنی تمہاری موت جو

تقدیری امر تھا غالب آگئی عورتیں یہ کلام سُکر یہ سمجھ گئیں کہ وفات ہو چکی ہے اس لئے رونے لگیں۔ اُن کی صاحبزادی نے افسوس کے لہجے میں کہا میں تو یہ اُمید کر رہی تھی کہ تم شہید ہو کر جاؤ گے اس لئے کہ جہاد میں جانے کا سامان تیار رکھا ہوا ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو انکی نیت کا اجر و ثواب ہو گیا۔ اور تم شہادت کس چیز کو سمجھتی ہو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے راستے میں قتل ہو جانے کو حضورؐ نے فرمایا کہ قتل کے علاوہ سات قسمیں شہادت کی اور بھی ہیں۔ جو طاعون میں مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو پانی میں غرق ہو کر مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو ذات الحنب (مخونیہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو مبطون ہو اسکی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے اسکی استثناء سے کی ہے بعض نے اسہال سے، بعض نے قولنج کہا ہے اور بعض نے پیٹ کی ہر بیماری) وہ بھی شہید ہے۔ جو آگ میں جل کر مر جائے وہ بھی شہید ہے جو (چھت یا دیوار وغیرہ کے نیچے) دب کر مر جائے وہ بھی شہید ہے عورت اگر بچہ پیدا ہونے میں مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ (موطا امام مالک) ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اُن کی بیٹی نے عرض کیا کہ شہید ہونا اللہ کے راستے میں قتل ہونے کو سمجھتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس طرح تو میری اُمت کے شہید بہت کم رہ جائیں گے اس کے بعد ان انواع کو ذکر فرمایا ان کے علاوہ ساٹھ کے قریب اقسام موت کی ایسی ہیں جن میں شہادت کا درجہ نصیب ہونے کی بشارت احادیث میں آتی ہے اور انکو اوجز المسالک کی دوسری جلد میں اس ناکارہ نے جمع کیا ہے تعجب ہے

کہ اللہ تعالیٰ اور اسکا سچا رسول تو اُمت محمدیہ کے فضائل اور اُن کی خوبیوں میں ترقیات کے اسباب بہم پہنچائیں اور اُمت اس رحمت کو تنگ کرے۔ ہر شخص جو کسی دینی مشغلہ میں لگا ہوا ہے تعلیم ہو تبلیغ ہو جہاد ہو سلوک ہو وہ اپنے سلسلہ کے علاوہ باقی سب کو لغو بے کار وقت کی اخاعت حتیٰ کہ گمراہی کہنے سے بھی نہ جھپکے۔ دین اسلام جو ہر نوع سے نہایت سہل تھا اس کو مشکل بنایا جاتا ہے اور دینی ترقی کے لاتعداد ابواب کو اسی ایک باب میں منحصر کیا جاتا ہے جس پر وہ خود چل رہے ہیں اور اسکے علاوہ بقیہ سب ابواب کو گویا دین سے خارج کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین (نہایت) سہل ہے اور جو اس میں تشدد کرتا ہے مغلوب ہوتا ہے۔ پس سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلے چلو اور لوگوں کو (نیک اعمال پر) بشارتیں دو (بخاری شریف)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سہولت پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو۔
لوگوں کو تسکین دو نفرت نہ دلاؤ (درمنثور)

صاحب بہجتہ النفوس لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عقل کے ساتھ یعنی احکام شرعیہ پر عقل کے ساتھ عمل کیا جائے۔ اسی لئے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں عقل کے موافق بدلہ دیا جائیگا (مجمع) آپ نے عرض کیا کہ عقل کی ذمہ داری کون کر سکتا ہے (کہ ہر شخص عقل اور سمجھ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کم و بیش ہوتا ہے)

حضور نے ارشاد فرمایا کہ عقل کی کوئی انتہا نہیں ہے لیکن جو شخص اللہ کی حلال کی ہوتی چیزوں کو حلال سمجھے اور اللہ کی حرام کی ہوتی چیزوں کو حرام جانے وہ عاقل ہے اگر اس کے بعد (دین میں) اور کوشش کرے تو وہ عابد ہے اور اگر اور زیادہ کوشش کرے تو وہ جواد (جو انحراف سے) ہے۔ پس اگر کوئی شخص عبادت میں کوشش کرنے والا ہو اور نیک کاموں میں جو انحراف نہ ہو لیکن ایسی عقل اس کو نہ ہو جو اللہ کی حلال فرمائی ہوتی چیزوں کے اتباع پر در حرام کی ہوتی چیزوں سے رکنے پر پہنچا دے۔ تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں ضائع ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس چیز کو شریعت نے حلال کر رکھا ہے اس کو حرام سمجھنا دینی بے عقل ہے۔ اسی طرح دین کے ابواب میں تنگی کرنا یا ان میں اپنی طرف سے اصلاح کرنا عقل کی بات نہیں ہے۔ صاحب ہجرت کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے نفس سے اس کا مطالبہ کرے کہ وہ تمام عبادتوں کو ہر طریقہ سے کمال پر پہنچائے وہ دو طرح سے مغلوب ہوگا۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ کمال تک پہنچنے سے عاجز ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الْمُنْبِتَ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰی۔

دوسرا اس وجہ سے کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات مختلف انواع عبادات کا بیک وقت اجتماع ہوگا اور اس صورت میں آدمی ایک ہی کو ادا کر سکتا ہے۔ صاحب ہجرت نے جس حدیث کے ٹکڑے کو ذکر کیا ہے یہ

مختلف صحابہ سے نقل کی گئی ہے علامہ سخاوی نے احادیث مشہورہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ لیکن محدثین نے اس میں کلام بھی کیا ہے پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اِنَّ هٰذَا الَّذِيْنَ مَتَيْنٌ فَاَرْغَلُوْا فِيْهِ بِالزَّفْرِقِ فَاِنَّ الْمَنَّبِتَ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبَقَ ۝

یہ دین ایک مضبوط چیز ہے اس میں نرمی کے ساتھ تیز چلاؤ اسلئے کہ جس شخص نے سواری کو تھکا ڈالا اس نے نہ تو راستہ ہی قطع کیا نہ سواری ہی کو باقی رکھا کہ دوسرے وقت قطع مسافت کر سکتا۔ اسی لئے حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ فَسَدِ دَوَاوَادُ بُوَا سِيْدَهٗ سِيْدَهٗ اور قریب قریب چلے چلو یعنی توسط کی رفتار رکھو۔ مندوبات میں اتنا تو غل نہ کرو کہ فرائض میں کوتاہی ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حشمہ کو نہ دیکھا نماز کے بعد بازار تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ان کا مکان آگیا وہاں تشریف لے گئے اور ان کی والدہ سے دریافت فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ رات بھر نوافل میں مشغول رہے نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اسکے کہ تمام رات عبادت میں گزاروں۔

تمام رات کی عبادت کتنی اہم چیز ہے لیکن چونکہ جماعت کی نماز اس سے زیادہ مؤکد ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو ترجیح دی اور بھی بہت سی روایات اس مضمون کی موید ہیں کہ احکام شرعیہ میں بھی ہر چیز

کا ایک درجہ ہے کہ اس سے نہ گھٹانا چاہیئے نہ بڑھانا۔ محض اس وجہ سے کہ
 ہم ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یا ہمارے نزدیک ایک کام اہم ہے باقی
 ساری عبادات پر دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت
 نا انصافی ہے۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ اسکی ترغیب نہ دی جائے یا دوسروں
 کو اس طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا
 جائے جو حدود سے متجاوز ہو جائے کہ نہ اسکے مقابلہ میں کوئی فرض رہے نہ
 واجب نہ عذر رہے نہ معذرت جو لوگ اسکے سلسلہ میں منسلک نہ ہوں
 وہ جہنمی بنا دیئے جائیں وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کر دیئے
 جائیں جیسے کہ بہت سی تقریروں اور تحریروں میں دیکھا جاتا ہے اور
 بہت زیادہ تحجب کی بات یہ ہے کہ بعض اُونچے درجے کے اکابر اور
 ذمہ دار حضرات کی زبان سے بھی ایسے لفظ نکل جاتے ہیں جنہوں نے
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کے بارے میں ایسی بات کو
 شائع کرے جس سے وہ بری ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو قیامت کے
 دن جہنم میں پگھلا دیں گے۔ یہاں تک کہ اپنی بات کو سچا ثابت کرے (درمنثور)
 پگھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈال دینے کے کہ اس کا بدن لہو
 پیپ بن کر پگھلتا رہے گا اور جب تک اپنی بات کو سچا ثابت نہ کرے گا
 اس وقت تک نکلنے کا حق نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب ایسی بات کہی ہے
 جو دوسرے میں موجود ہی نہیں ہے تو اسکو سچا کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ ایسی
 صورت میں پھر اسی کی مہربانی کی طرف توجہ کرنا پڑے گی جس پر جھوٹا

الزام لگایا تھا کہ یا وہ محاف کر دے یا اللہ جل جلالہ اپنے لطف سے اس کو معاوضہ دے کر راسخی فرمائیں ورنہ اپنی نیکیاں اُنکے حوالہ کریں اور نیکیاں اپنے پاس نہ ہوں تو ان کی برائیاں اپنے سر رکھیں۔ جو صورت بھی ہو بہر حال ندامت کتنی سخت ہوگی کہ آج جن کو سب و شتم کیا جا رہا ہے کل اُن کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا۔

سوال نمبر ۴۔ مسلمان تباہ ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔
 جواب نمبر ۴۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہر نوع سے پریشان ہیں۔ انفرادی مشکلات مستقل گھیرے ہوئے ہیں۔ اور اجتماعی تفکرات علیحدہ دانگہر ہیں۔ لیکن یہ سوال کہ ان کو کیا کرنا چاہیئے ایک عامی سمجھدار مسلمان کے قلم سے بھی موجب تعجب ہے چہ جائیکہ کسی ذی علم کے قلم سے۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کے متعلق اللہ جل جلالہ نے اپنے پاک کلام میں تکمیل کا اعلان فرمایا ہے اور اس احسان اور نعمت کے پورا کر دینے کا تمغہ عطا فرمایا ہے۔ اور رکن پیارے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (س مائدہ)
 آج میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا اور اس تکمیل سے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور میں اس بات سے خوش ہوں (اور اس کو پسند کرتا ہوں) کہ تمہارا دین (اور مذہب) اسلام ہو (یعنی مذہب اسلام تمہارے لئے مجھے پسندیدہ ہے اور یہی تمہارا مذہب ہے) کیا ہی مبارک تمغہ ہے۔ کتنا مسرور بنادینے والا امتیاز ہے۔ ایسے مکمل دین کے دعویدار ایسے کامل

مذہب کے پیرواس میں پریشان ہو کر مسلمان کیا کریں۔ اللہ پاک نے اور
 اسکے سچے رسولؐ نے دین کی یاد دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی
 سے چھوٹی ضرورت اور بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف
 اور کھلے ہوئے الفاظ میں احکام نہ بیان فرمادیئے ہوں ان کے منافع
 اور نقصانات نہ بتادیئے ہوں اور پھر سب کچھ صرف زبانی تلقین اور
 کتابی تعلیم نہیں ہے بلکہ اللہ کے سچے رسولؐ اور رسولؐ کی فریقہ جماعت
 نے ان سب کو عمل جامہ پہنا کر ان پر عمل کر کے اسکا تجربہ بھی کر دیا ہے
 الغرض دین و دنیا کی بہود بھی رسولؐ کے اتباع ہی میں مضمر و مختصر
 ہے۔ مگر جب ہم لوگ رسولؐ کے اتباع کو دقتیانوسیت اور اسکی سنتوں
 پر مڑنے کو تنگ نظری سمجھیں تو آخرت کا جو حشر ہونے والا ہے وہ ظاہر
 ہے اور دنیا کا جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک حرکت و سکون صحابہ کرام اور محدثین عظام
 رضی اللہ عنہم اجمعین کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے، ایک طرف اسکو
 سامنے رکھو دوسری طرف امت کے حالات کو سامنے رکھو حضورؐ کی ایک
 ایک سنت دیدہ و دانستہ دلیری اور جرأت سے چھوڑی جا رہی ہے اور
 صرف یہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ اسکی طرف متوجہ کرنیوالوں
 کو احمق اور دین کا نا سمجھ بتایا جا رہا ہے۔ کیا اس ظلم عظیم کی کوئی حد ہے اور
 ایسی صورت میں مسلمانوں کو پریشانی کی شکایت کرنے کا کیا منہ ہے۔ اور
 تقریروں تحریروں میں اس شور مچانے کا کیا حق ہے کہ مسلمان تباہ

ہو گئے۔

آنچہ برماست ازماست ؛ خود کردہ را غالبے نیست
 اللہ جل جلالہ نے صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں ارشاد فرمادیا: وَمَا
 اصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ
 وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
 وَّلِيٍّ وَلَا فَصِيٍّ (س شوریٰ ع ۴) اور جو کچھ مصیبت تم کو حقیقتاً پہونچتی
 ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہونچتی ہے (اور ہر گناہ پر نہیں پہونچتی
 بلکہ بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں) اور اگر وہ ہر گناہ پر دنیا
 میں پکڑ کرنے لگیں تو تم زمین میں (کسی جگہ بھی پناہ لیکر) اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں
 کر سکتے اور اللہ کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد پاک ہے۔
 ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ
 بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (س روم ع ۵) بروجر (یعنی
 خشکی اور تری غرضی ساری دنیا) میں لوگوں کے اعمال کی بدولت فساد پھیل
 رہا ہے (اور بلائیں فحظ زلزلے وغیرہ نازل ہو رہے ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے
 بعض اعمال کی سزا کا مزا ان کو چکھادے۔ شاید کہ وہ اپنے ان اعمال سے
 باز آجائیں۔ اس قسم کے مضامین کلام پاک میں دو چار جگہ نہیں سیکڑوں جگہ
 وارد ہیں۔ پہلی آیت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
 مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تجھے
 بتاتا ہوں۔ اے علی جو کچھ بھی تجھے پہونچے مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب ہو یا

دنیا کی کوئی بھی مصیبت ہو وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی لکڑی کی خراش یا کسی رگ کا حرکت کرنا یا قدم کی لغزش (ٹھوکر کھا جانا) یا پتھر کہیں سے آکر لگ جانا جو کچھ بھی ہوتا ہے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی بندہ کو کوئی زخم یا اس سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز جو پہنچتی ہے وہ کسی اپنی ہی کی ہوئی حرکت سے پہنچتی ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بدن میں کوئی تکلیف تھی۔ لوگ عیادت کے لئے آئے۔ اور افسوس کرنے لگے۔ فرمایا افسوس کی کیا بات ہے کسی گناہ کی وجہ سے یہ بات پیش آئی ہے۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک پڑھ کر بھول جاتا ہے وہ کسی گناہ کی بدولت ہوتا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمانے لگے کہ قرآن شریف کو بھول جانے سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے حضرت اسماءؓ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے سر میں درد ہوا تو سر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگیں کہ میسر گناہوں کی وجہ سے ہے (درمنثور) (ابن کثیر)

اگرچہ بعض اوقات مصائب اور حوادث کے اسباب کچھ اور بھی

ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور معصوم بچوں کو بھی ابتلاء ہوتا ہے جو اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ مجھے اس جگہ ان آیات واحادیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے کہ جملہ احتمالات اور اشکالات کو ذکر کروں۔ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور ان حوادث اور آفات کا ایک خاص سبب بیان کیا گیا ہے اور وہ سبب اس قدر قوی ہے کہ اسکے زہریلے اثرات میں بسا اوقات وہ لوگ بھی گرفتار ہو جاتے ہیں جو ان معاصی میں مبتلا نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اس امت کے آخر زمانہ میں خسف ہوگا (زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا) اور مسخ ہوگا (کہ آدمی کتے اور بندر وغیرہ کی صورتوں میں ہو جائیں گے) اور قذف ہوگا (کہ آسمان سے پتھر برسے لگیں گے) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحا موجود ہوں حضورؐ نے فرمایا ہاں جب خباثت کی کثرت ہو جائے (اساعتہ بروایۃ ترمذی وغیرہ) خباثت کی کثرت کے وقت صلحا کی موجودگی میں بھی عذاب ہو سکتا ہے۔ اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے۔ کہ نیک کاموں کا آپس میں ایک دوسرے کو حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے۔ بعض احادیث میں اس کے بعد ارشاد ہے کہ اس وقت اگر دُعائیں بھی کی جائیں گی تو قبول نہ ہونگی۔ ایک

حدیث میں ہے کہ جس جماعت میں کوئی ناجائز بات جاری ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو مرنے سے پہلے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس جماعت کو کسی عذاب میں مبتلا فرمادیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ایک مرتبہ کسی آبادی کے اُٹ دینے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ اس آبادی میں فلاں بندہ ایسا ہے جس نے کسی وقت بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ یہ صحیح ہے مگر میری وجہ سے کبھی بھی اسکی پیشانی پر بل نہیں پڑا مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں ہوتے ہوتے دیکھ کر رنج اور غصہ بھی نہیں آیا کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف) اس قسم کی اور سیکڑوں احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے کہ ان میں ناجائز کاموں کو دیکھ کر کم از کم غصہ اور رنج نہ ہونے پر وعیدیں وارد ہوتی ہیں یعنی ان کے روکنے پر اگر قدرت نہ ہو تو کم سے کم درجہ ان کو دیکھ کر رنج ہونا ضروری ہے اب ہم لوگ اپنے حالات کو دونوں قسم کے ارشادات پر جانچ لیں کہ کس قدر معاصی اور گناہوں میں ہر وقت خود مبتلا رہتے ہیں اور سابق آیات و احادیث کی بنا پر کتنے حوادث اور عذاب ہم پر مسلط ہونا چاہئیں اور اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال کو چھوڑ کر اللہ کی کتنی نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور پھر کتنا اضطراب اور بیچینی ہم کو ان کے دیکھنے سے ہوتی ہے ایسی حالت میں کیا تو ہم لوگوں کی دُعائیں قبول ہوں اور کیا ہماری پریشانیاں

دور ہوں یہ تو اللہ کی رحمت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت اور انکی مقبول دعاؤں کی برکت ہے کہ سب کے سب ہلاک نہیں ہو جاتے۔ ہمارے حالات یہ ہیں کہ ہر معصیت ہمارے یہاں قابلِ فخر ہے۔ اور ہر بددینی ترقی کا راستہ ہے۔ اور ہر کفریات بننے والا روشن خیال ہے۔ اور اس پر کوئی شخص نکیر کر دے یا کرنا چاہے وہ گردن زدنی ہے کٹ ملا ہے۔ دنیا کے حالات سے اور ضروریاتِ زمانہ سے بے خبر ہے۔ جاہل ہے۔ ترقی کا دشمن ہے۔ ترقی کے راستہ میں روڑے اٹکانے والا ہے۔ یہیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا۔ یہ تو کلی ارشادات تھے اب مثال کے طور پر چند جزئیات کو بھی دیکھتے جاؤ۔ مذہب اسلام میں ایمان کے بعد سب سے اہم درجہ نماز کا ہے۔ بہت سی احادیث میں نماز کے چھوڑنے کو کفر تک پہنچانے والا بتایا ہے۔ اسلام اور کفر کا امتیاز ہی نماز کو بتایا گیا ہے۔ نماز کے چھوڑنے میں کتنے کتنے دینی اور دنیوی نقصانات ہیں اُن کو مختصر طور پر میں اپنے رسالہ فضائل نماز میں ذکر کر چکا ہوں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن کتنے مسلمان ہیں جو اس اہم فریضہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نہ پڑھنے والوں کو ٹوکنے کی بھی کسی کی مجال نہیں ہے۔ کسی غریب مسلمان کو ٹوکا جاسکتا ہے لیکن کسی اعلیٰ طبقہ کے مسلمان کو بھی کہا جاسکتا ہے؟ جن لوگوں کی جیب میں چار پیسے ہیں یا کوئی معمولی سی حکومتیاریاست اُن کو ہٹی ہوئی ہے کسی کی مجال ہے کہ اُن کو تنبیہ کر سکے۔ کیا ممکن ہے

کہ انکی عالی بارگاہ تک اس اہم فریضہ کے چھوڑنے پر کوئی نکیر پہنچ سکے کوئی بھی کلمہ اس بارہ میں ان سے کہا جاسکے۔ اور اب تو اس سے بھی بڑھ کر ایک شخص ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان کہتا ہے کہ نماز کوئی عبادت ہی نہیں۔ اسکو ٹوکنا درکنار اسکی مدح سرائی کی جاتی ہے وہ علامہ ہے۔ مسلمانوں کے درد کا درماں ہے۔ وقت کی ضرورت کو سمجھنے والا ہے۔ اسکے خلاف جو آواز اٹھائے وہ جاہل ہے۔ دورِ کثرت کا امام ہے جو نہ مصلحت وقت کو سمجھتا ہے نہ مسلمانوں کی ضرورت سے واقف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نمازیں ہے مگر انکے اتباع کا دعویٰ کرنے والا شخص کہتا ہے کہ یہ ایک فالتو چیز ہے اسپر اس کو دقیق نظری باریک بینی کا تمغہ ملتا ہے۔ یہ واقعات ہوں اور پھر مسلمان اپنے اوپر مصائب اور حوادث کی شکایت کریں۔ ایسے حالات میں ہم پر جو جو بلائیں نازل ہوں وہ سب اس سے کم ہیں جس کے ہم اپنے اعمال سے مستحق ہیں اور صرف اللہ کا رحم ہے کرم ہے اسکی رحمت و علم کی وسعت ہے کہ ہم صفحہ ہستی پر موجود ہیں۔ یہ تو ایک رکنِ ہوابِ اسلام کے باقی ارکانِ روزہ، زکوٰۃ، حج میں سے کسی ایک کو لیں اور عالم پر ایک نگاہ ڈال کر اسکا حشر دیکھ لو کہ ان ارکان پر عمل کرنے والے کتنے ہیں۔ اب دوسری جانب محرمات میں ایک نہایت معمولی سی چیز شراب ہے کو دیکھ لو کہ کتنے اسلام کی حمایت کے دعویدار اور ترقی اسلام پر مرمٹنے والے ایسے ہیں جو کس جرأت اور

بیجائی سے کھلم کھلا علی الاعلان پیتے ہیں۔ قرآن شریف میں بار بار اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے اور صاف لفظوں میں اس کے چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے پینے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے خریدنے والے پر لعنت کی ہے۔ لاؤ کر لے جانے والے پر لعنت کی ہے اور جس کے پاس لے جانی جائے اس پر لعنت کی ہے اسکو بھیچ کر اسکی قیمت کھانیوالے پر لعنت کی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ میسر پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک اللہ نے شراب پر لعنت فرمائی ہے۔ اور اس کے بنانے والے پر اور بنوانے والے پر اور اسکے پینے والے پر اٹھا کر لیجانے والے پر اور جس کے پاس لے جانی جائے اس پر اور اسکے بیچنے والے پر اور اسکے پلانے والے پر اور پلوانے والے پر (یعنی کوئی اپنے ملازم وغیرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو پلوائے تو آقا پلوانے والا ہوا اور ملازم پلانے والا) حاکم نے ان دونوں حدیثوں کو صحیح بتایا ہے اب غور کرنے کی چیز ہے کہ اس ایک شراب کی بدولت کتنے آدمی ہیں جو اللہ کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں اس کے رسول کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں۔ اب غور کرو جن لوگوں پر اللہ پاک اور اس کا وہ رسول جو امت پر سب سے زیادہ شفقت اور مہربانی کرنے والا تھا جو ہر وقت امت کی فلاح و کامیابی میں منہمک رہتا تھا۔ دونوں لعنت

کرتے ہوں ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔ اور جو باوجود قدرت کے اس پر سکوت کریں نیکر نہ کریں وہی کون سے کچھ دور ہیں۔ اسکے بعد اپنی حالت کو دیکھو کہ نیکر درکنار کوئی نیکر کرنے والا اس فعل کو بُرا کہنے والا ہو تو وہ تنگ نظر ہے خشک مُلا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شراب سے بچو۔ وہ ہر بُرائی کی کنجی ہے۔ جب ہم لوگ برائیوں کا مقفل دروازہ اپنے ہاتھ سے کھولیں۔ پھر برائیوں کی شکایت کیوں کریں۔ جب ایک پتے اور پتے خیر دینے والے نے فرمایا کہ اس دروازہ کو کھولو گے تو فلاں چیز نکلے گی۔ ہم خود دروازہ کھولتے ہیں اور وہ چیز نکلتی ہے تو واویلا کرتے ہیں اس بے وقوفی کی حد بھی ہے۔

اسی طرح سود ہی کے مسئلہ کو دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے پتے رسول کے ارشادات کو اول غور کرو کہ اللہ جل جلالہ نے کس زور سے اسکے متعلق قرآن پاک میں تنبیہ اور ممانعت فرمائی۔ حتیٰ کہ اپنی طرف سے اور اپنے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو اعلان جنگ فرما دیا ہے۔ جو سود کو نہ چھوڑیں چنانچہ ارشاد ہے فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (س بقرہ ۳۸) پس اگر تم ایسا کرو (یعنی سود کا بقایا روپیہ جو لوگوں کے ذمہ ہے نہ چھوڑ دو) تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں سود کے معاملات ہوتے تھے اس لئے یہ حکم نازل ہوا کہ جن کا سود کا روپیہ لوگوں کے ذمہ باقی ہے وہ بھی اب ہرگز وصول نہ کریں چہ جائیکہ از سر نو سولیں

احادیث میں نہایت کثرت سے اس پر وعیدیں آئیں ہیں۔ کئی حدیثوں میں اس قسم کے ارشادات بھی وارد ہوئے ہیں کہ سود کے تہتر باب (گناہ کے) ہیں جن میں سے کم درجہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کوئی زنا کرے اور بدترین سود (کے حکم میں ہے) مسلمان کی آبروریزی کرنا۔ ایک حدیث میں ہے ایسے گناہوں سے اپنے کو بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہے ان میں سے سود بھی ہے جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں پاگلوں کی طرح ہوگا۔ متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر سود دینے والے پر سودی روپے کی گواہی دینے والوں پر سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت کی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کریں اس کا کیا حشر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس قوم میں زنا کاری اور سود خواری شائع ہو جائے اس قوم نے اللہ کے عذاب کے واسطے اپنے کو تیار کر لیا ہے۔ ان ارشادات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آجکل کے معاملات کو شرعی قواعد سے جانچو۔ کتنے معاملات ایسے ہیں جن میں سودی لین دین کھلم کھلا ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سود کو جائز بتایا جاتا ہے اس کے جواز پر رسالے لکھے جاتے ہیں کوئی غریب اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس پر تھوٹے سچے الزامات لگائے جاتے ہیں اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اسکی کوشش کی جاتی ہے کہ اسکی بات نہ سنی جائے۔ یہ دو ایک مثالیں جمالی طور پر میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بقیہ احکام

شرعیہ کو تم خود دیکھ لو غور کرو۔ جتنے احکام کرنے کے ہیں گے ان میں
تغافل، تساہل بلکہ انکار بے گاہ اور جتنے امور نہ کرنے کے ہونگے ناجائز یا جائز
ہونگے حرام ہوں گے ان پر جرات و بے باکی اور ان میں نہایت کثرت
سے کھلم کھلا ابتلاء ملیگا اول تو ان پر ٹوکنے والا روکنے والا کوئی ملیگا
نہیں اور اگر کسی جگہ کوئی ایک آدھ پرائے خیال والا ملیگا تو اس کا جو
حشر ہو رہا ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان خصوصی مثالوں کے بعد
اجمالی طور پر اب میں چند حدیثیں صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں جن سے
اندازہ ہو جائیگا کہ ہم لوگوں کی پریشانیاں حوادث مصائب ہمارے خود
اکٹھے کئے ہوئے ہیں اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان سچا سمجھتے ہیں تو ان کو یہ بات اچھی طرح
سمجھ لینا چاہیے کہ حضورؐ نے جس قسم کے اعمال پر جس قسم کے عذاب اور
پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے وہ ہو کر رہیں گے اگر ہم ان سے
بچنا چاہتے ہیں تو ان اعمال کو چھوڑ دیں ہم لوگ آگ میں کود جائیں اور
شور مچائیں کہ جل گئے جل گئے اس سے کیا فائدہ۔ ان احادیث کو غور سے
مطالعہ کرو اور کثرت سے دیکھا کرو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَعَلْتَ أُمَّتِي	جب میری امت یہ پندرہ کام کرنے
خَمْسَ عَشْرَةَ خَصَلَةً حَلَّ بِهَا	لگے گی تو اس پر بلائیں نازل ہونے
الْبَلَاءُ قَبِيلَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ	لگیں گی غنیمت کا مال ذاتی دولت

قَالَ إِذَا كَانَ الْمَغَمُّ دَوْلًا وَالْأَمَانَةُ
 مَغَمًّا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَاطَّاعَ
 الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ وَبَرَّ
 صَدِيقَهُ وَخَفَا أَبَاهُ وَارْتَفَعَتْ
 الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَكَانَ
 زَعِيمُ الْقَوْمِ ارْتَدَّ لَهُمْ وَكَرُمَ
 الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَشَرِبَتْ
 الْخُمُورُ وَلَبَسَ الْحَرِيرُ
 وَاتَّخَذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ
 وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ
 أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ
 رَجَاءَ أَحْمَرَاءٍ أَوْ خُسْفًا أَوْ مَسْخًا
 وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِذَا اتَّخَذَ الْفَقِيُّ دَوْلًا وَالْأَمَانَةُ
 مَغَمًّا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا
 وَتَعَلَّمَ لَغْوِ الدِّينِ وَاطَّاعَ
 الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ
 وَادْنَى صَدِيقَهُ وَقَطَعَ أَبَاهُ

بن جائے ۱۰ امانت ایسی ہو جائے جیسا
 غنیمت کا مال ۱۱ زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان
 سمجھا جائے ۱۲ رک جیسے تاوان ادا کرنا
 مصیبت ہوتا ہے ایسے ہی زکوٰۃ ادا
 کرنا تاوان مصیبت بن جائے ۱۳
 بیویں کی فرمانبرداری کی جلتے اور
 ماں کی نافرمانی کی جائے ۱۴ دوستوں
 اور یاروں سے نیکی کا برتاؤ کیا جاتے
 اور باپ کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کیا جاتے
 ۱۵ مسجدوں میں شور و شغب ہونے
 لگے ۱۶ رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار
 سمجھے جاتیں ۱۷ آدمی کا اکرام اس وجہ
 سے کیا جائے کہ اسکے شر سے محفوظ رہیں
 (یعنی وہ اکرام کے قابل نہیں مگر اس
 وجہ سے اسکا اعزاز کیا جائے کہ وہ
 کسی مصیبت میں نہ مبتلا کر دے)
 ۱۸ شراب (علی الاعلان) پی جائے ۱۹ (مرد)
 ریشمیں لباس پہنیں ۲۰ اگانے والیاں
 (ڈومنیناں کنچنیاں وغیرہ) ہتیاں جاتیں

وَطَهَّرَتِ الْأَصْوَاطُ فِي الْمَسَاجِدِ
 وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسْقَهُمْ وَكَانَ
 زَعِيمُ الْقَوْمِ ارْزُلْ لَهُمْ وَأَكْرَمُ
 الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَطَهَّرَتِ
 الْحَقِيقَاتُ وَالْمُعَازِفُ وَشَرِبَتِ
 الْخُمُورُ وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ
 الْأُمَّةِ أَوْلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوا
 عِنْدَ ذَلِكَ رَيْجًا حَمْرَاءَ
 وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا
 وَقَدْ فَاوَايَاتُ تَابِعُ كِنَظَامِ
 بِالِ قَطْعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعُ
 رَوَاهُمَا التِّرْمِذِيُّ
 وَذَكَرَهُمَا فِي الْمَشْكُوتِ بِرَوَايَةٍ
 وَذَكَرَ صَاحِبُ الْإِسَاعَةِ
 حَدِيثَ عَلِيٍّ بِأَطْوَلِ مِنْهُمَا
 وَفِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ مِنْ
 حَدِيثِ عَوْفٍ بِنَحْوِهِ وَفِيهِ
 وَقَعَدَتِ الْحُمَلَانُ عَلَى الْمُنَابِرِ
 وَاتَّخَذَ الْقُرْآنُ مَزَامِيرَ

۱۲۱ بابے بنائیں جائیں (کہ عام طور سے
 استعمال کئے جائیں) بھلا امت کے
 پہلے لوگوں کو (صحابہ تابعین اور ائمہ
 مجتہدین کو) برا کہا جاتے تو امت کے
 لوگ اس وقت سُرخ آندھی اور
 زمین میں دھنس جانے اور صورتیں
 مسخ ہو جانے (اس قسم کے عذابوں)
 کا انتظار کریں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب بیت المال
 کا مال ذاتی دولت بن جائے اور انا
 کو مال غنیمت سمجھا جائے اور زکوٰۃ
 تاوان بن جائے اور علم کو دین کے
 واسطے نہ سیکھا جائے (بلکہ دنیوی غرض
 مال و دولت و جاہت وغیرہ کے لئے
 سیکھا جائے) بیوی کی اطاعت ہو اور
 ماں کی نافرمانی۔ یاروں سے قرب ہو
 اور باپ سے دوری ہو۔ مسجدوں میں شور
 و شغب ہونے لگے فاسق لوگ سردار
 بن جائیں۔ رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار

بن جائیں۔ برائی کے ڈر سے آدمی کا اعزاز کیا جائے۔ گمانے والیاں اور باجے کھلم کھلا استعمال کئے جائیں۔ شرابیں پی جائیں۔ اور اُمت کے پہلے لوگوں کو بُرا بھلا کہا جائے تو اس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ اور زمین میں دھنس جانے اور صورت مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔ تیسری حدیث میں ان دونوں کے قریب قریب مضمون ہے اور یہ بھی ہے کہ کم عمر بچے ممبروں پر وعظ کہنے لگیں۔

فائدہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کو شمار کیا ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو اس زمانہ میں نہایت شد و مد سے شائع نہیں ہے۔ ایک ایک جز کو ان اجزاء میں سے لو اور دنیا کے حالات پر نظر کرو تو یہ معلوم ہوگا کہ ساری دنیا اسی میں مبتلا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس قوم کے دلوں میں دشمنوں کا خوف ڈال دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اس قوم میں اموات کی کثرت ہوگی اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اس کی روزی میں کمی ہوگی اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلے کرے گی اس میں قتل کی کثرت ہوگی۔ اور جو لوگ بد عہدی میں مبتلا ہونگے ان پر اللہ جل شانہ کسی دشمن کو مسلط فرما دیں گے (مشکوٰۃ) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم ایک مرتبہ (خاص طور سے) متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا اے
 مہاجرین! کمی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ
 گے اور خدا نہ کرے کہ تم ان میں مبتلا ہو (تو ان کے عذاب مسلط ہو جائیں
 گے) ایک یہ کہ جس قوم میں فاحشہ (زنا وغیرہ) کھلم کھلا ہونے لگے اس میں
 طاعون اور ایسی نئی نئی بیماریاں ہونگی جو پہلے کبھی نہ سنی ہونگی اور جو
 جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی وہ فحط اور مشقت اور بادشاہ کے ظلم
 میں مبتلا ہونگی اور جو لوگ زکوٰۃ روکیں گے اُن سے بارش بھی روک لی
 جائے گی (اگر بے زبان) جانور نہ ہوں تو ذرا بھی ان پر بارش نہ برسانی
 جائے (مگر جانوروں کی ضرورت سے تھوڑی بہت ہوگی) اور جو لوگ
 اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑیں گے وہ دشمنوں میں گھر جائیں گے
 اور جو لوگ ناحق کے احکام جاری کریں گے وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے
 (ترغیب) اور یہ مضمون تو متعدد روایات میں آیا ہے کہ زنا کی کثرت فقر کو
 پیدا کرتی ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
 جو قوم بد عہدی کرتی ہے اس میں آپس میں خونریزی ہوتی ہے اور جس قوم
 میں فحش (زنا وغیرہ) کی کثرت ہوتی ہے اس میں اموات کی کثرت ہوتی
 ہے اور جو جماعت زکوٰۃ کو روک لیتی ہے ادا نہیں کرتی اس سے بارش
 روک لی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی
 کثرت ہوتی ہے ان کے دلوں پر رعب کا غلبہ ہوتا ہے وہ (ہر شخص
 سے مرعوب رہتے ہیں) حضرت کعب بن لہب کہتے ہیں کہ اس اُمت کی ہلاکت

بدعہدی سے ہوگی (درمنثور)

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اس اُمت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے اور لہو لعب میں مشغول ہوگی اور صبح کو بندر اور سور کی صورتوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور بعض لوگوں کو زمین میں دہنس جانے کا عذاب ہوگا۔ لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان دہنس گیا اور فلاں گھر دہنس گیا اور بعض لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور بعض لوگ آندھی سے تباہ ہونگے۔ اور یہ سب کچھ کیوں ہوگا ان حرکتوں کی وجہ سے، شراب پینے کی وجہ سے ریشمیں لباس پہننے کی وجہ سے، گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے، سود کھانے کی وجہ سے اور قطع رحمی کی وجہ سے (حاکم نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے)

(درمنثور) ایک حدیث میں ہے کہ جس طاعت کا ثواب سب سے زیادہ جلدی ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے جتنی کہ بعض گھرانے والے گنہگار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مال بھی بڑھ جاتے ہیں اور اولاد کی بھی کثرت ہو جاتی ہے اور سب سے زیادہ جلد عذاب لانے والے گناہ ظلم ہے اور جھوٹی قسم ہے کہ یہ مال کو بھی ضائع کرتے ہیں اور عورتوں کو بانجھ کر دیتے ہیں (کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی) اور آبادیوں کو خالی کر دیتے ہیں (درمنثور) یعنی اموات کی کثرت ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر گناہ کا عذاب حق تعالیٰ شانہ جب تک چاہتے ہیں مؤخر فرما دیتے ہیں لیکن والدین

کی نافرمانی کا وبال بہت جلد ہوتا ہے۔ زندگی ہی میں مرنے سے پہلے پہلے اسکا وبال بھگتنا پڑتا ہے (درمنثور) حضور کا ارشاد ہے کہ تم عقیف رہو تو تمہاری عورتیں بھی عقیف رہیں گی۔ تم اپنے والدین کی ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کریگی (در)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور کتنے اہتمام سے فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو (لوگوں کو تبلیغ کرتے رہو) اور بُری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر عذاب نازل فرمائیں گے اور تم لوگ اس وقت دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بری باتوں سے روکنا) کرتے رہو اس سے قبل کہ ایسا وقت آجائے کہ جس میں تم دعا کرو تو وہ بھی قبول نہ ہو، ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ چند آدمیوں کے کسی (ناجائز) کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اسکے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں اور جب یہ نوبت آجائے تو پھر عام و خاص سب ہی کو عذاب ہوتا ہے (در) یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آجکل نئی نئی آفات زلزلے، طوفان، قحط، ریلوں کا ٹکرانا وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے حوادث روزمرہ کے ہو گئے ہیں جن کی حد نہیں۔ نئے نئے امراض، نئے نئے مصائب ایسے روزافزون ہیں جو پہلے کبھی برسوں

میں بھی نہیں پیش آتے تھے۔ انجاریں حضرات اس سے بہت زیادہ واقف ہیں اور چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بھی تقریباً بند ہے اس لئے دعاؤں کے قبول ہونے کی اُمید بھی مشکل ہے۔ نمازوں کے بعد دعاؤں کے اعلان کر دینے سے کیا کنایت ہو جبکہ دعا قبول نہ ہونے کے ہم اسباب خود اختیار کریں۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور بعض روایات میں تیسرا شخص رائش یعنی جو درمیانی واسطہ رشوت دینے میں ہو اس پر بھی لعنت وارد ہوتی ہے۔ اب دیکھو کہ کتنے آدمی اس بلا میں مبتلا ہیں اور جن پر اللہ کا سچا اور مقبول رسول لعنت کرے ان کا کیا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ظلم نہ کرو کہ تمہاری دعا میں قبول نہ ہونگی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ ظالم کو مہلت دیتے ہیں۔ (شاید باز آجاتے) لیکن جب پکڑتے ہیں پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلَمٌ شَدِيدٌ اور آپ کے رب کی دار گیر ایسی ہی سخت ہے۔ جب وہ کسی بستی والوں پر جو ظالم ہوں دار گیر کرتا ہے بیشک اسکی پکڑ بڑی تکلیف دہ اور سخت ہے۔ اب دنیا کے مظالم کو دیکھو اور پھر سوچو کہ جب اللہ کی پکڑ سختی سے ہو تو مصائب اور پریشانیوں کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے خواہ

وہ کافر ہی کیوں نہ ہو (ترغیب حصین)

ایک حدیث میں آیا ہے اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں میں بغضتہ اس شخص پر نہایت سخت ہوتا ہے جو کسی ایسے شخص پر ظلم کرے جو میرے سوا کوئی مددگار نہیں رکھتا۔ (معجم صغیر)

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن ؛ اجابت از در حق بہر استقبال مے آید
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان والے اس پر رحم نہیں کرتے (ترغیب) ایسی حالت میں جب مظلوموں کی بددُعائیں روز افزوں ہوں اور آسمان والے رحم نہ کریں تو بجلیاں ، اولے ، طوفان جتنے بھی آئیں قرن قیاس ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ مظلوم کی بددُعائے نکتے رہو کہ اس کے قبول ہونے میں کوئی چیز حائل نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بددُعاقبول ہوتی ہے چاہے وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں مظلوم کی دُعا کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو (حصن)

ایک حدیث میں وارد ہے میری امت خیر اور بھلائی پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی نچوں (زنا کی اولاد) کی کثرت نہ ہو اور جب انکی کثرت ہوگی تو حق تعالیٰ شانہ اس امت کو ایک عام عذاب میں مبتلا فرمائیں گے (ترغیب) مخفی حرام کاریوں کا تو کیا ذکر کوئی بڑے سے بڑا شہر یا چھوٹے سے چھوٹا قصبہ بھی ایسا ہے جہاں کھلم کھلا علی الاعلان زنا کی کثرت اور حرامی نچوں کی پیداوار نہ ہوتی ہو اور مینوسپلٹی کے مسلم ممبران اس پر

مجبور نہ ہوں کہ اس بے پدری اولاد کی روز افزوں پیداوار کے لئے مستقل جگہوں کا انتظام کریں اور ان کے مکانات کے لئے وسیع جگہ مہیا کریں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس آبادی میں سود خواری اور زنا کاری علی الاعلان ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہاں کے لوگ اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو اتار رہے ہیں (ترغیب) ذرا غور تو کرو کتنے آدمی ہیں جو اس بدکاری میں مبتلا ہیں اور کتنے مہذب اور شریف آدمی ہیں جو اس سیہ کاری کے لئے مکانات کرایہ پر دیتے ہیں اور کتنے دینار میونسپل کمشنر ایسے ہیں جو اس ذلیل کام کے لئے جگہوں کا انتظام کرنے پر مجبور ہیں۔

بہت سی صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ جس گھر میں کتا ہو یا تصویر ہو (ارتحمت کے) فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے ابو اہلؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ملک شام کے ایک غزوہ میں شریک تھا ایک جگہ ٹھہرا ہوا وہاں کا رئیس حضرت عمرؓ کو تلاش کرتا ہوا (زیارت کے شوق میں) آیا جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو ان کو سجدہ کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سجدہ کیسا اس نے عرض کیا کہ ہمارا اپنے بادشاہوں کے ساتھ یہی معمول ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا سجدہ اسی معبود کو کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے اس کے بعد اس نے درخواست کی کہ میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا ہے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں حضرت عمرؓ نے فرمایا تیرے مکان میں تصویریں تو نہیں ہیں۔ اس نے عرض کیا تصویریں تو ہیں آپ نے فرمایا کہ ہم اس میں نہیں جاتے تو ایک قسم کا کھانا بھیج دینا اس نے بھیج دیا اور حضرت عمرؓ نے تناول فرمایا

(حاکم) اب دنیا کے مہذب مکانوں پر بھی ایک نگاہ ڈالو۔ کیا بغیر تصویر کے مکان کی آرائش ہو سکتی ہے اور مجال ہے کہ کوئی تنگ نظر مولوی ٹوک سکے۔ تم ہی بتاؤ کہ جب ہم رحمت کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر لیں اور عذاب الہی کے نازل ہونے کے اسباب جتنے ممکن ہو سکیں اختیار کرتے رہیں۔ پھر ہماری پریشانیاں اور مصائب کیوں نہ روز افزوں ہوں۔ ہمارے اسلاف کا عمل یہ ہے کہ وہ کفار کے ان مکانوں میں بھی جانا گوارا نہ کریں جہاں تصاویر ہوں اور ہم ناخلفوں کا عمل یہ کہ مسلمان ہو کر اس ناجائز چیز سے مکان کو زینت دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد کو غور سے دیکھتے جاؤ اور اپنا اور دنیا کا جائزہ لیتے جاؤ اور اسلامی تعلیم کے کمال اور مسلمانوں کی دینی تعلیم سے حیرت انگیز اعراض پر تعجب میں بڑھتے جاؤ۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو دو فرشتے اسکے قریب کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں۔ لوگو! اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تھوڑا سا مال جو (ضروریات کو) کفایت کر جاتے بہتر ہے اس کثیر مال سے جو لوہو میں مشغول کرے اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اسکے قریب دو فرشتے کھڑے ہو کر دُعا کرتے ہیں اے اللہ (خیر میں) خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو تلف کر (ترغیب) اب غور کرو جو لوگ بخل اور کنجوس سے مصائب اور مشقتیں اٹھا کر جمع کر کے رکھتے ہیں (اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے) کس طرح اس مال کی بربادی کے لئے اپنے اوپر پریشانیاں اور مصائب جمع کرتے ہیں

کہ کبھی تو اس کے تلف ہونے کے واسطے کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے تو حکیم
 ڈاکٹر دوا علاج میں سیکڑوں پر پانی پھر جاتا ہے اور اگر جھوٹی سچی مقدمہ
 بازی شروع ہو گئی تو سارا ہی اند وختہ نبٹ جاتا ہے۔ اور اگر کسی کے
 اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے اپنی حفاظت بھی رہی تو اولاد ایسی آوارہ
 ہوتی ہے کہ وہ باپ کی برسوں کی کمائی کو مہینوں کی عیاشی میں اڑا دیتی
 ہے۔ یہ فرضی قصے نہیں ہیں آئے دن کے واقعات ہیں کہ بڑوں نے
 محنت اور مشقت اٹھا کر لہو پسینہ ایک کر کے بہت سال جمع کیا اور
 اُنکے مرتے ہی ناخلف ورثہ نے برسوں کی کمائی مہینوں میں بلکہ ہفتوں
 میں اڑا دی۔ اسی لئے متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کہتا ہے
 میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اسکا مال صرف وہ ہے جو کھالیا یا پہن لیا یا
 (اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے) جمع کر لیا اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ
 دوسروں کا مال ہے (ترغیب)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ تو جو مال اپنی روزی سے
 زیادہ جمع کرے وہ دوسروں کا ہے اور تو خزانچی ہے (کتاب المخلات)
 سیکڑوں روایات کتب حدیث میں اس قسم کے مضامین کی وارد ہوتی
 ہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ ہے وہ سب دوسروں پر خرچ کرنے
 کے واسطے ہے، جمع کرنے کے واسطے نہیں۔ کلام اللہ شریف میں ارشاد
 ہے۔ یَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۷) آپؐ
 یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپؐ کہیں کہ جو بچے (یا جو سہل ہو) حضرت

ابن عباس فرماتے ہیں کہ عفو وہ ہے جو اہل و عیال سے بچ جائے۔ یہاں ایک چیز پر اور بھی غور کرتے چلو کہ غریب کی مدد اور غربت کے ازالہ کا علاج جس کو آج کل بہت ہی اہمیت دی جا رہی ہے کیا اسلامی تعلیم سے بہتر کہیں ملتا ہے۔ ایک شخص کو مجبور کرنا کہ اس کو اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ رکھے اور برضا و رغبت سب کچھ غریبوں پر خرچ کر دے۔ دونوں نظریوں میں کتنا فرق ہے کہ پہلا ظلم محض ہے۔ دوسرا خیر محض۔ پہلے میں حوصلوں کو پست کرنا ہے مستعد لوگوں کو بے کار بنانا ہے اور دوسرے میں ہمتوں کو بلند کرنا ہے اور جو شخص جتنا بھی کما سکتا ہے اس سے زیادہ پیدا کرنے اور اپنی خوشی سے خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیب میں اپنی ضرورت سے زیادہ ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ اپنی ضرورتوں کو فنا کر کے دوسروں پر خرچ کرنا بھی اسلامی تعلیم ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں ارشاد ہے۔
يُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (اس حشر ۱)
کہ اپنے اوپر ان کو اپنی مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود پر فاقہ ہی ہو۔ اور پھر یہ سب کچھ زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ حضورؐ نے خود بھی عمل کر کے دکھا دیا اور دوسروں سے عمل کرا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام حالات اس کے شاہدِ عدل ہیں۔
کتب حدیث کی کتاب الزہد اور کتاب لرفاق ان مضامین سے پُر ہیں اور کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو حکایات صحابہ میں چند واقعات لکھ چکا ہوں اس

جگہ نہ تو یہ مضمون مقصود ہے اور نہ گنجائش۔ تبعاً ذکر آگیا تھا۔ مجھے اس جگہ تو صرف یہ بتانا ہے کہ جس نوع کی پرشانیوں میں ہم مبتلا ہیں وہ ہماری اپنی ہی جمع کی ہوئی ہیں اور ایسے پتھے نکلے معتبر حاذق حکیم نے جس کا نسخہ نہ کبھی خطا کرتا ہے نہ کر سکتا ہے۔ صاف صاف امراض کے اسباب بھی بتا دیئے اور ان کے علاج بھی بتا دیئے اب اسباب مرض سے بچنا اور علاج کرنا طبیب کا کام نہیں ہے کوئی التفات نہ کرے تو اپنا نقصان کرتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيُضَاءَ بَقِيَّةٍ (مشکوٰۃ ص ۲۱) بالتحقیق میں تمہارے پاس ایسی شریعت لایا ہوں جو روشن اور صاف ہے دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَآيُمُ اللّٰهِ لَقَدْ سَرَّكُمُ عَلٰی مَثَلِ الْبَيُضَاءِ لَيْلَهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ (جمع الفوائد) اللہ کی قسم میں نے تمہیں ایسے (طریقہ پر) چھوڑا ہے (جو بالکل روشن) سفید ہے جس کا رات دن برابر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز پر تنبیہ فرمادی اور دین و دنیا کا کوئی جز ایسا نہیں چھوڑا ہے جس پر اس مختصر چند سالہ زندگی میں تبصرہ نہ فرمایا ہو۔ حضور کا ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال کرنے میں جلدی کرو اور ایسے فتنوں کے پیدا ہونے سے (پہلے پہلے کر لو) جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہونگے (کہ حق ناحق کا امتیاز مشکل ہو جائیگا) ان میں صبح کو آدمی مومن ہوگا شام کو کافر شام کو مومن ہوگا صبح کو کافر اپنے دین کو تھوڑے سے دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دیک (ترغیب)

حضور کا ارشاد ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف رجوع (اور توبہ)

کر لو اور مشاغل کی کثرت سے پہلے پہلے اعمال صالحہ کر لو اور اللہ جل شانہ کو کثرت سے یاد کر کے اور مخفی اور علانیہ صدقہ کر کے اللہ کے ساتھ رابطہ جوڑ لو کہ ان چیزوں کی وجہ سے تم کو رزق بھی عطا کیا جائیگا۔ تمہاری مدد بھی کی جائیگی اور تمہارے نقصان کی بھی تلافی کر دی جائیگی (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور جو شخص ظالم کو معاف کر دے حق تعالیٰ شانہ اسکی عزت بڑھاتے ہیں لہذا ظالم کو معاف کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائیکا اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے اس پر فقر کا دروازہ کھل جاتا ہے (معجم صغیر)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کی تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے (یعنی نکاح کرنے کے لئے بجائے دیانت تقویٰ اور دینداری کے مالدار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہ ان پر چار چیزیں مسلط فرمادیں گے۔ زمانہ کا قحط اور بادشاہ کا ظلم اور حکام کی خیانت اور دشمنوں کا حملہ (حاکم) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ گناہ کا بدلہ عبادت میں سستی روزی میں تنگی اور لذت میں کمی ہے (تاریخ الخلفاء)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال حضورؐ کی خدمت کی کبھی ترش روتی سے آپ مجھ سے پیش نہیں آتے۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ وضو اچھی طرح کیا کر اس سے عمر میں اضافہ ہوگا اور تیرے محافظ فرشتے تجھ سے محبت کرنے لگے گے (طبرانی صغیر) اور نماز کا کچھ حصہ گھر میں مقرر کر اس سے گھر کی خیر میں اضافہ

ہوگا اور جب گھر میں جایا کرے تو گھر کے لوگوں کو سلام کیا کر اسکی برکت تجھ پر بھی ہوگی اور گھر کے لوگوں پر بھی۔ نماز کے اہتمام میں جو دینی اور دنیوی برکات حضور نے ارشاد فرمائی ہیں ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو میرا سالہ فضائل نماز دیکھیں یہاں اختصار کی وجہ سے ان کو ذکر نہیں کرتا۔ ان سب روایات سے یہ بات واضح ہے کہ جیسے معاصی اور گناہوں کی کثرت پریشانیوں اور حوادث کی کثرت کا سبب ہے۔ ایسے ہی طاعات اور عبادات دارین کی

فلاح کا سبب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ | تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَصْلًا صَدْرَكَ
 كَفَّرَ عَنْكَ غَنًى وَأَسَدَ فَقْرَكَ وَإِنْ لَا | كُوْنَا (اور بیفکری) سے پُر کر دوں گا اور
 تَفَعَّلَ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا | تیرے فقر (وفاقہ) کو دور کر دوں گا
 وَلَمْ أَصَدَّ فَقْرَكَ كَذَابِي | اور اگر تو ایسا نہ کریگا (کہ میری عبادت
 الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرِوَايَةِ أَحْمَدَ | کے لئے فارغ بنے) تو مجھے مشاغل میں
 وَالتِّرْمِذِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالْحَاكِمِ | پھنسا دوں گا اور تیرا فقر زائل نہ کروں گا۔
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَرَقْمٍ لَهُ بِالْحَسَنِ | یہ ارشاد خداوند ہے اور اس مالک الملک اور قادر مطلق کا ارشاد

ہے جس کے قبضہ و قدرت میں دنیا کی ہر چیز ہے۔ نیز اس کے ہم معنی اور بھی روایات ہیں جن میں دنیا کی فلاح و کامیابی کا مدار اللہ کی عبادت پر رکھا ہے۔ لیکن ہم لوگ دنیا کمانے کے واسطے عبادت ہی کے اوقات

پر سب سے پہلے صفایا کرتے ہیں۔ جب اس طرح اللہ کی نافرمانیوں میں ہماری ترقیات ہوں تو پھر ہماری پریشانیوں اور تنگدستیوں میں کیوں نہ اضافہ ہو۔ دین سے بے پرواہ ہو کر مسلمان روٹی کا سوال حل کرنا چاہیں تو کیسے ممکن ہے جب روٹی دینے والا یہ کہے کہ میں نہ فقر کو دور کروں گا نہ دل کو مشاغل سے خالی کروں گا صحیح حدیث میں النہج شامہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اگر بندے میری اطاعت (پوری پوری) کریں تو رات کو سوتے ہوئے ان پر بارش برسواؤں اور دن میں آفتاب نکلا رہے (کہ کاروبار میں حرج نہ ہو) اور بجلی کی آواز بھی ان کے کان میں نہ پڑے (تاکہ ان کو ذرا سا بھی خوف و ہراس نہ ہو) (جامع الصغیر) لیکن ہم لوگوں کی شامت اعمال کہ دن اور رات کا یہ نظم درکنار جگہ جگہ بارشوں کی قلت بڑھتی رہتی ہیں اور جہاں ہوتی ہیں سیلاب کی صورتوں میں بسا اوقات ہوتی ہیں۔

احیاء میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مرتبہ نہایت سخت قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ تین دن تک استسقاء کی نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے رہے مگر بارش نہ ہوئی۔ تیسرے دن وحی آئی کہ اس جماعت میں ایک شخص چغلی خور ہے اس کی وجہ سے تم لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ اس کا علم ہو جائے تاکہ اس کو جمع سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ میں تمہیں چغلی سے منع کروں اور خود اس شخص کی چغلی

کھاؤں۔ اس لئے تعین نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ نے قوم سے خطاب فرما کر توبہ و استغفار کی تلقین فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ چغلی خوری سے سب سے توبہ کرائی، فوراً بارش شروع ہو گئی حضرت سفیان ثوری سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سات سال تک ایسا سخت قحط پڑا کہ کوڑیوں (گھوروں) پر سے مردار اٹھا کر لوگوں نے کھائے اور آدمیوں کے کھانے کی نوبت پہنچ گئی۔ لوگ پریشان حال جنگلوں اور پہاڑوں پر روزانہ دعاؤں اور استسقاء کی نمازوں کیلئے نکلتے تھے حق تعالیٰ شانہ نے اس زمانہ کے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تمہاری زبانیں دُعائیں کرتے کرتے کتنے ہی خشک ہو جائیں اور آسمانوں تک ہاتھ دُعاؤں کے لئے اُٹھ جائیں اس وقت تک میں کسی رونے والے پر بھی رحم نہیں کروں گا جب تک کہ آپس کے مظالم دور نہ کئے جائیں کتب توارخ و احادیث میں اس قسم کے واقعات بکثرت موجود ہیں۔ الغرض سیکڑوں۔۔۔۔۔

روایات ہیں جن میں صاف طور سے اعمالِ حسنہ پر دارین کی صلاح اور اعمالِ سیئہ پر دارین کے نقصانات تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں ان روایات کا نہ احصاء مجھ سے ممکن ہے نہ مقصود ہے غرض ان مثالوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ ہم خود اپنے افعال سے مہلکات میں پڑتے رہیں۔ نقصانِ دہ امور اختیار کرتے رہیں اور زبان سے مسلمانوں کی تباہی کا گیت گاتے رہیں۔ ہماری مثال اس

بیمار کی سی ہے جس کو اسہال کا مرض ہو وہ دماغِ مسہل، دواؤں کا استعمال کرتا رہے اور شور مچاتا رہے کہ دست نہیں تھمتے۔ کوئی اس بے وقوف سے پوچھے کہ تو خود مسہلات کا استعمال کر رہا ہے تو یہ اطوار تھمنے کے ہیں یا بڑھنے کے۔ ہم انگریزوں کے مظالم کا رونا ہر وقت روتے ہیں اور آنے والی حکومت کے خطرات سے اور بھی زیادہ خائف ہیں لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ہم کو متنبہ نہیں فرمایا کیا حکومتوں کے اسباب اور اعمال کو واضح الفاظ میں نہیں بتا دیا کیا حضور (رُوحِیْ قَدَّاهُ اَبٰی وَاَتٰی) کی شفقت یا تعلیم و تنبیہ میں کسی قسم کی کمی ہے۔ حاشا وکلا حضور کا ارشاد ہے فرماتے ہیں۔ کَمَا تَكُونُوْنَ كَذٰلِكَ یَوْمَ مَرَعَلِیْكُمْ (مَشْکُوٰةٌ وَلَهُ طُرُقٌ فِی الْمَقَاصِدِ الْحَسَنَةِ) جیسے تم لوگ (اپنے اعمال کے اعتبار سے) ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ اس لئے اگر ہم اپنے اوپر بہترین افراد کی حکومت چاہتے ہیں تو اس کا واحد علاج بہترین اعمال ہیں اور کچھ نہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِنَّ اللّٰہَ ہِیَ کہ اللہ جل جلالہ عم نوالہ کا ارشاد تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہِیَ۔ میں اللہ ہوں میسر سوار کوئی معبود اَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ مِلِکُ الْمُلُوْکِ نہیں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِیْ یَدَیْ وَ اِنْ کا بادشاہ ہوں بادشاہوں کے دل میرے الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَلْتُ ہاتھ میں ہیں بندے جب میری اطاعت

قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ عَلَيْهِمُ بِالرَّحْمَةِ
 وَالرَّافَةِ وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا
 عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ
 بِالسَّخَطِ وَالنَّقْمَةِ فَسَامُومٌ
 سُوءُ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغُلُوا
 أَنْفُسَكُمْ بِالذُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ
 وَلَكِنْ اشْغُلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ
 وَالنَّصْرَةِ كَيْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوكَكُمْ
 رَوَاهُ أَبُو نَعِيمٍ فِي الْحِلْيَةِ كَذَا فِي
 الْمَشْكُوتِ - وَفِي مَجْمَعِ التَّرَاوِيدِ بِرَوَايَةِ
 الطَّبْرَانِيِّ وَفِي الدَّرِّ الْمَنْشُورِ ۱۸۶ أَخْرَجَ
 ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ مَعْمَرٍ
 قَالَ فِي زُبُورِ دَاوُدَ مَكْتُوبٌ أَنِي
 أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَذَكَرْهُ مَعَاهُ
 كرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان
 پر رحمت اور مہربانی کے لئے پھیر دیتا
 ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے
 ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر غصہ
 اور انتقام کے لئے پھیر دیتا ہوں جس
 سے وہ ان کو سخت عذاب (اور
 تکلیف) پہنچانے لگتے ہیں اس لئے
 تم بجائے بادشاہوں پر بددعائیں
 کرنے کے میرے ذکر کی طرف متوجہ ہو
 (اور امیری طرف) عاجزی (اور زاری)
 کرو تاکہ میں انکی تکلیف سے تمہیں
 محفوظ رکھوں۔ مالک ابن مخول کہتے
 ہیں کہ میں نے حضرت داؤد کی زبور
 میں یہی مضمون پڑھا ہے۔

اس قسم کے مضامین بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے۔ دعا ماثورہ
 میں ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَسْلُطْ عَلَيْنَا بِذُنُوبِنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا اِلَّا اَنْتَ
 ہمارے اوپر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرما جو ہم
 پر رحم نہ کریں حق جل و علا کا ارشاد ہے۔ وَكَذَلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ
 الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (س انعام ع ۱۵) اسی طرح

ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر ان کے اعمال کی وجہ سے حاکم بنا دیتے ہیں۔ اسکی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب جلالین وغیرہ نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اجتناب فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں تو ان پر بدترین لوگوں کو حاکم بنایا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اللہ جل شانہ سے دریافت کیا کہ لوگوں سے آپ کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت ان پر بارش نازل کرتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں۔ ان کے انتظامی امور حلیم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں اور ان کے اموال عامہ کو کریم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ان سے ناراض ہونے کی کیا علامت ہے۔ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت بارش کو روک لیتا ہوں اور کاٹنے کے وقت برساتا ہوں اور ان کے انتظامی امور کو بے وقوفوں کے سپرد کرتا ہوں اور اموال عامہ کو بخیلوں کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ (در)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ اللہ جل جلالہ بدترین لوگوں کو تمہارا حاکم بنا دیں گے۔ پھر تمہارے بہترین لوگ بھی دُعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوگی (جامع) جن لوگوں کو یہ اشکال دامنگیر رہتا ہے کہ یہ بزرگ

دعا کیوں نہیں کرتے یا انکی دُعا قبول کیوں نہیں ہوتی وہ اس پر بھی غور کر لیا کریں کہ وہ خود نیک کاموں کا کتنا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے کتنا روکتے ہیں اور یہ چیز جب پھوٹ گئی تو دُعاؤں کے قبول ہونے کی اُمید بے محل ہے ایک حدیث میں وارد ہے۔

وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا وَآتَىٰ عَلَيْهِمْ حُلُمًا نُّهَمُّ وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ عِلْمًا نُّهَمُّ وَجَعَلَ الْمَالَ فِي سَمَحَاتِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ بِقَوْمٍ شَرًّا وَآتَىٰ عَلَيْهِمْ سَفَهًا نُّهَمُّ وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ جَهًّا لَّهُمْ وَجَعَلَ الْمَالَ فِي بُخْلَائِهِمْ كَذَّابِي الْجَامِعِ بِرَوَايَةِ الذَّيْلَمِيِّ وَرَقْمُهُ بِالضَّعْفِ وَفِي رَوَايَةٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا غَضِبَ عَلَىٰ أُمَّةٍ لَمْ يَنْزِلْ بِهَا عَذَابٌ خَسَفٌ وَلَا مَسِيحٌ غَلَتْ أَسْعَارُهَا وَتَحَبَّسَ عَنْهَا امْطَارُهَا وَيَلِيَّ عَلَيْهَا أَشْرَارُهَا كَذَّابِي الْجَامِعِ بِرَوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرٍ عَنْ عَلِيٍّ وَرَقْمُهُ بِالضَّعْفِ لَكِنْ

جب اللہ جل شانہ کسی قوم کی بہبود کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلیم لوگوں کو حاکم بناتے ہیں (کہ غصہ میں بے قابو نہ ہو جائیں) اور علماء ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں (کہ علم کی روشنی میں حق کے موافق فیصلہ کریں) اور مال سخی لوگوں کے قبضہ میں کر دیتے ہیں (کہ لوگوں کو اسکی سخاوت سے نفع حاصل ہو) اور جب کسی قوم کے (بد اعمالیوں کی وجہ سے) برائی مد نظر ہوتی ہے تو بیوقوفوں کو حاکم بنا دیا جاتا ہے اور جاہلوں کے ہاتھ میں انکی فیصلے ہو جاتے ہیں اور مال بخیلوں کو دیدیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جب کسی جماعت پر اللہ جل شانہ کا غصہ

رَأَيْتُ أَنَّ الْحَدِيثَ لَهُ طُرُقًا
عَدِيدَةٌ بِأَسَانِيدَ شَتَّى وَتَأَيَّدَ
بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَكَذَلِكَ نَوَلَّى
بَعْضُ الظَّالِمِينَ الْآيَةَ عَلَى
مَا وَرَدَ تَفْسِيرُهُ فِي عِدَّةٍ
أَثَارٍ فِي الذَّرِّ الْمَشْهُورِ وَغَيْرِهِ
وَفِي مُجْمَعِ الزَّوَائِدِ عَنْ جَابِرٍ
رَفَعَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ
أَنْتَقِمُ مِمَّنْ أَغْضَبَ بِي مَنْ
أَغْضَبَ ثُمَّ أَصِيرُ كُلًّا إِلَى النَّارِ
رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَفِيهِ
أَحْمَدُ بْنُ بَكْرٍ الْبَاسِيُّ ضَعِيفٌ

ہوتا ہے اور آخری عذاب مثلاً دھنس
جانا یا صورتوں کا مسخ ہو جانا نازل
نہیں ہوتا تو نرخ میں گرانی کر دیتے
ہیں اور بارش کو روک لیتے ہیں اور
بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں۔
ایک حدیث میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد
نقل کیا گیا ہے کہ میں ایسے لوگوں کے
ذریعہ جو مغضوب ہیں یعنی ان
پر میرا غضب ہے) دوسرے
مغضوبوں سے انتقام لیتا ہوں
پھر سب کو جہنم میں ڈال دیتا
ہوں۔

اسی لئے ایک حدیث میں وارد ہے۔ لَا تَسْبُوا الْإِثْمَةَ وَادْعُوا اللَّهَ
لَهُمْ بِالصَّلَاحِ فَإِنَّ صَلَاحَهُمْ لَكُمْ صَلَاحٌ (كَذَافِي الْمَجْمَعِ
وَفِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ الطَّبْرَانِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ارشاد
ہے کہ حکام کو گالیاں نہ دو بلکہ اُن کے لئے صلاحیت کی دعا کرو کہ ان کی
صلاحیت میں تمہاری صلاح بھی مضمر ہے۔ (یعنی گالیاں دینے سے تو انہی
درستی ہونے سے رہی) دوسری حدیث میں وارد ہے۔ لَا تَشْغَلُوا
قُلُوبَكُمْ بِسَبِّ الْمُلُوكِ وَلَكِنْ تَقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ بِالدَّعَاءِ لَهُمْ

يُعْطِفُ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ عَلَيْكُمْ كَذَافِي الْجَامِعِ بِرَوَايَةِ ابْنِ
النَّجَّارِ عَنْ عَائِشَةَ أَفَنَ قُلُوبَ كُوسَلَّاطِينَ اور بادشاہوں کو گالیاں
دینے میں مشغول نہ کرو بلکہ اللہ کی طرف تقرب حاصل کرو اور متوجہ ہو کر
ان کے لئے دعاء خیر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ ان کے دلوں کو تمہارے اوپر
مہربان کر دیں۔

مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے
بلال بن ابی بردہ کا ذکر شروع کر دیا اور اس کو بُرا بھلا کہنے لگے ابن
عون چپ بیٹھے رہے۔ لوگوں نے کہا کہ تمہاری ہی وجہ ہے ہم اس کو
بُرا بھلا کہتے ہیں کہ اس نے تم پر زیادتی کی۔ ابن عون کہنے لگے کہ میرے اعمال نامہ
میں ہر کلمہ لکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ پڑھا جائیگا۔ مجھے یہ زیادہ پسند ہے
کہ اس میں کسی کو بُرا بھلا کہنے کے بجائے لا الہ الا اللہ (کثرت سے) نکلے (احیاء)
ایک بزرگ کے سامنے کوئی شخص حجاج ظالم کو بددعا دینے لگا۔ انہوں نے
فرمایا ایسا نہ کرو۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، مجھے یہ خوف
ہے کہ اگر حجاج معزول ہو جائے یا مَر جائے تو تم پر بندر اور سورنہ حاکم بنا دیئے
جائیں (مقاصد حسنہ) اور اعمالکم عما لکم تو ضرب المثل ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو
حدیث بھی بتایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں جیسے
اعمال ہونگے ویسے ہی حکام مسلط کئے جائیں گے۔ الغرض مجھے ان چیزوں کا

عہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (تقویٰ اختیار کرتا ہے) حق تعالیٰ
شانہ ہر چیز کے اندر اس کا خوف پیدا کر دیتے ہیں اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کے دل میں
ہر چیز کا خوف پیدا کر دیتے ہیں (درمنثور) ص ۹۹۔

احاطہ مقصود نہیں ہے مجھے مثال کے طور پر یہ بتانا ہے کہ جس قسم کی پریشانیاں
حوادث، مصائب ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور مسلمان ان میں مبتلا ہیں نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان سب پر تنبیہ ہے احادیث کی کتب
ان مضامین سے پُر ہیں۔ حضورؐ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی
دنیا میں مصائب کا سبب ہیں اور نیک اعمال دنیا میں بھی فلاح کا
ذریعہ ہیں اور پھر خاص خاص گناہوں پر خاص خاص حوادث اور مصائب
بھی بتا دیئے ہیں اور مخصوص طاعات پر مخصوص انعامات کا ترتیب بھی ارشاد
فرمادیا ہے ہم لوگ حوادث کی شکایات کا طومار باندھ دیں اور انعامات کی
ہر وقت امید لگائے بیٹھے رہیں لیکن جن امور پر یہ چیزیں مرتب ہیں ان سے
میکسر غافل رہیں بلکہ ان کا مقابلہ کریں ان کو دیدہ و دانستہ پھوڑیں اور کوئی
تنبیہ کرے تو اسکی جان کو آجائیں تو ہماری مثال بالکل اسی شخص کی سی ہے
جو اسہال کا مریض ہو اور ہر دو گھنٹہ بعد ایک تولہ سقمونیا کھالے اور شور
مچاتے کہ اسہال تھمتے نہیں اور کوئی سقمونیا کھانے کو منع کرے تو اس کو
بے وقوف بتاتے۔ حیرت ہے کہ ایک معمولی طبیب کسی چیز کے متعلق کہہ دے
کہ یہ نقصان کرتی ہے ایک کا فرد اکثر اعلان کر دے کہ آج کل امرود کھانے
سے ہیضہ ہو جائیگا تو اچھے اچھے سوراووں کی ہمت امرود کھانے کی نہ ہو۔
ایک بھنگی یہ کہہ دے کہ اس گلی میں بہت بڑا کالا سانپ ہے تو اچھے اچھے
بہادروں کی جرأت نہ ہو کہ اس گلی میں چلے جائیں۔ ایک جاہل گاؤدی کہہ دے
کہ اس سڑک پر ایک شیر بیٹھا ہے تو اس طرف کا راستہ چلنے کی ہمت نہ ہو۔ بڑی

بہادری یہ ہوگی کہ دو چار ساتھیوں کے ساتھ دو تین بندوقیں لے کر ادھر کا رخ کیا جائے لیکن اللہ جل جلالہ کا پاک اور سچا رسول وہ شفیق اور حکیم مربی جس کو ہر وقت امت کی بہبود کی فکر ہے اور اس کا اہتمام ہے وہ امت کو نفع دینے والی چیزوں کا حکم کرے نقصان رساں امور سے روکے۔ لیکن امت اپنی نیاز مندی اور جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعوؤں کے باوجود ان ارشادات کی پرواہ نہ کرے کتنا صریح ظلم ہے آج گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلان جاری ہو جائے کہ فلاں نوع کی تقریر جرم ہے دس سال کی قید ہوگی۔ اچھے اچھے بہادر کامیاب لیڈر اور اڈیٹر سوچ سوچ کر مضمون لکھیں گے اور تقریریں بجا بجا کر الفاظ لائیں گے۔ لیکن ساری دنیا کا مالک بادشاہوں کا بادشاہ جس کے قبضہ قدرت میں ساری حکومتیں اور سارے بادشاہ ہیں سختی سے ایک حکم فرماتا ہے۔ قرآن پاک میں سود کے لینے والے کو اپنی طرف سے اعلان جنگ کرتا ہے اور حدیث قدسی میں اللہ والوں کی مخالفت اور دشمنی کو اپنے ساتھ جنگ بتاتا ہے۔ سودی معاملات کرنے والوں پر لعنت کرنا ہے شراب کے بارے میں دس آدمیوں کو اپنی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے کتنے آدمی ہیں جن کے دل پر کچھ بھی چوٹ اس چیز کی لگتی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم پر کیا کیا مصائب ان امور کے بدلے میں آنے والے ہیں۔ ہر شخص خود ہی غور کر لے کسی دوسرے کے بتانے کی چیز نہیں۔ اور اگر ان چیزوں کو چھوڑنے کے بجائے ان میں ترقیات ہیں

تو اللہ سے لڑنے کے لئے اسکی اور اس کے رسول کی لعنت برداشت کرنے کے لئے مصیبتیں، ذلتیں، تکلیتیں، آفتیں پھیلنے کے لئے تیار رہنا چاہیے ع اے باد صبا میں ہمہ آوردہ تست

تنبیہ : ایک اشکال اس جگہ عوام کو پیش آتا ہے بلکہ بعض خواص بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ یہ حسنات اور سیئات (خوبیاں اور برائیاں) جن کا اُپر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ مسلمانوں کے لئے نافع اور نقصان رساں ہیں ایسی ہی کافروں کے لئے بھی ہیں اور ہونا چاہئیں کہ نقصان دہ چیز بہر حال نقصان دہ ہے پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ کفار باوجود ان بد اعمالیوں میں مبتلا ہونے کے خوشحال ہیں دنیا میں فلاح یافتہ ہیں ترقی یافتہ ہیں اور مسلمان بد حال ہیں خسہ حال ہیں اور ان کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور بعض جاہل تو اس اشکال میں ایسے پھنسے ہیں کہ انہوں نے اس منظر کو دیکھ کر ساری ہی شریعات اور احادیث کا انکار کر دیا۔ انہوں نے دنیوی فلاح کفار میں دیکھ کر انہیں چیزوں کو باعث فلاح قرار دیدیا جو کفار میں پائی جاتی ہیں لیکن درحقیقت اس اشکال کا منشا بھی اسلامی تعلیم سے ناواقفیت یا ذہول ہے۔ اسلامی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی گئی جو پوری وضاحت سے ارشاد نہ فرمادی گئی ہو، مگر اس کے معلوم کرنے کی فرصت کس کو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے یہی اشکال عرض کیا تھا کہ اے اللہ تیرا

ایک بندہ مسلمان ہوتا ہے۔ نیک اعمال بھی کرتا ہے تو اس سے دنیا تو ہٹا لیتا ہے اور بلائیں اس پر مسلط کر دیتا ہے اور ایک بندہ تیرا کافر ہوتا ہے وہ تیری نافرمانی بھی کرتا ہے تو اس سے بلائیں ہٹا لیتا ہے اور دنیا اسکو عطا فرما دیتا ہے حق تعالیٰ شانہ نے وحی بھیجی کہ میرے مومن بندہ کے لئے کچھ سیئات ہوتی ہیں ان کی وجہ سے میں یہ معاملہ کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس پہنچے تو اسکی خوبیوں کا بدلہ دوں اور کافر کے لئے بھی کچھ خوبیاں ہوتی ہیں اس لئے یہ معاملہ اسکے ساتھ کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کی بُرائیوں کا بدلہ دوں (مجمع الزوائد)

دوسری حدیث میں وارد ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يُظْلِمُ الْمُؤْمِنَ حَسَنَةً يُعْطِي عَلَيْهَا فِي الدُّنْيَا مِثَابًا عَلَيْهَا فِي الْآخِرَةِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِهِ فِي الدُّنْيَا حَتَّى إِذَا أَفْضَى إِلَى الْآخِرَةِ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُعْطَى بِهَا خَيْرًا كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَوَايَةِ مُسْلِمٍ وَاحِدٍ عَنْ أَنَسٍ وَرَقْمَهُ بِالصَّحَةِ وَالْمَشْكُورَةِ

حق تعالیٰ شانہ مومن کی کسی نیکی میں کمی نہیں فرماتے مومن اس نیکی کے طفیل دنیا میں بھی (فلاح اور کامیابی) دیا جاتا ہے اور آخرت میں اسکا ثواب علیحدہ دیا جائیگا اور کافر اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے دنیا میں روزی عطا کیا جاتا ہے لیکن جب آخرت میں پہنچے گا تو ایمان نہ ہو نیکی وجہ سے جو آخرت کے ثواب کی شرط ہے کوئی بھی نیکی نہیں ہوگی جسکی وجہ سے ثواب دیا جاسکے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے :-

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ
الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ
فِي الدُّنْيَا وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ
الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ ذَنْبَهُ
حَتَّى يُؤَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ أَنَسٍ
وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُعْقِلٍ وَعَمَّارِ
بْنِ يَاسِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَزَّاهُمْ
إِلَى الْمُخَرِّجِينَ وَرَفَعَهُ بِالْقَصْحَةِ
| جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندہ پر نیکی
اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس
کے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں لے
لیتے ہیں (کہ دنیا کا عذاب ہر حال میں
آخرت کے مقابلہ میں بہت ہلکا ہے)
اور جب کسی پر عتاب فرماتے ہیں
تو اس کے گناہوں کا بدلہ روک
دیا جاتا ہے اور قیامت میں اسکو
بدلہ دیا جائیگا۔

اور بھی مختلف عنوانات سے یہ مضمون کثرت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کافر
کے لئے چونکہ نیکیوں کا کوئی معاوضہ آخرت میں نہیں ہے اس لئے جو بھی کسی
قسم کی خوبی بھلائی اور نیک عمل وہ دنیا میں کرتا ہے اسکا معاوضہ اسکو دنیا
ہی میں مل جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمالِ حسنہ کا معاوضہ صرف دنیا
ہی میں حاصل کر سکتا ہے اور اس لئے سیکڑوں برائیوں کے ساتھ ساتھ وہ
جس قدر بھی خوبیاں کرتا رہتا ہے وہ دنیا میں فلاح و کامیابی کو پا رہتا
ہے اور مسلمان کے لئے اعمالِ حسنہ کا مستقل بدلہ تو آخرت میں ہے اور
برائیوں کا اکثر و بیشتر معاوضہ دنیا میں ملتا رہتا ہے اس لئے وہ جس قدر بھی
کوتاہیاں معاوی اور گناہ کرتا رہتا ہے بد حال اور پریشانی کا شکار ہوتا ہے۔

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیبیوں سے ناراضی کے قصے میں حضرت عمر کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ تین چار چیزیں گھر کی کل کائنات ہیں کہ ایک

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیبیوں سے ناراضی کے قصے میں حضرت عمر کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ تین چار چیزیں گھر کی کل کائنات ہیں کہ ایک

کونہ میں چند مٹھی جو اور ایک دو چمڑے کچے (بغیر دباغت دتے ہوئے)
 پڑے ہیں اور ایسے ہی ایک آدھ چیز اور مٹی پڑی ہے حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم ایک بورے پر لیٹے ہوئے ہیں کہ نہ بدن پر چادر ہے (جو عام طور
 پر اوڑنے کا معمول تھا) نہ بورے پر کوئی چیز بھی ہوتی ہے جس سے بورے
 کے نشانات بدن اظہر پر اُبر آتے ہیں یہ منظر دیکھ کر رونے لگا۔ حضور نے
 رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہ وُودں کہ بدن
 اظہر پر بورے کے نشانات پڑے ہوئے اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو
 میرے سامنے ہے۔ یہ فارس و روم خدا کی پرستش بھی نہیں کرتے اور
 ان پر یہ وسعت ہے اور آپ کی یہ حالت حضور تکیہ لگائے ہوئے لیٹے
 تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا۔ اَوْفِيْ شَكِّ اَنْتَ يَا اَبْنَ الْخَطَابِ
 اُولَئِكَ قَوْمٌ عَجَلَتْ لَهُمْ طِيَّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا طَلَعَتْ خَطَابُ
 کے بیٹے عمر کیا تم اب تک شک میں پڑے ہوئے ہو ان قوموں کی بھلائیاں
 ان کو دنیا ہی میں مل گئیں ہیں خود قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَلَوْ لَا اَنْ
 يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاٰيٰتِ لِبُؤْسَاتِهِمْ
 سُقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُؤْسَاتِهِمْ اَبْوَابًا
 وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَكَبَّرُوْنَ وَرُحْرُوقًا وَاِنْ كُلٌّ لِّمَا مَتَاعُ
 الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (س ز ز ف ۲۷)
 اور اگر یہ (احتمال) نہ ہوتا کہ سارے آدمی ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے (یعنی
 تقریباً سب ہی کافر بن جائیں گے) تو جو لوگ کفر کرتے ہیں ہم ضرور چاندی کی

بنادیتے ان کے گھروں کی چھتوں کو اور ان سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے کواڑوں کو بھی اور ان کے لئے تخت بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور (یہ سب چیزیں) سونے کی (بھی بنا دیتے کہ کچھ حصہ چاندی کا ہو تا اور کچھ سونے کا) اور یہ سب کچھ ساز و سامان کچھ بھی نہیں۔ مگر دنیوی زندگی کا چند روزہ اور آخرت آپ کے رب کے یہاں پر ہمیں گاروں کے لئے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:- "اے اللہ جو شخص تجھ پر ایمان لائے اور میری رسالت کا اقرار کرے، اسکو اپنی ملاقات کی محبت نصیب کر۔ تقدیر کو اس پر سہل فرما، اور دنیا کم عطا کر، اور جو تجھ پر ایمان نہ لائے۔ میری رسالت کا اقرار نہ کرے۔ اسکو اپنی لقائ کی محبت نہ دے۔ اور دنیا کی کثرت عطا کر۔ (مجمع الزوائد ص ۲۸۶)

ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مومن گھبرا جائیں گے (اور اپنی تکالیف کے مقابلہ میں دوسرے کی اتنی راحت دیکھ کر تکلیف زیادہ محسوس کریں گے) تو میں کفار پر لوہے کی پٹیاں باندھ دیتا (یعنی لوہے کا خول ان پر چڑھا دیتا) کہ وہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھاتے۔ اور ان پر دنیا کو بہا دیتا (دانشور) اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دنیا اللہ کے نزدیک نہایت ہی ذلیل چیز ہے) ایک حدیث میں حضور کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اگر اللہ جل شانہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا۔

((بروایت الترمذی صحیحاً))

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا تھا جس کے کان بھی ندر دتھے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ کون شخص ہے جو اس کو ایک درم (تقریباً ۴ میں) خرید لے صحابہؓ نے عرض کیا کہ مفت بھی کوئی لینا گوارا نہ کرے گا۔ (کہ کسی قسم کا نفع بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل چیز ہے۔) (مشکوٰۃ بروایت مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چونکہ اللہ جل شانہ کے یہاں دنیا کی ذرا بھی قدر و قیمت نہیں ہے اور کفار کا مطمع نظر صرف دنیا ہی ہے اس لئے ان کو ان کی خواہش کے موافق انہی حسنات کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے۔ مسلمان کے لئے اسلام لانے کے بعد آخرت کی فلاح و بہبود کا مستقل استحقاق ہو جاتا ہے۔ اور خواہ وہ کتنے ہی معاصی میں مبتلا ہو۔ کسی نہ کسی وقت اس کا معاصی کی سزا یا معافی کے بعد جنت کی نعمتوں سے متمتع ہونا ضروری ہے۔ اس لئے وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اس دنیا میں فتنوں اور مصائب میں گرفتار رہتا ہے اور نہ ہو تو خطرناک ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تو کسی کو دیکھے کہ باوجود معاصی اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے دنیا کی (نعمتیں) پارہا ہے تو یہ استدراج ہے (یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے) پھر حضورؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَلَمَّا كَسَوْا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرَّجُوا

بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَا هُمْ بَعْتَهُ فَاذْهَبْ مُبْلِسُونَ (س انعام ۷۵ شکوہ)
 پس جب وہ بھول بیٹھیں اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر
 ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (یعنی خوب نعمت اور ثروت عطا کی) یہاں
 تک کہ جب وہ ان چیزوں میں جو ان کو دی گئی تھیں خوب اتر اگئے (اورستی
 میں ان کا کفر بڑھ گیا) تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت
 زدہ رہ گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی مثال کھیتی کی سی ہے
 کہ ہوائیں اسکو ہمیشہ ادھر ادھر جھکا رہتی ہیں۔ اسی طرح مومن کو ہمیشہ
 تکالیف اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت
 کی سی ہے کہ ہواؤں سے حرکت نہیں کرتا حتیٰ کہ ایک دم جڑ سے اکھاڑ دیا
 جاتا ہے (شکوہ بروایت بخاری مسلم) اور بھی بہت سی نصوص ہیں جن سے یہ
 صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں کفار کی فلاح کا سبب ڈھیل بھی ہے اور نیک
 اعمال کا کرنا بھی ہے۔ پس کفار کا جو فرد یا جماعت نیک عمل کرے گی وہ
 فلاح میں ترقی کرتی رہے گی اور ان کی معمولی سُنّیات پر یہاں گرفت
 نہیں ہوگی اور مسلمان کی معمولی سُنّیات پر یہاں گرفت ہے اس لئے جتنے
 بھی سُنّیات مسلمانوں کے افراد اور ان کی اقوام میں ہونگی اتنی ہی پریشانیاں
 تفکرات، نمکتیں، ذلتیں بڑھیں گی۔ ان کے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ
 معاصی سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ حدیث
 میں آیا ہے کہ بلائیں مومن کے ساتھ وابستہ رہتی ہیں۔ اس کے نفس میں۔

مال میں، اولاد میں حتیٰ کہ وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ باقی نہیں رہتا (مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی وقال حسن صحیح)

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شانہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں اس کی سزا کو نمٹا دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ (اس کے بُرے اعمال کی کثرت کی وجہ سے) برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے دنیا میں برائی کو روک لیتے ہیں تاکہ قیامت میں اس کو پورا فرمائیں (مشکوٰۃ بروایۃ ترمذی) البتہ کفار پر دنیا میں ادبارِ نظام کی کثرت سے ہوتا ہے یا فسق و فجور جب انتہاء کو پہنچ جاتے یا انبیاء کے ساتھ استہزاء اور مذاق میں تعدی کی گئی ہو کہ ان امور کے پائے جانے پر ڈھیل نہیں ہوتی بلکہ عذابِ عامہ نازل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جتنی قوموں کے ہلاکت کے قصے قرآن پاک میں مذکور ہیں وہ سب اسکے شاہدِ عدل ہیں اور جتنے واقعات تاریخ کے اوراق میں سلطنتوں کے زوال کے ہیں وہ سب اس کی کھلی شہادت دے رہے ہیں کہ جہاں اور جس قوم میں مظالم کی کثرت ہوتی مظلوم کی حمایت کا جوش ملا۔ اعلیٰ میں پیدا ہوا۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی بددعا سنتا ہوں خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے سمجھ لینا چاہیے کہ امراء، وزراء، حکام اور رؤساء غرض جو بھی اپنے ماتحتوں پر اپنے محکوموں پر مظالم کرتے ہیں وہ حقیقت میں ان پر ظلم نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اپنی بربادی اور ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں سے فراہم کرتے ہیں خواہ وہ قومی مظالم ہوں یا انفرادی ہوں رنگ لائے بغیر گزر

نہیں رہتے۔ اور پھر جب خدائی انتقام کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں تو روتے پھرتے ہیں۔ اس جگہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہے نہ گنجائش اور بات بھی تفصیل کی محتاج نہیں کہ سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کا زوال و ہلاک سب اسی کی تفصیل ہے۔ اور تاریخ کے اوراق اس سے پُر ہیں۔

مجھے اس جگہ صرف اس چیز پر متنبہ کرنا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کی ترقی کے اسباب خالق اسباب نے علیحدہ علیحدہ پیدا فرماتے ہیں سہر بات میں یہ خیال کر لینا کہ جو چیز کفار کے لئے ترقی کا سبب ہے وہی مسلمانوں کے لئے ہمارے جو چیز ان کو ترقی میں نقصان نہیں دیتی وہ مسلمان کو بھی مضرت نہیں ہے دین سے بے خبری ہے۔ کلام خدا اور کلام رسول سے ناواقفیت ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کفار کے لئے معاصی کی سزا کا اصل محل آخرت ہے۔ اور کبھی کبھی بمصالح اس عالم میں بھی ہو جاتی ہے۔ اور ان کی جتنی خوبیاں ہیں وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں ان کا بدلہ رب العالمین اور عادل بادشاہ کے یہاں سے ضرور ملتا ہے۔ مگر اسی عالم میں ملتا ہے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ جب وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر آخرت کے نیک ثمرات وہاں کیوں ملیں۔ اور آخرت سے انکار کی سزا آخرت میں ملنا بھی چاہیئے۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (سجہ ۲۷) اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کو چکھو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔ قرآن شریف میں کثرت سے اسکا ذکر ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ

كَفَرُوا عَلَى النَّارِ اِذْ هَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا
وَاَسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ
تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ (سورہ احقاف
رکوع ۲) اور جس روز کفار جہنم کے قریب لاتے جائیں گے (اور ان سے
کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں حاصل کر چکے اور اس سے نفع
اٹھا چکے۔ پس آج ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم
دنیا میں بے وجہ تکبر کرتے تھے اور اس لئے کہ تم فسق کیا کرتے تھے (اور جو کچھ خوبیاں
تھیں بھی ان کا بدلہ مل ہی چکا ہے)

میں اجمالی طور پر چند آیات کی طرف متوجہ کرتا ہوں ان کی تفاسیر دیکھو۔
(۱) اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ (۱) یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیاوی زندگی
الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ (سورہ بقرہ رکوع ۱۰) (کے منافع) کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا۔
(۲) فَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ
(۲) بعض آدمی ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ - (ہمیں جو کچھ دینا ہے) دنیا ہی میں دے
(پس ان لوگوں کو جو ملنا ہو گا دنیا ہی میں
مل جائے گا) اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے
(سورہ بقرہ رکوع ۳۵)
(۳) زُتِنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا
(۳) کفار کے لئے دنیا کی زندگی آراستہ کر دی گئی
(اور اسی وجہ سے وہ مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں
حالانکہ یہ مسلمان قیامت کے دن ان سے اعلیٰ
درجہ (یعنی جنت) میں ہونگے) اور محض فراغ

یَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ
مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔
(سورۃ بقرہ رکوع ۲۶)

معاش پر غرور نہ ہونا چاہئے کہ روزی تو
اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب و محنت
اکرتے ہیں (یہ کمال اور مقبولیت کی دلیل نہیں)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل شانہ دنیا اس شخص کو بھی عطا
فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں اور اس کو بھی عطا کر دیتے ہیں جس کو
محبوب نہیں رکھتے لیکن دین اسی کو عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں
پس جس شخص کو دین عطا کیا جاتا ہے وہ اللہ کو محبوب ہے (حاکم و صحیح و اقوالہ علیہ السلام)
(۴) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى
وَلَا تَظْلُمُونَ فِتْنًا۔
(سورۃ نساء رکوع ۱۱)

(۴) آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا نفع بہت تھوڑا
سا ہے۔ اور آخرت ہی بہتر ہے اس شخص
کے لئے جو متقی ہو اور تم پر ذرا سا بھی
ظلم نہ کیا جائے گا۔

(۵) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا
لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلْآخِرَةُ
خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ (س انعام ۴۳)

(۵) اور دنیوی زندگی تو بجز لہو و لعب کے کچھ
بھی نہیں اور پیچھے آنے والا گھر بہتر چیز
ہے متقیوں کے لئے کیا تم (ایسی کھلی بات
بھی) سمجھتے نہیں۔

(۶) وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا
دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَ
غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
(س انعام ۸۷)

(۶) اور ایسے لوگوں سے بالکل علیحدہ
ریں جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب
بنارکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو
دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

(۷) تَرْيِدُونَ عَرْضَ الدُّنْيَا
وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (انفال ۹)
(۸) اَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ
إِلَّا قَلِيلٌ (س توبہ ۶)

(۹) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ لَهُمْ
أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا
يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ
لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا
وَنَبِطِلُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
(س ہود ۲۴)

(۱۰) اللَّهُ يَبْطِطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ
وَفَرَحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي
الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ

(۷) تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور
اللہ جل شانہ آخرت کو چاہتے ہیں۔

(۸) کیا تم آخرت کے بدلہ میں دنیاوی زندگی
پر راضی ہو گئے سو (سمجھ لو کہ) دنیاوی زندگی
کے منافع تو آخرت (کے مقابلہ) میں کچھ بھی
نہیں بہت تھوڑے ہیں۔

(۹) جو شخص (اعمال خیر سے) محض دنیاوی زندگی
(کی منفعت) اور اسکی رونق چاہتا ہے تو ہم ایسے
لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا کر دیتے
ہیں اور ان کیلئے دنیا میں کچھ کمی نہیں کی جاتی
(بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) اور ایسے لوگوں کے لئے
آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے
جو کچھ اعمال کئے تھے وہ آخرت میں سب بیکار ثابت
ہونگے اور بے اثر ہونگے وہ سب عمل جو وہ کرتے تھے

(۱۰) ظاہری دولت و ثروت کو دیکھ کر دھوکہ نہ
کھانا چاہیئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے
رزق زیادہ دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی
فرماتا ہے۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی پر خوش
ہوتے پھرتے ہیں اور دنیا کی زندگی اور اسکے

(سورۃ رعد رکوع ۳)

(۱۱) مَنْ كَانَ يُرِيدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا
مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ
ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ
يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَذْهُورًا
وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ
وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ
كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا
كُلًّا نُمِدُّ هُوْلَاءِ وَ
هُوْلَاءِ مِنْ عَطَاءِ
رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ
رَبِّكَ مَحْظُورًا

(سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۲)

(۱۲) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا
مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا لِنَفْسِهِمْ فِيهِ

عیش و عشرت بجز معمولی نفع کے اور کچھ بھی نہیں ہیں
(۱۱) جو شخص (اپنے نیک اعمال کے بدلہ میں) دنیا
کی نیت رکھتا ہے ہم ایسے شخص کو دنیا میں
جتنا چاہیں گے اور (سب کو نہیں بلکہ) جس کو
چاہیں گے عطا کریں گے پھر آخرت میں اس
کے لئے جہنم تجویز کریں گے جس میں وہ بد حال
اور راندھ ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص
آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے
جیسی کوشش کرنا چاہتے ویسی ہی کرتا ہے
بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی یہ سعی اور کوشش
مقبول ہوگی (یعنی سعی کے مقبول ہونے کے لئے
تین شرطیں ہیں نیت، عمل، عقیدہ) آپ کے رب
کی (دنیوی) عطا سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں
اور ان کی بھی آپ کے رب کی (دنیوی) عطا کسی
سے بھی بند نہیں۔

(۱۲) ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر
بھی نہ دیکھیں جن سے ہم نے کفار کی مختلف
جماعتوں کو ان کی آزمائش کے لئے منتفع کر رکھا
ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ

کے رب کا (آخری) عطیہ اس سے بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

(۱۳) کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک بہترین وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ اسکو ضرور پانے والا ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کرتے جاویں گے۔

(۱۴) جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کاش ہم کو بھی وہ سامان ملتا جو قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا تھا وہ کہنے لگے ارے تمہارا پاس ہو اللہ کے گھر کا ثواب بہت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ پورا پورا انہیں لوگوں کو ملتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

(۱۵) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو

وَرَزَقُ رَبِّكَ خَيْرٌ
وَأَبْقَى (سورہ طہ رکوع ۸)

(۱۳) أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ
وَعْدًا أَحْسَنًا فَهُوَ
لَا يَفِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ
مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
مِنَ الْمُحْضَرِينَ
(سورہ قصص رکوع ۷)

(۱۴) قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْكُنْ
لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ
إِنَّهُ لَفِي زَخْمٍ عَظِيمٍ
وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْعِلْمَ وَيُكَفِّرُ ثَوَابُ
اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقِيهَا
إِلَّا الصَّابِرُونَ (سورہ قصص)

(۱۵) إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

دنیاوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے
اور نہ کوئی دھوکہ باز تم کو اللہ کے
ساتھ دھوکہ میں ڈالے۔

(۱۶) جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو
ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے
اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس
کو دنیا میں سے کچھ دیں گے اور آخرت
میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ

(سورۃ لقمان رکوع ۴ سورۃ فاطر رکوع ۱۷)

(۱۶) مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ
نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ
يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ
مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
نَصِيبٍ (سورۃ شورئ رکوع ۳)

یہ سب اور ان کے علاوہ قرآن پاک کی پچاسوں آیتیں اس مضمون میں
مشترک ہیں کہ کفار کا منتہائے مقصد صرف دنیوی زندگی ہے اسی دنیا کے
منافع ان کی نگاہ میں منافع ہیں وہ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اگر
بعض فرقے ان میں سے ایمان رکھتے بھی ہیں تو ایمان بالآخرت کے معتبر
ہونے کی شرائط پوری نہیں کرتے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے بھی
ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اسی دنیا میں ملتا ہے جو نیک اعمال وہ کرتے
ہیں ان کا ثمرہ اسی دنیا میں پاتے ہیں جبرالامہ حضرت ابن عباسؓ سے کسی
نے سورۃ ہود والی آیت مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا کا مطلب
پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے اعمال کا بدلہ صحت جسمانی سے اور
آل اولاد اور مال میں مسرتوں سے پورا کر دیا جاتا ہے اور اس کا عموم بھی
سورۃ بنی اسرائیل والی آیت مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ کے ساتھ مفید

ہے۔ یہ دونوں آیتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ بنی اسرائیل والی آیت کے ساتھ مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ جل شانہ چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں کسی کا کوئی جبر نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی سورہ ہود کی آیت کی یہی تفسیر منقول ہے کہ ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دیدیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے کہ اللہ جل شانہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں پورا فرمادیتے ہیں اور آخرت میں پہونچنے تک کوئی بھی نیکی باقی نہیں رہتی اور مومن کے لئے اسکی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور ایمان کی وجہ سے) اس کا ثواب آخرت میں بھی ملے گا حضرت مجاہد سے بھی یہی منقول ہے کہ کفار کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دنیا میں دیدیا جاتا ہے حضرت میمون بن مہرانؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم کرنا چاہے اپنے اعمال کو دیکھ لے اس لئے کہ وہ اپنے اعمال ہی پر پہونچنے والا ہے (یعنی جس درجہ کا عمل ہوتا ہے ویسا ہی معاملہ اسکی ساتھ کیا جاتا ہے)۔ کوئی مومن ہو یا کافر جو بھی عمل صالح کرتا ہے اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے لیکن مومن کے لئے دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ملتا ہے اور کافر کے لئے صرف دنیا ہی میں ملتا ہے (درمنثور)

حضرت محمد بن کعب سے سورہ زلزال کی آیت فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (پس جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اسکو دیکھ لیگا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر بُرائی کر لیگا اسکو دیکھ لیگا) کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ کافر ایک

ذرہ کے بقدر بھی کوئی چیز کرتا ہے تو اس کا بدلہ دنیا میں ضرور پاتا ہے، اپنی جان میں مال میں آل میں اولاد میں یہاں تک کہ وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو کوئی بھی نیکی ایسی باقی نہیں رہتی جس کا بدلہ نہ مل گیا ہو۔ اور مومن ایک ذرہ کے بقدر بھی کوئی بُرائی کرتا ہے تو اس کا عذاب دنیا میں (بسا اوقات) پالیتا ہے۔ اپنی جان میں آل میں اولاد میں حتیٰ کہ وہ دنیا سے (بسا اوقات) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ کوئی بھی بُرائی باقی نہیں رہتی (درمنثور)

اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اُمَّتِي هَذِهِ مَرْحُومَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ اِنَّمَا عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتْنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ وَالْبَلَايَا كَذَلِكَ فِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ وَرَقُولُهُ بِالصَّحْحَةِ میری اس مرحوم اُمت پر آخرت میں (زیادہ) عذاب نہیں ہے اس پر عذاب دنیا میں فتنے ہیں زلزلے ہیں قتل ہونا ہے اور مصائب۔ دوسری حدیث میں ہے میری اس مرحوم اُمت سے آخرت کا (مستقل) عذاب اٹھایا گیا۔ اس پر آپس کا عذاب ہے جو ایک دوسرے کے ہاتھ سے پہونچے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میری اُمت کا عذاب دنیا میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ نے اس امت کا عذاب دنیا میں کر رکھا ہے (مجمع الزوائد)

ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ اس امت پر اسکے گناہوں کا بہت سا بدلہ دنیا میں ہے اور یہ رحمت ہے اگر ایسا نہ ہو یعنی باوجود گناہوں کی

کثرت کے مصائب میں مبتلا نہ ہو تو زیادہ اندیشہ ناک ہے۔ لہذا اس اُمت کے یعنی محمدی اُمت کے مرحوم امت کے مصائب اور حوادث سے بچنے اور پریشانیوں اور ذلتوں سے بچنے کا واحد علاج گناہوں سے نہایت اہتمام سے بچنا ہے اور جو اتفاقاً صادر ہو جائیں ان پر رونا ہے استغفار کرنا ہے، توبہ کرنا ہے اسکے سوا کوئی علاج نہیں قطعاً نہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان رہ کر گناہوں کی کثرت کے ساتھ ترقی کرتا رہے ہاں کافر بن کر جتنے گناہوں کے ساتھ ترقی کرے ممکن ہے کہ کفر کی حالت میں سینکڑوں برائیوں کے ساتھ جتنی بھی معمولی بھلائیاں کریگا دنیا میں فلاح و ترقی پائے گا۔

حضرت سلیمان بن عامر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے والد صلہ رحمی کرتے تھے عہد کو پورا کریگا بھی اہتمام تھا مہمان کا اعزاز و اکرام بھی بہت کرتے تھے (کیا ان امور سے ان کو کوئی نفع پہونچے گا) حضورؐ نے دریافت فرمایا کیا وہ اسلام سے پہلے مر گئے تھے انہوں نے عرض کیا جی ہاں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو تو نفع نہیں دیگا البتہ انکی اولاد کو نافع ہوگا تم لوگ نہ رسوا ہو گے نہ ذلیل ہو گے نہ فقیر (در مشور)

اس سے یہ شکال بھی رفع ہو گیا کہ ہم بعض کافروں کو خوشحال اور دنیا میں ترقی یافتہ دیکھتے ہیں لیکن ان کے اعمالِ حسنہ اس قابل نہیں پاتے تو حدیث بالا کی بنا پر غالباً ان کے والدین کے اعمالِ حسنہ کا یہ عمرہ ہے جس کو وہ پارہے ہیں غرض نصوص بہت کثرت سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار اور مسلمانوں کے اصول ترقی صحیح نہیں ہیں بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جدا جدا ہیں۔

مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے بالخصوص معاصی سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلا ہوگا اتنا ہی دنیا میں مصائب کا سامنا ہوگا یہ دیکھ کر کہ اس قسم کے معاصی کفار بھی سرزد ہوتے ہیں اور وہ ترقی کرتے جاتے ہیں ان کے لئے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے۔ اس وجہ سے ان سے بے خطر ہو جانا اپنے کو اور زیادہ مصائب میں پھنسانا اور مبتلا کرنا ہے اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے وہ استدراج ہے جس کا انتقام فوری اور دفعی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص معصیت اور گناہ کے ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ جس چیز کی امید رکھتا، اس سے دور ہو جاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے قریب ہو جاتا ہے (جامع الصغیر بروایت انس و رقم لہ بالصحتہ) اس لئے مسلمانوں کا گناہوں کے ساتھ ترقی اور صلاح کی امید رکھنا اپنے کو اس سے دور کرنا ہے۔ اور کفار کی حرص کرنا ان کے قدم بقدم چلنا علاوہ بے غیرتی کے ناکامی کا بھی ذریعہ ہے۔

فارس اور روم کا فوجی دستور یہ تھا کہ جو لشکر غالب ہو جاتا وہ مغلوب جماعت کے سرداروں کا سر کاٹ کر تفاخر شہرت پسندی اور مسرت کے طور پر اپنے امیر کے پاس بھیجا کرتا۔

خلافت صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوتی تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو یہ دوسروں کے

ساتھ کرتے ہیں۔ ایک شامی سردار کا سرکٹ کر حضرت عقبہ بن عامر کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہونچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ حضرت عقبہ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے جانشین وہ لوگ بھی یہی معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا کیا فارس و روم کی سنتوں اور طریقوں کا اتباع کیا جائے گا میرے پاس کبھی بھی کسی کا سر نہ لایا جائے ہم لوگوں کو (اتباع کے لئے) اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث کافی ہے۔ (شرح السیرۃ اول) اگرچہ فقہانے بعض نصوص کی بنا پر اسکی اجازت دی ہے۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے اسکے موافق نہ تھی اس لئے منع فرمادیا اور عقبہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس و روم کے فعل سے استدلال کیوں کیا۔

حضرت عمرؓ جس وقت شام تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک جگہ کچھ گارا پانی آگیا۔ آپ اونٹ پر سے اتر گئے، موزے نکال کر شانہ پر رکھ لئے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑ لی وہ ساتھ ساتھ تھا حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے یہ ایک ایسی بات کی کہ شام والے تو اس کو بڑی (ذلت کی) چیز سمجھتے ہیں میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت پر دیکھیں۔ آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابو عبیدہ تمہارے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا۔ ہم لوگ ذلیل تھے حقیر تھے اللہ جل شانہ نے اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی۔ پس اب جس چیز سے اللہ نے عزت

دی اسکے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ جل شانہ ہم کو
ذلیل کر دیں گے (مستدرک للحاکم) حقیقہً مسلمان کے لئے اصل عزت اللہ کے
یہاں کی عزت ہے دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوئی بھی
تو کیا اور کے دن کی ۷

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین : وہ نہ سمجھے کہ میری بزم کے قابل نہ ہا
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی نافرمانیوں کے
ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے اسکے تعریف کرنے والے اسکی
مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ مقاصد حسنہ میں یہ مضمون مختلف
عنوانات سے نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ترقی کی راہ،
عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے کی غرض صرف اللہ کی رضا اسکی
مرضیات پر عمل ہے، اسکے سوا کچھ نہیں۔ اگر عزت ہے تو یہی ہے منفعت
ہے تو یہی ہے حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کے پاک کلام اور اس
کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت دارین کی فلاح و ترقی
کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر
نگاہ رکھتے ہیں۔ دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا یہ
چیز انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت اور
مغاشرت کی نہیں ہے کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر
میں ایک مزج الخلائق حکیم ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی انارٹری
طیب سے علاج کرائے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لائے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تورات لایا ہوں اور یہ کہہ کر اسکو بڑھنا شروع کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کونا گواہی ہوئی اور چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چہرہ انور کو دیکھ کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا تجھے موت آجائے دیکھتا نہیں ہے کہ چہرہ انور پر غصہ کے آثار ہیں۔ حضرت عمرؓ اس کے پڑھنے میں مشغول تھے۔ دفعۃً حضورؐ کے چہرہ کو دیکھا تو ڈر گئے۔ اور بار بار کہنا شروع کیا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) نَبِيًّا (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے۔ ہم لوگ اللہ کو رب ماننے پر راضی اور خوش ہیں نیز اسلام کو اپنا مذہب بنانے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے پر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر حضرت موسیٰؑ موجود ہوں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر انکا اتباع کرو سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میرا اتباع کرتے (مشکوٰۃ بروایت دارمی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی بالکل ظاہر تھی کہ جب اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کے ارشادات پر پوری نظر اور مہارت نہ ہو اس وقت تک کسی ایسی کتاب کا دیکھنا جس میں حق اور باطل مخلوط ہو اپنے دین کو

خراب کرنا ہے اس لئے کہ جو شخص دین میں کامل مہارت رکھتا ہے ہر بات میں حق اور ناحق فوراً پہچان سکتا ہے اس کے لئے تو مضائقہ نہیں کہ کسی چیز کو دیکھے لیکن جس کو دینی علوم میں پوری مہارت نہ ہو اس کے متعلق قوی اندیشہ ہے کہ اپنی قلت علم کی وجہ سے کسی ناحق بات کو حق سمجھ جائے اور گمراہی میں پھنس جائے چونکہ تورات میں ایسے احکام بھی تھے جو منسوخ ہو چکے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں تحریف بھی ہو چکی تھی اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت ناراضی کا اظہار فرمایا کہ مبادا دین میں خلط واقع ہو اسی لئے ابن سیرینؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ علم دین ہے۔ پس غور سے دیکھو کہ اپنے دین کو کس سے حاصل کر رہے ہو (شکوۃ)

اسی وجہ سے مشائخ اور اکابر ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اور تقریر سننے اور تحریر دیکھنے سے منع کرتے ہیں، جنکی دینی حالت خراب ہونا کہ بے دینی کے زہریلے اثرات سے حفاظت رہے۔ عام طور سے ایک مقولہ مشہور ہے:

اَنْظُرُوْا اِلٰی مَا قَالْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ قَالْ (یہ دیکھو کہ کیا کہا یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) یہ صحیح ہے اور بعض احادیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ مختلف الفاظ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے ہاتھ لگے لیلے (جامع شکوۃ۔ مرقاۃ) لیکن یہ اسی وقت ہے جب سننے والے کو کھرے کھوٹے کی تمیز حاصل ہو چکی ہو۔ وہ دین کے اصول سے اور بات کے جملہ کے قواعد سے اتنا واقف ہو چکا ہو کہ کیا کہا کو معلوم کر سکے وہ سمجھ سکے کہ فلاں بات دین کے موافق ہے فلاں چیز دین کے

خلاف ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ فقہ اور سلف صالحین کے خلاف ہے مگر جب تک یہ بات حاصل نہ ہو اس وقت تک ہر قسم کی تقریر و تحریر سے تاثر پیدا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل صبح کو ایک اثر ہوتا ہے شام کو دوسرا رنگ جم جاتا ہے۔ ایک شخص آتا ہے وہ ایک لچھے دار تقریر کر کے تمام مجمع سے ایک بات پر ہاتھ اٹھوا لیتا ہے دوسرا آتا ہے وہ اس کے خلاف پر زور تقریر کر کے اس کے خلاف ہاتھ اٹھوا لیتا ہے۔ الغرض مسلمان کے لئے صلاح و فلاح صرف اتباع مذہب اسوۂ رسول اور سلف صالحین کے طریقہ میں منحصر ہے۔ یہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے یہی دنیا میں ترقیات کا سبب ہے اسی پر عمل کر کے پہلے لوگ بام ترقی پر پہنچے تھے جن کے احوال و حالات آنکھوں کے سامنے ہیں اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کر سکتا اسکے خلاف میں مسلمان کے لئے ہلاکت ہے بربادی ہے آخرت کا خسارہ ہے دنیا کا نقصان ہے۔ تجویزیں جتنی چاہے کر لی جائیں ریزویشن جتنے چاہے پاس کر لئے جائیں اخبارات کے مقالے جتنے چاہے لکھ لئے جائیں اور مزہ لیکران کو بڑھ لیا جائے، سب بے سود ہے بیکار ہے مسلمان کی ترقی و فلاح کا واحد راستہ معاصر ہے پر ہمیز ہے اور اسلامیات کا اہتمام ہے اسکے سوا دوسرا راستہ منزل مقصود کی طرف سے ہی نہیں۔ یہاں ایک اور چیز پر بھی غور کرتے چلو۔ آج اسلام کو مسخ کر دیا جائے اسکے سارے احکام کو مولویانہ اسلام راہبانہ مذہب ملائے تنگ نظری کہہ دیا جائے مگر جن اسلاف نے ہزاروں قلعے فتح کئے تھے لاکھوں کروڑوں آبادیوں کو مسلمان

کر کے اسلام کی حکومت وہاں قائم کی تھی وہ اسی مولویانہ اسلام کے حامل تھے اور ملائوں سے زیادہ تنگ نظر تھے وہاں دین سے ایک انج ہٹنا بھی ہلاکت شمار کیا جاتا تھا۔ وہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر قتال کیا جاتا تھا وہاں شراب کو حلال سمجھ کر پینے پر قتل کیا جاتا تھا اور حرام سمجھنے کے باوجود پینے پر کوٹے لگائے جاتے تھے۔ وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے نماز کو ایسا منافق چھوڑ سکتا ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہو۔ یعنی عام منافقین کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ نماز کو چھوڑ سکیں وہاں جب کوئی اہم مشکل اور گھبراہٹ کی بات پیش آتی تھی تو فوراً نماز کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ابو دردار کہتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تھی حضورؐ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور اس وقت تک باہر نہیں آتے تھے جب تک وہ تھم نہ جاتی متعدد صحابہ نے مختلف عنوانوں سے حضورؐ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ پریشانی اور گھبراہٹ کے وقت نماز کی طرف رجوع کرتے تھے اور ایک صحابی نے حضورؐ سے نقل کیا ہے کہ پہلے انبیاء کا بھی یہی معمول تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کثرت سے یہی معمول نقل کیا گیا ہے کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو میکہ رسالہ فضائل نمازیں دیکھو وہ لوگ نمازیں تیر کھاتے رہتے تھے اور نماز کی لذت کی وجہ سے اسکو توڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اذان سنتے ہی دکانوں کو چھوڑ کر نمازوں کو چلا جانا ان کا عام معمول تھا حضرت عمرؓ نے اپنی سلطنت کے حکام، (گورنروں) کے پاس اعلان بھیج دیا تھا کہ سب سے زیادہ ہمت بالشان چیز میرے نزدیک نماز ہے جو اسکی حفاظت کر سکتا ہے وہ دین کے بقیہ اجزا کی

بھی حفاظت کر سکتا ہے اور جو اس کو ضائع کر دیگا وہ دین کے باقی امور کو زیادہ برباد کر دیگا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کے لئے جب حضرت خالد کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت فرمائی کہ یہ پانچ چیزیں ہیں۔ کلمۃ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس سے قتال کرنا (نہیں)

حضرت عمرؓ نے جب عقبہ بن غزوٰ ان کو فارس کی ایک لڑائی پر امیر لشکر بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی۔ اَتَقِ اللّٰهُ مَا اسْتَطَعْتَ وَاَحْكُمُ بِالْعَدْلِ وَصَلِّ الصَّلٰوةَ لِمُعِيْقَاتِهَا وَاكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ (ابن جریر) جتنا ممکن ہو تقویٰ کا اہتمام رکھنا فیصلہ میں انصاف کا اہتمام رکھنا نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اجنادین میں رومیوں سے مشہور و معروف زبردست لڑائی ہوئی ہے رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو جاسوس بنا کر مسلمانوں کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا اور اس سے کہا کہ ایک شب دروزان کے لشکر میں رہے اور غور سے پورے حالات کا مطالعہ کر کے آئے۔ وہ چونکہ عربی تھا اس لئے ان میں بے تکلف رہا اور واپس جا کر ان سے جو حالت بیان کی ہے وہ یہ ہے۔

بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ | یہ لوگ رات میں راہب ہیں دن میں شہسوار
فِرْسَانٌ وَكُوَسْرَقٌ | (یعنی رات بھر خدا کے سامنے ناک رگڑتے ہیں)

ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطْعُوهُ | دن بھر گھوڑے پر سوار رہتے ہیں) اگر ان کے
وَلَوْ زِنَى رَجَمَ لَا قَامَةَ | بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کر لے تو حق کی حمایت میں
الْحَقُّ (خمیس) | اسکا ہاتھ کاٹ دیں اگر زنا کرے تو اسکو بھی سنگسار کر دیں

یہ جو کچھ اس جاسوس نے کہا بالکل صحیح کہا۔ حدیث کی کتابوں میں بکثرت یہ
قصہ وارد ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی اونچے طبقہ کی
شمار ہوتی تھیں لوگوں نے چاہا کہ حضورؐ کی بارگاہ میں کسی طرح سفارش کی
جائے۔ مگر کسی کی جرأت اور ہمت نہ ہوتی تھی حضورؐ کے متنبیٰ حضرت زید کے
بیٹے حضرت اسامہ کو اس کے لئے تجویز کیا کہ حضورؐ ان سے محبت فرماتے تھے۔
انہوں نے سفارش فرمائی تو حضورؐ نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ کی حدود میں سفارش
کرتے ہو اس کے بعد حضورؐ نے وعظ فرمایا جس میں ارشاد فرمایا کہ پہلی امت کے
لوگ اسی بات سے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب اُن میں کوئی بڑا آدمی چوری
کر لیتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی معمولی درجہ کا آدمی کرتا تھا تو اس
کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا)
بھی چوری کر لیتی (اعاذ باللہ منہ) تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ حدیث کی کتابوں
میں اور بھی اس نوع کے قصے مذکور ہیں۔ یہی چیز تھی جس سے کفار کے
قلوب مسلمانوں سے مرعوب ہوتے تھے۔ چنانچہ اس رومی سپہ سالار نے
اس جاسوس کی بات سکر کہا اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ نِي لَبَطُنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ
مِنْ لِقَائِهَا عَلٰی ظَهْرِهَا۔ اگر تو نے مجھ سے ان کا حال سچ بیان کیا
ہے تو زمین میں دفن ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ زمین کے اوپر ان سے مقابلہ

کیا جاتے۔ مسلمانوں کے یہاں ایک رومی قید تھا جو اتفاق سے موقع پا کر چھوٹ کر بھاگ گیا۔ ہر قل نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے اور کہا ایسے پورے حالات بیان کر کہ ان کا منظر میسر سامنے ہو جاتے اس نے بھی اس قسم کے حالات بیان کئے کہ یہ لوگ رات کو راہب ہیں دن کو سوارِ زمیوں سے (یعنی وہ کافر جو ان کی رعیت ہیں) بھی بغیر قیمت کوئی چیز نہیں لیتے۔ ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔

ہر قل نے کہا اگر یہ حالات سچے ہیں تو وہ اس جگہ کے مالک بن کر رہیں گے۔ انطاکیہ کی لڑائی میں یزید بن ابی سفیان نے حضرت صدیق اکبر رضی کی خدمت میں خط لڑائی کے حالات کے متعلق لکھا ہے جس کا شروع یہ ہے۔
 اَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هُوَ قُلُ مَلِكُ الرُّومِ كَمَا بَلَغَ سَيِّرُنَا إِلَيْهِ أَلْقَى
 اللَّهُ الرُّعْبَ فِي قَلْبِهِ فَتَحَوَّلَ وَنَزَلَ أَنْطَاكِيَه ۝

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ ہر قل روم کے بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس کی طرف چل دیئے تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے دل میں کچھ ایسا رعب ڈالا کہ وہ مقابلہ سے ہٹ گیا اور انطاکیہ پہنچ گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارا خط آیا جس سے ہر قل کے مرعوب ہو نیک حال معلوم ہوا۔ بیشک حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت بھی جبکہ ہم لوگ حضور کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے۔ دشمنوں کو مرعوب کرنے کے ساتھ مدد فرمائی ہے اور اپنے فرشتوں سے مدد کی ہے اور یہی وہ دین ہے جس کی طرف لوگوں کو ہم بلاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اللہ جل شانہ رعب کے ساتھ

ہماری مدد کرتے ہیں (نہیں)

ہر قتل کی فوج بہت زیادہ تھی اور مسلمان اس کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے جس کی اطلاع حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے البتہ معاصی میں مبتلا..... ہونے پر یا وجود کثیر تعداد کے بھی مغلوب ہو سکتے ہو۔ اس لئے اس سے پرہیز کرتے رہنا (اشاعت) یہی چیز تھی جس نے اس وقت مسلمانوں کو نہ صرف آدمیوں ہی پر غالب بنا رکھا تھا بلکہ بحر و بر، شجر و حجر، چرند و پرند سب ہی چیزوں پر ان کو فتح حاصل تھی تاریخیں ان واقعات سے پُر ہیں۔ تفصیلات کے لئے بڑے دفروں کی ضرورت ہے۔ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے۔ حضرت عقبہ امیر لشکر حید صحابہ کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا۔ **اَيُّهَا الْحَشَرَاتُ وَالسَّبِيلُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْحَلُوا فَاِنَّا نَارِزُوكُمْ فَمَنْ وَجَدْنَا بَعْدَ قَتْلِنَا اے زمین کے اندر رہنے والے جانوروں اور درندوں ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جو ان درندوں اور موذی جانوروں میں سرعت سے دوڑ گئی اور اپنے بچوں کو**

اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے۔ (اشاعت)

حضرت سفینہ رومیوں کی لڑائی میں یا کسی دوسرے موقعہ پر راستہ بھول گئے اتفاق سے ایک شیر سامنے آگیا انہوں نے اس شیر سے فریاد میں حضور کا غلام ہوں مجھے یہ صورت پیش آگئی وہ شیر کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا۔ جہاں کہیں کوئی خطرہ کی بات پیش آتی وہ دوڑ کر اس طرف چلا جاتا اور اس سے نہٹ کر پھر ان کے پاس آ جاتا اور اسی طرح دم ہلاتا ہوا ساتھ ہولیتا حتیٰ کہ لشکر تک ان کو پہونچا کر واپس چلا گیا (مشکوٰۃ)

فارس کی لڑائی میں جب دلائن پر حملہ ہونے والا تھا تو راستہ میں دجلہ پڑتا تھا کفار نے وہاں سے کشتیاں وغیرہ بھی سب ہٹالیں کہ مسلمان ان پر کونہ آسکیں۔ برسات کا موسم اور سمندر میں طغیانی۔ امیر لشکر حضرت سعد نے حکم دیدیا کہ مسلمان سمندر میں گھوڑے ڈال دیں۔ دودو آدمی ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور سمندر میں گھوڑے بے تکلف تیر رہے تھے۔ امیر لشکر حضرت سعد کے ساتھی حضرت سلمان تھے اور حضرت سعد بار بار فرماتے تھے۔ وَاللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلَيَظْهَرَنَّ دِيْنُهُ وَلَيُهْزِمَنَّ عَدُوُّهُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي الْجَيْشِ بَغْيٌ اَوْ ذَنْبٌ تَغْلِبُ الْحَسَنَاتِ۔ خدا کی قسم اللہ جل شانہ اپنے دوستوں کی مدد ضرور کریگا اور اپنے دین کو غالب کر دیگا اور دشمنوں کو مغلوب کرے گا۔ جب تک کہ لشکر میں ظلم (یا زنا) نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں (اشاعت)

مرتدین کی لڑائی میں حضرت صدیق اکبرؓ نے علاء حضرتؓ کو امیر لشکر بنا کر
بحرین کی طرف بھیجا۔ ایک ایسے جنگل پر گذر ہوا جہاں پانی کا نشان تک نہ
تھا۔ لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے حضرت علاء گھوڑے
سے اترے۔ دو رکعت نماز پڑھی اسکے بعد دُعا کی جس کے الفاظ یہ ہیں
يَا حَلِيمُ يَا عَلِيمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ اسْتَقْنَاهُ (اے حلم والے اے علم والے اے
برتری والے اے بڑائی والے ہمیں پانی عطا فرما) ایک نہایت معمول سا
بادل اُٹھا اور فوراً برسا اور اس زور سے کہ سب لوگوں نے خود سیار برتنوں
کو بھر لیا سواریوں کو پلایا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ مرتدین
کی جماعت نے داربن میں جا کر پناہ لی تھی اور وہاں پہونچنے کے لئے سمندر
کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ مرتدین نے کشتیاں بھی جلادیں تھیں کہ مسلمان انکا
تعاقب نہ کر سکیں۔ حضرت علاء سمندر کے کنارے پہونچے۔ دو رکعت نماز
پڑھی اور دُعا کی۔ يَا حَلِيمُ يَا عَلِيمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ اَجْزِنَا۔ اے حلیم
اے علیم اے علی اے عظیم ہمیں پار کر دے یہ دُعا کی۔ اور گھوڑے کی باگ
بکڑ کر سمندر میں کود پڑے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی پر چل
رہے تھے خدا کی قسم نہ قدم بھیگانہ موزہ بھیگانہ گھوڑوں کے سُم بھیگے اور
چار ہزار کا لشکر تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ پانی اس قدر کم ہو گیا تھا
کہ گھوڑے اور اونٹوں کے صرف پاؤں بھیگتے تھے کیا بعید ہے کہ جب چار ہزار
کا لشکر تھا اس میں بعض کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو اور ابو ہریرہ رضی
اللہ عنہ جیسوں کے موزے بھی نہ بھیگے ہوں۔ اسی قصہ کی طرف عقیف بن منذر

نے جو خود اس لڑائی میں شریک تھے دو شعروں میں اشارہ کیا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مطیع کر دیا اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی۔ ہم نے اس پاک ذات کو پکارا جس نے (بنی اسرائیل کے واسطے) سمندر کو ساکن کر دیا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اعانت کا معاملہ فرمایا (خمیس)

سمندر اور دریاؤں پر پیدل اور سوار یوں پر گزرنے کے واقعات کثرت سے ہیں مگر عزیز من یہ قصے لطف سے پڑھنے کے نہیں ہیں اپنی بد حالی اور بد اعمالی پر رونے کے ہیں۔ حضورؐ نے ہمیں اپنے پاک ارشادات میں ایک ایک چیز بتادی۔ بھلائی کے راستے اور بُرائی کے راستے علیحدہ علیحدہ کر دیئے۔ اسلاف نے ان پر عمل کیا اور کامیاب ہوئے۔ ہم نے نہ حضورؐ کے ارشادات کی قدر کی نہ ان بزرگوں کے حالات سے عبرت اور نصیحت حاصل کی نہ اللہ جل جلالہ کا خوف کیا۔ نہ اس کے پاک رسول کی پیروی کی لیکن جو آرزوئیں اور اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں وہ جو بوجہ گمراہی کاٹنے کی ہیں جنہوں نے گمراہی بھرتے تھے انہوں نے کاٹے بھی وہی تھے اسلامی تاریخ اٹھاؤ اور ایک ایک معرکہ کو غور اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ لشکروں کو روانگی کے وقت کیا کیا نصائح ہوتی تھیں اور پھر وہ حضرات اس پر کیسی پابندی کرتے تھے۔ عراق کی لڑائی میں جس کا مختصر حال میں حکایات صحابہ باب ہفتم کے مآثر پر لکھ چکا ہوں حضرت عمرؓ نے امیر لشکر حضرت سعد کو جو نصیحت فرمائی ہے اس کا ایک ایک لفظ غور کے

قابل ہے چند الفاظ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

اس پر غور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور حضور کا صحابی کہا جاتا ہے اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں۔ اللہ کے درمیان اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے اس کی یہاں شریف و ذلیل سب برابر ہیں اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ حضور کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اسکو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا یہ میری خالص نصیحت ہے اسکو اگر تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہو جائے گا اور نقصان اٹھاؤ گے۔۔۔۔۔ تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو جس (کی قدرتی) سے خلاصی بخرا تباہ حق کے اور کسی صورت میں نہیں ہے اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا۔۔۔۔۔ اللہ کا خوف اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے۔ اسکی اطاعت میں اور گناہ سے احترازیں اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی ہے فقط (اشاعتہ) خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص دنیا سے محبت رکھے گا آخرت کو نقصان پہونچائے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھے گا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہونچائے گا۔ پس تم لوگ ایسی چیز کو جو باقی رہنے والی ہے (یعنی آخرت کو ترجیح دو ایسی چیز پر جو فنا ہو جانے والی ہے) (یعنی دنیا پر) (شکوۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کلیہ کو سمجھ لیا تھا اور مضبوط پکڑ لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دُنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے اور دُنیا کے نقصان کو آخرت کے مقابلہ میں برداشت کرنے کو تیار ہو جائے تو صورتاً دُنیا کا نقصان ہوتا ہے حقیقت میں نہیں ہوتا کہ جتنا مقدر ہے وہ تو پہنچ کر رہے گا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے جس شخص کا ارادہ (اور اہتمام و عمل) آخرت کی طلب کا ہوتا ہے اللہ جل شانہ اس کے دل میں غنا والہیٰ ہے اس کے منتشر امور کو مجتمع فرما دیتے ہیں اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر پہنچتی ہے۔ اور جس شخص کی نیت دُنیا طلبی کی ہوتی ہے فقر اس کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے کاموں میں انتشار اور تشتت رہتا ہے اور مقدر سے زیادہ تو بلتا ہی نہیں (مشکوٰۃ)

چنانچہ صحابہ کرام اور ان کے بعد اولیاء اللہ کے قصے حد تو اتر کو پہنچے ہوتے ہیں کہ دُنیا کس قدر ذلیل ہو کر ان کے پاس آتی تھی اور آتی ہے اور کیوں نہ آئے جب دُنیا کی ہر چیز انہیں کے لئے پیدا کی گئی ہے حضرت سعدؓ نے ایک موقع پر ایک مختصر جماعت کا امیر لشکر عاصم بن عمرو کو بنا کر میسان (ایک جگہ کا نام ہے) فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ عاصم بن عمرو وہاں پہنچے تو اتفاق کہ مسلمانوں کے پاس خورد و نوش کا سامان نہیں رہا نہ کہیں سے دستیاب ہوا۔ اہل فارس کا ایک شخص جو خود چرواہا تھا ایک بن کے کنارہ پر ملا اس سے دریافت کیا کہ کہیں دودھ اور بار برداری کے جانور مل سکیں گے اس نے جھوٹ کہہ دیا کہ مجھے خبر نہیں ہے۔ لیکن بن

کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی۔ کذب عد واللہ ہا نحن اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہم یہاں موجود ہیں۔ اس آواز پر عاصم بن میں گئے اور ان کو پکڑ کے لاتے اور شکر پر تقسیم کیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ قادسیہ میں حضرت سعد کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اور اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ دونوں جگہ پیش آیا ہو۔ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس قصہ کا تذکرہ آیا تو اسکو اس پر تعجب ہوا اور اس نے ایسے حضرات کو بلا کر جن کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا تصدیق کی۔ ان لوگوں نے بیل کی آواز کا خود سننا بیان کیا۔ حجاج نے کہا کہ لوگ اس واقعہ کے متعلق کیا خیال کرتے تھے ان لوگوں نے کہا کہ لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ، مسلمانوں سے راضی ہیں اور فتوحات ان کے ہم کاب ہیں حجاج نے کہا یہ توجب ہو سکتا ہے کہ لشکر کے سارے ہی افراد متقی پرہیزگار ہوں۔ لوگوں نے کہا یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ لشکر کے دلوں میں کیا بات تھی۔

فَاَمَّا مَا رَاَيْنَا فَمَا رَاَيْنَا قَطُّ
اَزْهَدَ فِي دُنْيَا مِنْهُمْ وَلَا
اَشَدَّ بُغْضًا لَهَا لَيْسَ
فِيهِمْ جَبَانٌ وَلَا خَالٌ
وَلَا غَدَارٌ

لیکن ظاہر میں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں ان سے زیادہ زاہد اور دنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا ہم نے نہیں دیکھا کوئی شخص ان میں بزدل یا خیانت کرنے والا یا بد عہدی کرنے والا نہ تھا۔

اس قصہ میں جانوروں کا بولنا یا اللہ والوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا

دونوں باتیں کچھ مستبعد نہیں ہیں۔ صحیح حدیثوں میں جانوروں کا بولنا ثابت ہے بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ہے کہ ایک شخص ایک گائے لے جا رہا تھا وہ چلتے چلتے تھک گیا اور اس پر سوار ہو گیا وہ گائے بولی کہ ہم اس کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔ ہم کھیتی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگوں کو اس کے بولنے پر بڑا تعجب تھا۔ حضورؐ نے فرمایا میرا اور ابو بکر و عمر کا تو اس پر ایمان ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص بکریاں چرا رہے تھے ایک بھیڑیے نے ایک بکری اٹھالی ان صاحب نے شور و شغب کیا تو اس بھیڑیے نے کہا۔ درندوں کے دن (قیامت کے قریب) کون ان بکریوں کی حفاظت کر لگا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ بھیڑیا کلام کرتا ہے۔ حضورؐ نے یہاں بھی وہی ارشاد فرمایا کہ میرا اور ابو بکر و عمر کا اس پر ایمان ہے (مشکوٰۃ بروایۃ شیخین) معجزات کی کتابوں میں متعدد واقعات اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں کہ جانوروں نے حضورؐ کی نبوت کی شہادت دی۔ لوگوں کو ایمان نہ لانے پر طعن کیا۔ دیکھنا چاہو تو شفاء قاضی عیاض میں بھی چند واقعات ذکر کئے ہیں۔ اس قصہ کا دوسرا جز کہ جانوروں نے اپنے آپ کو پیش کیا بھی ظاہر ہے کیونکہ جب یہ جماعت اللہ کے نام پر شہید ہونے کو اس رضا اور رغبت کے ساتھ ہر وقت تیار اور مستعد تھی تو کَمَا تَدِينُ تَدَانُ جیسا تم معاملہ کرو ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

تو ہم گردن از حکم داور پیچ ÷ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ
 (یعنی تو خدا کی اطاعت کر دنیا کی ہر چیز تری اطاعت کرے گی) ان حضرات کے

شوق شہادت کے واقعات سے توارخ بھری ہوئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند قصے حکایات صحابہ میں لکھ چکا ہوں دل چاہے تو دیکھ لو۔

حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواونٹ کی قربانی کی تھی۔ جب حضور قربانی فرما رہے تھے تو پانچ چھ اونٹ اکٹھے اُٹے ہوئے آتے تھے کہ پہلے کون قربان ہو۔ ابوداؤد شریف میں یہ قصہ مذکور ہے اور جب ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ معمولی حکام بے بس حکام جن کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے وہ اپنے فرمانبرداروں کی ہر طرح حمایت کرتے ہیں تو اللہ جل جلالہ اپنے مطیعوں کی حمایت کیوں نہ کرے گا اور قرآن شریف کا وعدہ ہے یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِنْ تَنَصَّرُوْا لِلّٰهِ یَتَّخِذْ لَکُمْ مِنْ دُوْنِہِمْ اَیُّمًا وَ اٰیٰتًا اِذَا تَرَدَّدْتُمْ عَلٰی رِجْلِہِ فَاُولٰٓئِکَ یُخْرِجُکُمْ مِنْہُمْ اَوْ یُعَذِّبُکُمْ اَوْ یَمُوتُکُمْ اَوْ یَحْضَرُکُمْ اُولٰٓئِکَ یُخْرِجُکُمْ مِنْہُمْ اَوْ یُعَذِّبُکُمْ اَوْ یَمُوتُکُمْ اَوْ یَحْضَرُکُمْ (س آل عمران ع ۱۷) اگر اللہ جل شانہ تمہاری مدد کریں تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہو سکتا اور وہ اگر مدد نہ کریں تو پھر ان کے علاوہ کون مدد کر سکتا ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اطاعت رسول انہی طبیعت بن گئی تھی کامیابی ان کے ساتھ تھی ہر فرع کی مدد ان کی رفیق تھی اور جہاں کہیں کسی قسم کی لغزش ہوتی وہاں مشقتیں و قسوتیں اُٹھانا پڑیں۔ جنگِ احد کا قصہ مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ایک خاص جگہ پر متعین فرما کر حکم دیدیا تھا کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب تم اس جگہ سے نہیں ہٹنا۔ مسلمان غالب ہوتے جا رہے تھے اور جب کافی غلبہ

ہو گیا تو اس جماعت کے بہت سے افراد نے یہ سمجھ کر کہ اب تو غلبہ بالکل ہی حاصل ہو گیا ہے بھاگنے والے کفار کا تعاقب کیا اس جماعت کے امیر نے کہا بھی کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم غالب بھی ہو جائیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا مگر جماعت نے غلط فہمی سے اس حکم کو یہ سمجھا کہ معمولی غلبہ مراد ہے اور اب بالکلیہ غلبہ ہو چکا ہے اسلئے اس جگہ سے ہٹ گئے اور خالد بن ولیدؓ نے جو اس وقت کفار کے سپہ سالار تھے اسی جگہ سے آکر چھپے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا کتب حدیث و تاریخ میں یہ قصہ شہور ہے جنین کی لڑائی میں مسلمانوں کی کثرت اور کفار کی قلت کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو کچھ غرور پیدا ہوا جس کی وجہ سے سخت پریشانی اور رقت کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا۔

قرآن پاک میں بھی اسکی طرف الشہل جلالہ نے متوجہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّذَبِّرِينَ (سورۃ توبہ ع ۲)

تمہاری الشہل شانہ نے بہتے موقعوں میں مدد کی اور جنین کے دن بھی مدد کی جبکہ تم کو اپنی کثرت کی وجہ سے غرہ ہو گیا تھا پس وہ کثرت تمہاری کچھ کام نہ آئی (اور کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی تم کو ہوئی) کہ تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

مرتدین کی لڑائی میں اول طلحہ الکذاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے کچھ مارے گئے۔ خود طلحہ بھی بھاگ گیا اس سے مسلمانوں

کے حوصلے بہت بڑھ گئے اس کے بعد میلہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی اور جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا اور ہزاروں آدمی اس کے جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے فرماتے ہیں۔

أَنَا لَمَّا فَرَعْنَا مِنْ طَلِيحَةَ
الْكَذَّابِ وَكَمْ تَكُنْ لَنَا
شَوْكَةً قُلْتُ كَلِمَةً وَالْبَلَاءُ
مُؤَكَّلٌ بِالْقَوْلِ وَمَا
بَنُو حَنِيفَةَ مَا هِيَ إِلَّا
كَمَنْ لَقِينَا فَلَقِينَا قَوْمًا
لَيْسُوا يَشْبَهُونَ أَحَدًا
وَلَقَدْ صَبَرُوا وَالنَّامِ
حِينَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ
إِلَى صَلَوةِ الْعَصْرِ (نخیں)

جب ہم طلحہ کذاب سے فارغ ہو گئے اور اسکی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا۔ اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کہہ دیا تھا) کہ بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نبٹ چکے ہیں (یعنی طلحہ کی جماعت) مگر جب ہم اسکی جماعت سے بھرے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوع آفتاب سے لیکر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے

حضرت خالدؓ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اس وجہ سے یہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ذرا ذرا سی چیز کی نگرانی اور اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ یرموک پر جب حملہ ہو رہا تھا تو حضرت خالدؓ عراق کی لڑائی میں مشغول تھے۔ یرموک لشکر کی مدد کے واسطے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو خط لکھا اور

تحریر فرمایا کہ عراق پر اپنا جانشین مقرر کر کے فوراً یرموک پہنچو۔ اس خط میں انکی تعریف فرمائی تھی اور کامیابیوں پر مبارک باد دی تھی اور یہ لفظ بھی لکھا تھا۔

وَلَا يَدُخُلُكَ عَجَبٌ فَتَحَسَّرْ | تمہارے اندر عجب (غروہ) ہرگز پیدا نہ ہو کہ اس سے نقصان اٹھاؤ گے اور ذلیل ہو گے۔

بِعَمَلٍ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَهُ | اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرنا۔ اللہ ہی کا

الْمَنْ وَهُوَ وَلِي الْجَزَاءِ (نہیں) | احسان ہے اور وہی بدلہ کا مالک ہے۔

ان حضرات کے خطبات میں تحریرات میں ذرا ذرا سے انور پر تنبیہ اور اہتمام ہوتا تھا اور معاصی پر زبردست گرفت ہوتی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جس قدر کارنامے مشہور و معروف ہیں دوست دشمن مسلمان کافر سب ہی واقف ہیں۔ خلافت صدیقی میں ایک واقعہ میں حضرت عمرؓ لشکر کی امارت سے ان کو معزول کرنے پر بہت مصر ہوئے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبول نہیں فرمایا۔ خلافت فاروقی میں ایک واقعہ کی بناء پر کہ ایک شاعر کو بہت سا انعام دیدیا تھا حضرت خالد کی مشکیں بندھوا کر بلوایا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو قرب و جوار کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں پر اپنا قائم مقام کسی کو بنا کر مجھ سے جا بیہ میں (ایک جگہ کا نام ہے) آکر ملیں۔ یہ سب امراء جا بیہ پہنچے۔ سب سے اول یزید بن ابی سفیان سے پھر حضرت ابو عبیدہ سے پھر حضرت خالد سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرات کچھ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر سواری سے اترے اور پتھر اٹھا اٹھا کر ان حضرات کو مارنا شروع

کر دیا۔ اور فرمایا کہ کس قدر جلدی تم اپنے پُرانے خیالات سے ہٹ گئے کہ اس ہیئت میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔ ابھی دوہی برس سے تم کو پیٹ بھر کر ملنے لگی ہے جس پر یہ حالت ہو گئی ہے اگر دوسو برس کی امارت کے بعد بھی تم اس ہیئت کو اختیار کرتے تو میں تمہاری جگہ دوسروں کو امیر بناتا۔ انہوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم نے ہتھیار لگائے ہوئے یہ کپڑا اوپر پہن لیا تھا (طبری) ریشمی لباس کی فقہی بحث علیحدہ چیز ہے بعض انواع اسکی جائز ہیں میسان جب فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے نعمان بن عدی کو وہاں کا حاکم بنا دیا انہوں نے اپنی بیوی کو بھی وہاں لے جانا چاہا مگر وہ نہیں گئیں تو انہوں نے بیوی کو ایک خط لکھا جس میں وہاں کی راحتیں اور لطف اشعار میں لکھا جن میں شراب اور اس کے خوشنما گلاسوں کے دور چلنے کا بھی ذکر شاعرانہ انداز میں کر دیا تھا حضرت عمرؓ کو خبر ہو گئی ان کو خط لکھا جس میں بسم اللہ کے بعد اول سورہ غافر کی پہلی آیت لکھی اسکے بعد تحریر فرمایا تجھے تمہارا فلاں شعر پہونچا میں نے تمہیں معزول کر دیا۔ وہ حاضر ہوئے اور قسم کھائی کہ میں نے شراب نہیں پی وہ محض شاعرانہ طور پر لکھ دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ یہی حُسن ظن ہے مگر میں تمہیں کسی جگہ کا حاکم کبھی نہیں بنانے کا (معجم البلدان)

یہ سخت گیری اور تنگ نظری تھی ان حضرات اکابر کی تبارخ اور کتب حدیث میں ہزاروں واقعات اس رنگ کے پاؤ گے یہی دارین کی ترقیات کا واحد سبب تھا اور جہاں کہیں کوئی لغزش ہوتی وہاں نقصان

بھی پہنچا جسکی نظیریں ابھی پڑھ چکے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جتنا اونچا طبقہ
 یا فرد تھا اتنی ہی معمولی لغزش پر اللہ جل شانہ کی طرف سے تنبیہ ہوتی۔
 اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ مِثْنَاتُ الْمُقْرَبِينَ
 سورۃ عبس میں اس چیز پر تنبیہ ہے کہ ایک نابینا غریب کے مقابلہ میں
 دنیا دار مالدار کی رعایت کیوں ہوتی حالانکہ وہ رعایت دین ہی کے خاطر
 تھی اس کے بالمقابل جتنا معمولی طبقہ تھا اتنے ہی معمولی سیدات سے درگزر اور
 سیدات کے بڑھ جانے پر گرفت ہوتی۔ جزیرہ سر دانیہ بہت مشہور جزیرہ
 ہے سترہ کے آس پاس فتح ہوا ہے۔ مال غنیمت میں خاص طور سے اس
 میں خیانتیں کثرت سے ہوتیں جس کے جواباً لگا اڑا لیا۔ فتح کے بعد جہاز میں
 سوار ہو کر واپس آ رہے تھے کہ غیب سے آواز آئی اَللّٰهُمَّ غَرِّ قَوْمًا رَاٰ اللّٰهَ
 ان کو غرق کر دے اور سب غرق ہو گئے (اشاعت) وہ حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ارشادات تھے جو اس مضمون کے شروع میں تھے اور یہ واقعات
 ان کی مثالیں ہیں گذشتہ تواریخ کے اوراق ان سے پُر ہیں اور آج جو ہو رہا
 ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے بے دینی کے اسباب ہم اپنے ہاتھوں اختیار
 کرتے جا رہے ہیں گناہوں میں زور شور سے منہمک ہوتے جا رہے ہیں پریشانیوں
 اور بدعالیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور اب تو اجتماعی صورت سے خود اسلام کو
 خیر باد کہنے کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں دین کے ایک ایک جز کو چھوڑا جا رہا
 ہے اب اسکا اگر حل ہو سکتا ہے تو دین پر پختگی اور گناہوں سے احتراز ہی
 سے ہو سکتا ہے مگر اس دقیانوس بات کو کون کہہ سکتا ہے اور کس سے کہا

جائے۔ قَالَ اللَّهُ الْمُشْتَكِي وَالْمُسْتَعَانُ۔

جواب نمبر ۵

کچھ بعید نہیں کہ ایسا بھی ہو اور سب نہیں تو کچھ لوگ اپنی اغراض کے تحت میں بھی کام کرتے ہوں لیکن یہ بھی تو اسی اسلامی تعلیم کے ترک کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگ اپنی تعلیمات کو قبول کریں ان کو اسوہ بنائیں تو پھر یہ ایک مفسدہ کیا کوئی بھی مفسدہ باقی نہ رہے یقیناً جو لوگ دنیوی اغراض کی خاطر دین کا کام کرتے ہیں وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور و معروف ارشاد ہے۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَىٰ ۖ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اَعْمَالُ ۚ اور ہر آدمی کو ویسا ہی بدلہ ملتا ہے جیسی اسکی نیت ہوتی ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن روانہ فرمایا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے حضورؐ نے اخلاص کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ (اخلاص کے ساتھ) تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مخلصین کو خدائے تعالیٰ خوش رکھے وہ لوگ ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں انکی وجہ سے ہر تاریک فتنہ زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، ایک مشہور صحابی ہیں ان کو ایک مرتبہ کچھ اپنی بڑائی کا خیال آگیا۔ حضورؐ نے تنبیہ فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ، اس اُمت کی مدد و ضعفابی سے فرماتے ہیں۔ ان کی نماز کی وجہ سے ان کی دُعا کی وجہ سے ان کے اخلاص

کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ تمہارے بدن اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں کہ جو کام کیا جا رہا ہے وہ کس نیت اور کس ارادہ سے ہے (حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے جو پہلے بھی قریب ہی گزر چکا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنَتْهَا نُوَبِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝)

ترجمہ :- جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض دنیوی زندگی (کی منفعت) اور اسکی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) کچھ کمی نہیں کی جاتی اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے اور انہوں نے جو اعمال کئے وہ آخرت میں بیکار اور بے اثر ثابت ہوں گے متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص کا اہم مقصد محض دنیا ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے احوال کو پریشان کر دیتے ہیں اور اس کے فقر کو آنکھ کے سامنے کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اسی کے فکر میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کا اہم مقصد آخرت ہوتا ہے اسکو جمعیت نصیب فرماتے ہیں اسکے دل میں استغناء عطا فرماتے ہیں اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس پہنچتی ہے۔ ایک حدیث میں خود حق تعالیٰ شانہ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ اے آدم کے بچے تو میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کر میں تیرے سینے

کو غناے بھردوں کا اور تیرا فقر دور کر دوں گا ورنہ تیرے سینہ کو شاعل سے
بھردوں کا اور فقر دور نہ کروں گا۔ (ترغیب)

اس لئے جن لوگوں کی نیت محض دنیوی اغراض ہیں اور ساری
جدوجہد کا ماحصل یہی بیکار منافع ہیں۔ وہ یقیناً اپنے قیمتی اوقات کی
اضاعت کرتے ہیں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس اُمت کو بلندی اور دینداری اور علوم مرتبہ اور زین
پر قبضہ کی بشارت دیدو کہ یہ چیزیں اس اُمت کو حاصل ہونگی، لیکن جو شخص
آخرت کا عمل دُنیا کے واسطے کریگا اس کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔
ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کسی
کام میں کھڑا ہوتا ہوں اللہ جل شانہ کی رضا کا بھی ارادہ کرتا ہوں اور یہ بھی
خیال ہوتا ہے کہ میرا مرتبہ بھی ظاہر ہو۔ حضورؐ نے سکوت فرمایا کوئی جواب
نہیں دیا حتیٰ کہ قرآن پاک کی آیت۔ فَضَنْ كَانَ يُرْجُو الْقَاءَ رَبِّهِ
فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا نازل ہوئی۔
پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک عمل (شریعت کے
موافق) کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔
حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ریا اور شہرت کے واسطے عمل کرتا ہے حق
تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو مشہور کرینگے (یعنی اس بد نیتی کی شہرت
کریں گے) اور اس کو حقیر اور ذلیل کریں گے۔ حدیث میں آیا ہے حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا تم پر خوف ہے

وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے۔ ارشاد فرمایا ریا کاری (دکھلاوا) قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایسے لوگوں کو ارشاد فرمائیں گے کہ جن لوگوں کے دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے انہیں سے جا کر بدلہ اور ثواب لے لو (ترغیب)

اور احادیث بھی بکثرت اس نوع کی وارد ہوئی ہیں جن سے بتواتر یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ جن اعمال حسنہ کی غرض شہرت ووجاہت ہوتی ہے یا کوئی مال و متاع مقصود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جلالت کی رضا ان سے مقصود نہیں ہوتی وہ سب بیکار جاتے ہیں بلکہ بجائے خیر کے شر کو پیدا کرتے ہیں۔ ابھی جہاد کے مضمون میں بھی اس قسم کی روایات کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ جس جہاد سے مقصود شہرت یا دنیاوی متاع ہوتا ہے وہ مقبول نہیں ہوتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کو ایک صحابی گذرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین ان کے بدن کی حالت (قوت) اور نشاط کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ اگر (قوت و نشاط کی) یہ حالت اللہ کے راستہ (جہاد) میں ہوتی تو کیا ہی اچھا تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی اعانت کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے اگر اپنے نفس کی ضروریات پورا کرنے کے لئے اور اس کو حرام سے بچانے کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے۔ البتہ اگر شہرت اور تفاخر کے لئے نکلا ہے تو وہ شیطان کا راستہ ہے (ترغیب)

اس حدیث سے اور اس جیسی احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ اللہ کا راستہ صرف جہاد میں یا نوافل میں یا دوسری عبادات میں منحصر نہیں بلکہ ضروری اعمال و عبادات کرنے کے بعد جو کام بھی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کی رضا اس میں مقصود ہو ادائے حقوق اسکی غرض ہو وہ سب اللہ ہی کا راستہ ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینداری صرف عبادات میں مشغولی کا نام ہے اور دنیاداری کے کاموں میں مشغول ہونا اس کے منافی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ معتبر علماء میں سے کوئی بھی نہیں کہتا کہ اسباب معیشت کو حاصل نہ کیا جائے یا ترک کر دیا جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کو دنیا کی غرض سے نہ کیا جائے ان کو بھی اللہ ہی کی رضا کے واسطے اس کے مقرر کئے ہوئے حقوق کے واسطے حاصل کیا جائے۔ وجاہت، تفاخر، تکبر اور لوگوں کی نگاہ میں بڑائی حاصل کرنے کے واسطے نہ کیا جائے مگر اس سب کے باوجود دوسری جانب بھی قابل لحاظ ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کو صاحب غرض سمجھنا یہ بھی اسلامی تعلیم کے منافی ہے اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا** (سورہ حجرات رکوع ۲) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو اس لئے کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کے عیب کا تجسس بھی نہ کیا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے ہم لوگوں کی عام حالت یہ ہے کہ جو شخص ہماری مرضی کے موافق کام کرتا ہے وہ مخلص ہے متقی ہے پرہیزگار ہے لیکن جوں ہی وہ ہماری رائے کے

خلاف کوئی کام کر گذرتا ہے وہ ٹوڑی ہے انگریز پرست ہے یا ہندو پرست ہے خود غرض ہے نفس پرست غدار قوم ہے مکار ہے دغا باز ہے وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے یا کانگریس کا تنخواہ دار ہے غرض یہ کہ دنیا بھر کے عیوب اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسکے اصلی عیوب کو طشت از بام کیا جاتا ہے اس میں فرضی عیوب پیدا کئے جاتے ہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اسکی عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اسکی پردہ دری کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں (پھپک کر) کوئی عیب کرتا ہے تب بھی اس کو فضیحت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا اے وہ لوگو! جن کی زبان پر اسلام ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا۔ تم مسلمانوں کو نہ سناؤ اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہو۔ جو شخص مسلمان کے عیب کے درپے ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ اسکی پردہ دری فرماتے ہیں اور جس کے عیب کو اللہ جل شانہ کھولنا چاہیں اسکو گھر کے اندر کھٹے ہوئے کام پر بھی رُسوا کر دیتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور دیکھ کر فرمایا کہ تو کتنا بابرکت اور با عظمت گھر ہے لیکن اللہ کے نزدیک مسلمان کا احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے بھائی کی کسی تکلیف پر اظہارِ مسرت

و خوشی نہ کر۔ (اگر ایسا کرے گا) تو حق تعالیٰ شانہ اس پر رحم فرما کر تجھے اس مصیبت میں مبتلا فرما دیں گے۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو خوش اخلاق ہوں اپنے بازوؤں کو نرم کرنے والے ہوں (یعنی ذرا ذرا سی بات پر اکڑنے اور آستینیں سوتنے والے نہ ہوں) اُلفت کرنے والے ہوں اور دوسروں کے درمیان تعلقات پیدا کرنے والے ہوں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میرے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلی محوری کرنے والے ہوں۔ دوستوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوں اور جو لوگ بری ہوں ان کے لئے عیب جوئی کرنے والے ہوں (ترغیب)

حضور کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے کسی ایسے عیب سے رسوا کرے جو تجھ میں ہے تو تو اسکے جواب میں بھی ایسے عیب کے اس کو رسوا نہ کر جو اس میں ہے تجھے اس کا اجر ملیگا اور اس کے کہنے کا وبال اس پر رہے گا (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے تین دن زیادہ ترک کلام کرے (ترغیب)

حضور کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اور ہر اس شخص کے لئے مغفرت

کی جاتی ہے جو شرک نہ کرتا ہو۔ البتہ جن دو شخصوں میں کینہ اور عداوت ہو ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ابھی رہنے دو۔ جب تک آپس میں صلح نہ کریں (بخاری، ترمذی، تریغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافریا اللہ کا دشمن کہہ کر لپکا رہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے۔ (بخاری، ترمذی)

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینے والا اپنی ہلاکت کا سامان کرنے والا ہے (ترمذی) حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شائد اس کو جہنم میں مقید فرما کر کہیں گے کہ اپنے کہے ہوئے کو سچا کر (ترمذی)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی خوری کرنے والے ہوں۔ دوستوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کے لئے عیوب تلاش کرنے والے ہوں جو ان سے بری ہیں (ترمذی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھا اور اس میں اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کے خون اور آبرو میں اور مال تم پر ہمیشہ کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج اس محترم شہر، محترم مہینہ اور محترم دن میں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جان و مال اور آبرو حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بڑے سے بڑے سود کے حکم میں ہے مسلمان کے

آبروریزی کرنا اس مضمون میں کئی حدیثیں مختلف الفاظ سے ذکر کی گئی ہیں۔ جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ مگر ہم لوگوں کے یہاں مسلمان کی آبروریزی اس قدر سہل ہے کہ معمولی سی بات پر بلکہ محض گمان اور احتمال پر اسکی آبروریزی میں ذرا بھی باک نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک مسلمان کی آبرورواتنی بڑی چیز ہے کہ اسکو بدترین سود فرمایا ہے اور بہت ہی کثرت سے یہ مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بدترین سود کسی مسلمان کو دوسرے پر گالیوں کے ساتھ بڑھانا، (جامع) یعنی ایک کے وقار کو گالیاں دے کر گرایا جائے تاکہ دوسرے کے وقار کو بڑھایا جائے۔ آج انصاف اور غور سے دیکھا جائے کہ جتنی جماعتیں بھی ہم لوگوں میں قائم ہیں سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر جماعت کے کتنے افراد ایسے ہیں جو دوسری جماعت کے اکابر کو خواہ وہ علماء ہوں یا لیڈر صرف اس لئے برا بھلا کہتے ہیں کہ ان کا وقار گرایا جائے اور اپنی جماعت کا وقار بڑھایا جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شخص اس کو برا بھی سمجھتا ہے اور برا کہتا بھی ہے۔ دوسروں کی اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ گالیاں دیتے ہیں برا بھلا کہتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا۔ اپنی جماعت کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتا یہ کوئی نہیں سوچتا اس گناہ پرست کہ در شہر شمانیز کنند۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے يَبْصُرُ أَحَدُكُمْ الْقَذْلَى فِي عَيْنِ أَخِيهِ وَيُنْسَى الْجَذْعَ فِي عَيْنِهِ (جامع) تم میں بعض آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں اور

اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس بات کو خوب غور سے سنلو یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کی آبروریزی اللہ کے نزدیک سخت ہے اور بہت ہی سخت و عیدیں اس بارے میں آتی ہیں حضور کا ارشاد ہے مسلمان کی آبرو میں بغیر حق کے زبان درازی بدترین سود ہے (جامع) بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے وہاں جائز ہے اور جہاں جائز نہیں وہ بغیر حق کے ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سود کا کمتر درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور بدترین سود مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے بہتر دروازے ہیں جن میں سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسا اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑا ہوا سود مسلمان کی آبروریزی میں زبان درازی ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر دروازے ہیں جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبرو ہے یعنی اس کی آبروریزی کرنا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی آبروریزی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایک گالی کے بدلہ میں دو گالیاں دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ جب میری امت ایک دوسرے کو آپس میں گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی (رسالہ تبلیغ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اس بارہ میں اہتمام یہاں تک ہے کہ جماعت کے بڑوں سے معمولی لغزشوں کو نظر انداز کرنے کا بھی حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثْرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُودَ (جاث)

ذی وجاہت لوگوں سے حدود کے سوا ان کی لغزشوں سے درگزر کیا کرو۔
یعنی اگر کوئی حد یعنی زنا چوری وغیرہ کا شرعی ثبوت ان پر ہو جائے تو
دوسری بات ہے کہ ان چیزوں کے ثبوت کے بعد تو کسی کی بھی رعایت
نہیں ہے۔ ان کے علاوہ ان کی معمولی لغزشوں سے درگزر کیا کرو۔ اور حدود
کے بارہ میں بھی جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس وقت تک کسی کو محض
برگمانی یا ذاتی مخالفت پر متہم کرنا جائز نہیں۔ سورہ نور میں قرآن کا زنا کے
بارے میں صاف فیصلہ ہے کہ اگر یہ لوگ چار عینی شاہد نہ لائیں تو یہ خود
(شرعی قواعد میں) جھوٹے ہیں لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ جس سے مخالفت
ہو اس کے متعلق جیسا چاہے گندہ سے گندہ کارٹون طبع کرا لو۔ جس قدر
شرمناک مضمون چاہو اسکے متعلق لکھو الو۔ زانی اور شرابی کہہ دینا تو ایک
معمولی سی بات ہے۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت
نہ ہو تہمت لگانے والوں کے انشی انشی کوڑے حد قذف (تہمت) لگاؤ۔
لیکن ہمارے یہاں الزام لگانے کے واسطے کسی شرعی شہادت کی ضرورت
نہیں حالانکہ کسی سچے الزام کے قائم کرنے کے واسطے بھی ایسے عادل گواہوں
کی ضرورت ہے جن کی عدالت کا حال محقق ہو چہ جائیکہ خود ہی اپنی طرف
سے افترا کر لیا جائے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ شیطان بھی کبھی آدمی کی صورت
میں ظاہر ہو کر کوئی جھوٹی بات کہہ دیتا ہے۔ مجمع اسکو سنتا ہے اور پھر وہ مجمع
متفرق ہو کر اس کو کہنے لگتا ہے کہ میں نے خود ایک آدمی سے ایسا سنا ہے

میں اس کا نام تو جانتا نہیں صورت پہچانتا ہوں (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم)
 اس لئے محض کسی جلسہ میں کسی مجمع میں کسی نام معروف آدمی سے
 کوئی بات سُنکر اس کا یقین کر لینا بھی زیادتی ہے تاوقتیکہ شرعی قواعد
 سے ثابت نہ ہو البتہ ایسے شخص کے متعلق احتیاط کرنا انتظاماً اس سے
 علیحدہ رہنا یا اسکو علیحدہ کر دینا یہ امر آخر ہے۔ مگر اس پر حکم لگانا امر آخر ہے۔
 اس کو غور سے سمجھ لینا چاہیے کہ کسی شخص سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ
 کر دینا یہ انتظاماً، سیاستاً، احتیاطاً بھی ہو سکتا ہے مگر اس پر کسی الزام کو قائم
 کر دینا یہ شرعی ثبوت ہی کا محتاج ہے۔ اور یہ فرضی الزامات عموماً انفرادی
 اور جماعتی حسد سے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے کا بڑھتے ہوئے دیکھنا گوارا
 نہیں ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کینہ اور حسد نیکیوں کو
 ایسا کھا جاتے ہیں جیسے کہ آگ ایندھن کو کھا لیتی ہے (جامع) حالانکہ یہ لوگ
 جو محض بدگمانیوں سے دوسروں کے ذمہ الزام تراشتے ہیں اگر نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو غور سے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے
 کہ ان حالات سے اپنا بھی نقصان کرتے ہیں کہ جس قسم کا معاملہ یہ دوسروں
 کے ساتھ کرتے ہیں ویسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائیگا۔ حضور کا ارشاد ہے۔
 کَمَا تَدِينُ تَدَانُ (مقاصد حسنہ) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ایک
 حدیث میں وارد ہے کہ بھلائی اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں
 جاتا اور دیان (بدلہ دینے والی ذات یعنی حق تعالیٰ شانہ) کے لئے موت
 نہیں (وہ حق و قیوم ہے ہر شخص کے ہر فعل کو دیکھتا ہے) جیسے چاہو عمل کر لو

جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے۔ ایک حدیث میں تورات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بدلہ پاؤ گے اور جس پیالہ سے دوسرے کو پلاؤ گے اسی پیالہ سے پیو گے (مقاصد حسنہ) ایک حدیث میں انجیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے اور جس ترازو سے تول کرو گے اسی ترازو سے تول کر تم کو دیا جائے گا (جامع الصغیر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برداری کرتا ہے جس وقت اسکی اہانت کی جارہی ہو۔ اسکی آبروریزی کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ ایسے وقت میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا۔ اور جو کسی مسلمان کی مدد ایسے وقت میں کرے گا جبکہ اسکی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی اہانت کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ اسکو مدد کی ضرورت ہو (مشکوٰۃ) حضرت ابوذر غفاری مشہور صحابی ہیں ان کا ایک طویل قہنہ حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے جس کے اخیر میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمادیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں یہ تمام چیزوں کے لئے زینت ہے اور حقیقت میں جو شخص ہر امر میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر وہ کسی عیب یا مصیبت میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا، انہوں نے عرض کیا کوئی اور بات بھی فرمادیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تلاوت قرآن اور

اللہ کے ذکر کی کثرت رکھا کرو کہ یہ آسمانوں میں تمہارے ذکر تذکرے کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے انوار کی کثرت کا سبب ہے انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اکثر چُپ رہا کرو کہ یہ شیطان کے دفعیہ کے سبب ہے کہ زبان کی بدولت وہ بہت سے ہلاکت کے مواقع میں پھنسا دیتا ہے اور چُپ رہنا دینی کاموں کے اہتمام میں معین ہے (کہ جس شخص کو فضول گوئی کا مرض ہوتا ہے بہت سے دینی کاموں سے محروم رہتا ہے) انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے احتراز کیا کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی روفق زائل ہو جاتی ہے انہوں نے اور زیادتی چاہی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو چاہے کڑوی ہی معلوم ہو۔ انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرو اور پھر اضافہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روکدے (شکوۃ)

یہ اخیر کلام میرا اس جگہ مقصود ہے کہ ہم لوگ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی فکر میں رہتے ہیں اگر ہمیں اپنے عیوب پر نظر کا جسکے پڑ جائے تو نہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ملے نہ ان کو پھیلانے کی ہمت پڑے کہ ہر وقت اپنے عیوب کا فکر دامن گیر ہے۔

ماہ پر داتے مرشد شہاب ✦ دو اندرز فرمود بر رئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود میں مباش ✦ دگر آنکہ بر غیر بد میں مباش

وحییت نامہ حضرت رائے پوریؒ

حضرت معاذ کو ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرمائیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان سب کا ملاک (یعنی جس چیز سے ان پر قدرت اور عمل سہل ہو جائے) بتاؤں۔ انہوں نے عرض کیا ضرور بتا دیجئے۔ حضورؐ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے (یعنی اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔ مشکوٰۃ) حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی زبانوں کی وجہ سے بھی مامخوڑ ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا آدمی کو جہنم میں ناک کے بل زبان کی لان کے سوا اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے۔ (حاکم و مشکوٰۃ)

زبان کی لان سے مراد یہ ہے کہ جیسا درانتی کھیتی کو کاٹ کر ایک جگہ جمع کرتی رہتی ہے ایسے ہی یہ زبان کی چینی بھی باتوں کو کتر کتر کے ایک جگہ (اعمال نامہ میں) جمع کرتی رہتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ہم لوگ جہاں دین کے اور بہت سے امور میں لاپرواہی کو کام میں لاتے ہیں زبان کے مسئلہ سے بھی بہت بے فکر ہیں۔ حالانکہ زبان کے مسئلہ ان میں بہت ہی اہم ہے مگر ہماری زبانیں ذرا بھی قابو میں نہیں ہیں۔ ہر شخص پر بے دھڑک جو دل چاہتا ہے الزام لگا دیتے ہیں دل میں اس کا خیال بھی نہیں گذرتا کہ جو الزام دوسرے پر تھوپا جا رہا ہے کسی وقت ایک بڑے حاکم کی عدالت میں اسکا بارِ ثبوت بھی اپنے ہی ذمہ ہے۔ ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نہایت بے باکی سے جس کو دل چاہے انگریزوں کا وظیفہ خوار اور سی آئی ڈی کہہ دیتے ہیں اور جس کو دل چاہے کانگریس کا نوکر اور مزدور بتا دیتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْنُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا وَلَا تَمْنَشْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ذَٰلِكَ جَمَا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ

(سورہ بنی اسرائیل ع ۵)

جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگ بے شک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کا ان میں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائیگا اور زمین پر اترتا ہوا نہ چل کہ تو (زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر) نہ زمین کو بھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے یہ سارے بے کام آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں یہ سب باتیں منجملہ اس حکمت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ پر بھیجی ہے۔ اس آیت شریفہ میں کان، آنکھ دل ہر ایک چیز کے متعلق احتیاط کا حکم ہے۔ دل میں بھی بے تحقیق بات کو جگہ دینا ظلم ہے۔ اس لئے ہر اس شخص کو جو اپنی رائے کے خلاف رائے رکھتا ہو خود غرض بتا دینا یا جب جاہ اور جب مال کا مجرم و ملزم بنا دینا بڑی سخت ذمہ داری ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کے نزدیک دین کے لحاظ سے یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے واسطے یہی صورت مناسب اور ضروری ہو جو وہ اختیار کر رہا ہے۔ مانا کہ تمہارے نزدیک وہ خطرناک صورت ہے اور نہایت نقصان دہ لیکن اول تو تمہارے پاس بھی وحی نہیں ہے کہ جو راستہ تمہارا ہے وہی حق ہے۔ خطا اور ثواب کا احتمال ہر جانب ہے۔ دوسرے

اگر ان بھی لیا جائے کہ یہی راستہ متعین ہے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ دوسرے شخص نے غلط راستہ بددیانتی اور خود غرضی سے ہی اختیار کیا ہے۔ خطا اجتہادی سے بھی ممکن ہے اس لئے تم ضروری ہے کہ اسکو سمجھاؤ اور ان اخلاق اسلامی سے جو ایک مسلمان کی شایانِ شان ہیں۔ اس کو اپنا ہم نوا بناؤ نہ یہ کہ جھوٹے سچے عیوب اس پر چسپاں کرو اور ہر وقت بہتان و غیبت میں مبتلا رہو اور اس کے درپے آزار رہو۔ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے۔
 وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَقَاتِلُوا مُبْتَدِئِيْهَا (سورہ احزاب ع ۷)

اور جو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بُڑل اسکے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے وہ شرعاً ستانے کے مستحق بن جائیں (ایذا دیتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے بھی ہو مفلس کون شخص ہے صحابہ نے عرض کیا ہم میں تو مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ نقدی ہو نہ سامان حضورؐ نے فرمایا میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز روزے اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات لیکر پہنچے۔ لیکن کسی کو گالیاں دی تھیں کسی پر بہتان لگایا تھا کسی کا مال ناحق کھایا تھا کسی کا خون کیا تھا کسی کو مارا تھا اس لئے کچھ نیکیاں اس نے لے لیں اور کچھ اس نے لے لیں اور جب نیکیاں ختم ہو گئیں اور مطالبے باقی رہ گئے تو ان مطالبوں کے بقدر صاحبِ حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے

گئے حقیقت میں اصل مفلس یہی شخص ہے کہ نیکوں کا کتنا بڑا انبار و متاع
 لیکر پہنچا لیکن تلایہ کہ دوسروں کے بھی گناہ اپنے اوپر پڑ گئے
 ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے
 بھی ہو غیبت کیا چیز ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم اللہ اور اس کے
 رسول ہی زیادہ جانتے ہیں حضور نے فرمایا کسی شخص کی ایسی بات کرنا جو
 اسکو ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر واقعی اس میں وہ عیب
 ہو حضور نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے اگر وہ عیب نہ ہو اور پھر کہا
 جائے تو یہ غیبت نہیں یہ بہتان ہے (ترغیب) البتہ یہ ضروری ہے کہ
 یہ کہنا محض عیب جوئی کی غرض سے ہو تب حرام اور گناہ ہے اور اگر
 کوئی دینی ضرورت اور مصلحت اسکے عیب کے اظہار کی مقتضی ہو تو
 مضائقہ نہیں۔ لیکن کسی ایسی بات کا کہنا جو واقعہ میں اس میں موجود
 نہیں ہے وہ کسی حال بھی جائز نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو شخص
 کسی مسلمان کو ایسی بات کہے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اسکو
 جہنم کے اس حصہ میں قید کر دیں گے۔ جہاں اہل جہنم کا پسینہ بہہ پھیر
 وغیرہ جمع ہوتا ہو (ترغیب) درحقیقت ہم لوگوں کی زبانیں قابو میں نہیں
 ہیں جس شخص کے متعلق جو چاہے بے تکلف حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ
 زبان کی حفاظت بہت ہی زیادہ اہم ہے۔ ایک صحابی نے نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جس کو
 منسوب پکڑ لوں۔ حضور نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کا مالک بنارہ۔

ایک دوسرے صحابی نے حضور سے دریافت کیا کہ کس چیز سے بچوں حضور نے فرمایا زبان سے (ترغیب) حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ آدمیوں کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے لئے قیامت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اس میں سے ان کو ہر ایک کو آوازیں دی جائیں گی کہ جلدی آجا جلدی آجا۔ جب وہ اس تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا ہوگا بڑی دقت سے دروازہ کے قریب پہنچے گا وہ دروازہ فوراً بند کر لیا جائے گا اور دوسری طرف ایک دروازہ کھل جائے گا اور وہاں سے اسی طرح بلانے کی آوازیں آئیں گی اور جب وہ بڑی مشقت سے اس دروازہ کے قریب پہنچے گا تو وہ بھی بند ہو جائے گا اور تیسرا دروازہ اسی طرح کھلے گا یہی معاملہ اس کے ساتھ رہے گا۔ حتیٰ کہ وہ مایوس ہو کر اس کھلے ہوئے دروازہ کی طرف جانے کی بھی ہمت نہ کرے گا (ترغیب) یہ بدلہ ہے اس کے مسلمانوں کے ساتھ مخلول اور مذاق کرنے کا کہ اس کے ساتھ بھی مذاق کا معاملہ کیا جائیگا جو لوگ معمولی سی مخالفت پر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے کارٹون شائع کرتے ہیں انہی ہجو میں قصائد لکھتے ہیں وہ کبھی خلوت میں بیٹھ کر اپنے حشر کا بھی غور کریں۔ مسلمان کے عقیدہ کے موافق معاملہ اس دنیا ہی میں ختم ہونے والا نہیں۔ ہر بات اعمالِ نامہ میں محفوظ ہے اور اللہ کی سچی خفیہ پولیس مسلط ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (س ق ع ۲) کوئی لفظ (آدمی) منہ سے نکالنے نہیں پایا مگر اسکے پاس ایک تاک لگانے والا (فرشتہ موجود ہوتا ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنْ دُسَلْنَا يَكْتَبُوْنَ

مَا تَمْكُرُونَ (سورہ یونس ع ۳) بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں کس قدر غور کا مقام ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم مسلمان کے لئے یہ تھی۔ اِذَا سَبَّكَ رَجُلٌ بِمَا يَعْلَمُ مِنْكَ فَلَا تَسْبَهُ بِمَا تَعْلَمُ مِنْهُ فَيَكُونُ اَجْرُ ذَلِكَ لَكَ وَوَيْلًا لَهُ عَلَيْهِ كَذَابِي الْجَامِع ۝

جب کوئی شخص تجھے ایسے عیب کے ساتھ بدنام کرے جو اس کو تیرے اندر معلوم ہے تو تو اس کو ایسے عیب سے بدنام نہ کر جو اس میں تجھے معلوم ہے اس صورت میں تیرے لئے اجر ہے اور اس کے لئے وبال ہے، مگر ہم لوگ عیب لگانے کے لئے بدنام کرنے کے لئے انتقام لینے کے لئے اسکی بھی ضرورت نہیں سمجھتے کہ اس میں وہ عیب واقعی طور پر موجود ہو بلکہ سرسراہٹ کرتے ہیں اور عیوب کو گھڑتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا تعلیمات اسلام پر عمل ایسی حالت میں ہم لوگ اپنے مخالف سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں دوسرے دیکھنے والوں کو کیا معلوم ہے کہ ہمارے یہ اعمال اسلامی تعلیم نہیں ہیں بلکہ اسکے منافی ہیں۔ کسی اجنبی دیکھنے والے کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ ہماری اسلامی تعلیم کیا ہے اور ہم اپنی تعلیم سے کتنی دور جا پڑے ہیں۔ اجنبی لوگ اسلام کی تصویر ہم لوگوں کو سمجھتے ہیں اور ان کو سمجھنا بھی چاہیے۔ لیکن ان کو کیا خبر ہے کہ ہم لوگ اپنی تعلیم پر عمل تو درکنار اسکو معلوم کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ ہم کو اپنے دین، اپنے مذہب، اپنے اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے معمولات اور معاملات معلوم کرنے کی بھی فرصت نہیں
 چہ جائیکہ ان پر عمل کریں۔ ہمارا دین روٹی بن گیا، ہمارا مذہب پیسہ بن گیا،
 ہمارا کمال دنیا جیسی ذلیل چیز کی وجاہت بن گئی۔ ہم اپنی عزت و وقار
 حاصل کرنے کے لئے یا اور کسی دنیوی فاسد غرض حاصل کرنے کے لئے کسی
 کی آبروریزی میں تامل نہیں کرتے، جھوٹ بولنے سے نہیں ہچککتے، جھوٹ
 قسم کھالینے میں باک نہیں کرتے حالانکہ کبھی مسلمان اور جھوٹ میں تضاد کی
 نسبت تھی۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو (رحمت کے)
 فرشتے اس کے منہ کے تعفن اور بدبو سے ایک میل کے فاصلہ پر چلے جاتے ہیں۔
 (مشکوٰۃ) گویا اسکی عفونت اور شرابند اتنی دور تک پھیلتی ہے۔

ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا مومن نامرد و بزدل ہو سکتا
 ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں، ہو سکتا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ مومن بخیل
 ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، ہو سکتا ہے انہوں نے عرض کیا کہ مومن جھوٹا
 ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں (مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ (مشکوٰۃ) حضرت
 ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ
 ایمان سے دور رہتا ہے (درمنثور) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عادت جھوٹ سے زیادہ ناپسند نہیں تھی۔ جب
 کسی کا جھوٹ بولنا معلوم ہوتا تو اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اس سے گرانی رہتی جب تک توبہ کا علم نہ ہو جاتا (در) حضرت عبداللہ
 بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین شخص

کون ہے۔ حضور نے فرمایا ہر مخموم (صاف) دل والا اور سچی زبان والا۔ ہم نے عرض کیا کہ سچی زبان تو معلوم ہے لیکن مخموم دل سے کیا مراد ہے حضور نے فرمایا وہ شخص جو متقی ہو صاف آدمی ہو نہ اس میں گناہ ہو نہ ظلم نہ حسد نہ کینہ (ابن ماجہ) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مومن کو تم جھوٹا نہ پاؤ گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آدمی جھوٹ کی (خوست کی) وجہ سے دن کے روزے اور رات کے تہجد سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض (جو اکابر صوفیاء میں ہیں) فرماتے ہیں کہ آدمی حلال کی کمائی اور سچ بولنے کے برابر کسی چیز سے بھی زینت نہیں پاتا (درمنثور)

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات (کا ذریعہ) کیا ہے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اپنے گھر میں جھے رہو (فضول گشت لگاتے نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو (مشکوٰۃ)

جواب نمبر

صحیح ہے اور بالکل صحیح مگر شدنی امر ہے، ہونی والی چیز ہے اور کوئی نئی چیز نہیں، کونسا زمانہ ایسا گذرا ہے جس میں علماء سے عداوت نہیں ہوئی انکی اہانتیں نہیں ہوئیں کیا امام اعظم کو قید نہیں کیا گیا۔ امام مالکؒ کو سخت سے سخت نہیں مارا گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ پر کیا کیا نہیں گذرا۔ غرض کسی جلیل القدر عالم کو لے لیجئے وہ نا اہلوں کی اذیت و تکلیف کا شکار رہا ہوگا۔ اللہ ما شاء اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو قاعدہ ہی ارشاد فرمایا۔ وَالْجَاهِلُونَ لَا أَهْلَ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ (در مختار) جہلاء اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں نیز آئندہ

کو اس میں اضافہ ہونا ضروری ہے۔ اور ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں اس چیز کو شمار کیا ہے اور جتنے علامات قیامت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں وہ تقریباً سب ہی پائے جا رہے ہیں اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا وہ عنقریب آرہے ہیں کہ ان کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ یہ چیز نہ پائی جائے بلکہ جو کچھ پیش آرہا ہے اور آتا جا رہا ہے وہ اس کے مقابلہ میں جو عنقریب آنے والا ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کو کتھوں کی طرح قتل کیا جائے گا۔ کاش اس وقت علماء بتکلف باولے بن جاتیں (یعنی ان روشن دماغوں کے کاموں میں دخل نہ دیں نہ ان کی اصلاح کی فکر کریں) ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ علماء کو موت سُرخ (کندن) سونے سے زیادہ محبوب ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں عالم کا اتباع نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ حلیم آدمی سے شرم کی جائے گی نہ اس میں بڑے کی تعظیم ہوگی، نہ چھوٹے پر شفقت ہوگی۔ دنیا کے حاصل کرنے پر آپس کا قتل و قتال ہوگا جائز کو جائز نہ سمجھیں گے، ناجائز کو ناجائز نہ سمجھیں گے، نیک لوگ چھپتے پھریں گے۔ اس زمانہ کے آدمی بدترین خلائق ہونگے۔ حق تعالیٰ شانہ قیامت میں انہی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائیں گے ایک

حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں (سچا) مومن ایسا چھپتا پھرے گا جیسے کہ تم میں منافق چھپتا ہے (الاشاعت) ایک حدیث میں ہے کہ اگر مومن گوہ کے سوراخ میں داخل ہو جاتے تو حق تعالیٰ شانہ وہاں بھی اسکے لئے کسی منافق یا اس شخص کو مسلط فرما دیں گے جو اس کو اذیت پہنچاتے (مجمع الزوائد) اس لئے اہل اللہ کی اہانت دینداروں پر سب و شتم سب ہی کچھ ہو کر رہے گا اور جتنا کچھ ہو رہا ہے اس سے زیادہ ہو گا۔ نیز علماء یا مشائخ دیندار یا متقیوں کا کیا ذکر ہے جب آج کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بر ملا علی الاعلان گالیاں دی جاتی ہیں انہی اہانتیں کی جاتی ہیں روافض کا تو مستقل کام ہمیشہ سے یہی ہے لیکن اب تو روشن دماغ سنیوں کی طرف سے ہو رہا ہے جس صحابی کی شان میں جو چاہا کہہ ملا جو دل میں آیا لکھ ڈالا نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ روکنے والا۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو میرے صحابہ کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت ہے فرشتوں کی لعنت ہے تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (جامع)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی ہے کہ اے اللہ میں ایسے زمانہ کو نہ پاؤں یا صحابہ کو خطاب فرمایا کہ تم لوگ ایسے زمانہ کو نہ پاؤ جس میں عالم کا اتباع نہ کیا جاتے، حلیم سے شرم نہ کی جاتے اس زمانہ کے لوگوں کے دل عجی (کفار) جیسے ہونگے اور زبانیں عرب جیسی (فصیح) (ترغیب) حضور کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس

میں دین پر جننے والا ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں آگ کی چنگاری پکڑنے والا (الاشاعۃ) حضورؐ نے علامات قیامت سے یہ بھی شمار کرایا ہے کہ خاندان میں (حقیقی) مومن بکری کے بچے سے زیادہ ذلیل اور ناقابل التفات سمجھا جائیگا (الاشاعۃ)

نیز علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہے کہ فاسق لوگ خاندان کے سردار سمجھے جاتیں گے اور کمینہ لوگ قوم کے ذمہ دار ہوں گے اور اس وجہ سے آدمی کا اعزاز کیا جائے گا کہ اس کے شر اور نقصان سے محفوظ رہ سکیں (الاشاعۃ) نیز یہ بھی علامات قیامت میں ہے کہ گانے والیوں کی کثرت ہو جائیگی اور باجوں کا زور ہوگا، شراب کثرت سے پی جائیگی اور امت کے اسلاف کو بُرا بھلا کہا جائیگا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی دیندار اپنے دین کو سالم نہیں رکھ سکتا مگر یہ کہ ایک پہاڑ سے دو سکر پہاڑ پراور ایک سوراخ سے دو سکر سوراخ میں جا کر چھپے جیسے کہ لومڑی اپنے بچوں کو لئے پھرتی ہے اور یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں حلال روزی مشکل بن جائے گی۔ اور بغیر اللہ کی معصیت کے روزی حاصل ہونا دشوار ہو جائے گا (الاشاعۃ)

نیز علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عام کساد بازاری ہوگی اولاد زنا کی کثرت ہوگی، غیبت پھیل جائے گی، مالداروں کی عظمت کی جائے گی، منکرات (ناجائز امور) کرنے والوں کا غلبہ ہوگا اور تعمیرات کی کثرت ہوگی (الاشاعۃ) نیز فحش گوئی، بد خلقی، پڑوسیوں

کے ساتھ برابر تاؤ۔ نیز یہ بھی علامات قیامت میں ہے۔ دفعی موت اکثریت سے) ہونے لگی گی (جو آج کل عام طور سے ہونے لگی جس کو قلب کی حرکت بند ہو جانا کہتے ہیں) غرض احادیث میں قیامت کی علامات بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں علامہ نے ان کو مستقل تصانیف میں جمع فرمایا ہے ان کا اکثر و بیشتر حصہ پایا جا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ علامت نہ پائی جائے اور جتنی کمی باقی ہے وہ پوری نہ ہو جائے وہ یقیناً پوری ہوگی اور ضرور ہوگی۔ علما پر منحصر نہیں بلکہ ہر دیندار کا یہی حشر ہونے والا ہے دین پر عمل کرنا جیسا کہ ابھی گذرا ہاتھ میں چنگاری لینے سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کی علامات سے یہ بھی ہے کہ سچے آدمیوں کو جھٹلایا جائے گا اور جھوٹوں کی تصدیق کی جائے گی (اشاعت)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب نوجوان فاسق بن جائیں گے اور عورتیں سرکش ہو جائیں گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا حضورؐ نے فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بُری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائیگا۔ حضورؐ نے فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا پھر آپؐ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم

بُری چیزوں کے کرنے کا حکم کرو گے اور اچھے کاموں کے کرنے سے منع کرنے لگو گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائیگا۔ حضور نے ارشاد فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نیک کاموں کو بُرا سمجھنے لگو گے اور ناجائز چیزوں کو اچھا سمجھنے لگو گے (جمع الفوائد) اخیر کے دو جملوں میں یہ فرق ہے کہ کسی بُرے کام کو کرنا اور چیز ہے اور اسکو اچھا سمجھنا اور چیز ہے۔ شریعت کی نگاہ میں کسی بُرے کام کو کرنا اتنا سخت نہیں ہے جتنا اسکو اچھا سمجھنا سخت ہے کہ اس میں عقیدہ کی خرابی ہے اور عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے ہمیشہ زیادہ سخت ہوتی ہے آدمی کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کرنے لگے وہ کفر نہیں ہے لیکن اسلام کی کسی معمولی سے معمولی چیز کے جس کا ضروریات دین میں سے ہونا ثابت ہو چکا ہو۔ استخفاف یا انکار کرنے سے اسلام باقی نہیں رہتا وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے جب یہ علامات اکثر پائی جارہی ہیں ایسے حالات میں اگر دینیات کو یا علم و علماء کو بُرا بھلا کہا جائے یا بُرا سمجھا جائے تو کیا بعید ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ مسعودؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم لوگ آجکل ایسے زمانہ میں ہو کہ علماء کی کثرت ہے اور قاریوں کی کمی ہے قرآن پاک کے حدود کی رعایت بہت زیادہ ہے حروف کی رعایت اتنی نہیں ہے۔ سوال کرنے والے کم ہیں عطا کرنے والے کثرت سے ہیں نمازیں لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور خطبے (وعظ) مختصر مختصر کہتے ہیں اپنے اعمال کو اپنی خواہشات

پر مقدم کرتے ہیں لیکن عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کی
 قلت ہوگی قراء کی کثرت ہوگی قرآن کے الفاظ کا اہتمام زیادہ ہوگا
 اس کے احکام کی رعایت بہت کم ہوگی، سوال کرنے والے بہت ہو جائیں
 گے اور عطا کرنے والے کم ہونگے خطبے (اور تقریریں) لمبی لمبی ہوں گی
 نمازیں مختصر ہو جائیں گی خواہشات اعمال پر مقدم ہو جائیں گی (جمع غرض
 یہ سب چیزیں ہونگی اور ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سب کے علاوہ قانون الہی
 کا مقتضا بھی ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ مشاہیر کے لئے سب و شتم بھی ایک
 قدیمی معمول ہے کوئی زمانہ بھی اس سے خالی نہیں گذرانہ گذرے نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح حدیث میں وارد ہے۔ اِنَّ حَقَّ عَلٰی اللّٰهِ
 اَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهُ كَذًا فِي الْجَامِعِ
 بِرَوَايَةِ الْبُخَارِيِّ وَابْنِ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَاحْمَدُ عَنْ اَبِي النَّسْرِ اللّٰهُ تَعَالٰی کی یہی
 عادت ہے کہ دنیا کی جس چیز کو بلند کرتے ہیں اسکو پست بھی کرتے ہیں یہی
 وجہ ہے کہ تمام عالم پر غور کر لو گذرے ہوئے زمانوں کو دیکھو اور زمانہ حال
 کو جانچو جس شخص کی شہرت جس نوع کی پاؤ گے اسی نوع کی اسکی اہانت
 دیکھو گے۔ جن لوگوں کی اخبارات و اشتہارات میں تعریفیں دیکھو گے
 اخبارات و اشتہارات ہی میں امانتیں بھی پاؤ گے اور جن کی مجالس عامہ
 یا خاصہ میں شہرت دیکھو گے ویسی ہی مجالس میں ان پر سب و شتم بھی
 پاؤ گے کبھی کبھی زمانی تقدیم تاخر تو ملے گا مگر اسکا تخلف شاید نہ ملے۔ اس لئے یہ چیز
 نہ قابل التفات ہے نہ قابل خیال علماء کو نہ اس طرف متوجہ ہونے کی

ضرورت ہے نہ ازالہ کے فکر کی جس چیز کی اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ دیانۃً فیما بینہم و بین اللہ معاملہ صاف ہونا چاہیئے عورت و وقار کے حاصل کرنے کی غرض سے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے بلکہ جو قدم بھی اٹھایا جائے وہ اللہ کی رضا اسکے دین کی حفاظت اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اعلیٰ کلمۃ الحق کی نیت سے ہو کوئی ساتھ ہو الحمد للہ نہ ہوان کی پاپوش سے کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ناہل اور ناحق لوگوں کے ہاتھ سے اذیتیں نہیں اٹھائیں سب و شتم درکنار زخم نہیں کھاتے قتل نہیں ہوتے خود سید الانبیاء اور خضر رسل نے کیا کیا کچھ نہیں سنا۔ ساحر، مجنون، کاہن جماعتوں میں تفریق پیدا کرنے والا وغیرہ غیر ناشائستہ الفاظ سے نہیں پکارے گئے غرض کوئی ایسی چیز ہوتی جو برداشت نہیں کی گئی۔ پھر دارشین انبیاء کو اس کا کیا قلق اور گلہ ہو سکتا ہے جو چیز قابل فکر قابل اہتمام قابل لحاظ اور قابل خیال ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے واسطے برداشت کیا جائے محض اسکی رضا مقصود ہو اور اسی کے لئے یہ سب کچھ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی حاصل نہ ہو کہ یہ یقیناً خسران ہے اور اللہ کی رضا کے بعد جس کا جو دل چاہے کہے بلکہ میں تو بعض اوقات یہ خیال کیا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے کم ظرف لوگوں کے لئے تو یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور کطف ہے کہ یہ مالدار لوگ اس سے علیحدہ اور مجتنب رہیں حضرت مرزا مظہر جانجاناؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ الحمد للہ اس زمانہ میں دنیا دار فقرا سے تعلق نہیں رکھتے ورنہ ان کو دقت ہوتی۔

حضرت خواجہ ہاشم نے حضرت مجدد صاحبؒ کے مقالات میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ خواجہ حسام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفا میں تھے حاضرین میں سے کسی نے اغنیا کی شکایت کی کہ وہ فقار سے تعلق نہیں رکھتے پہلے امر جیسا احترام بھی ان کے قلوب میں نہیں ہے خواجہ صاحبؒ فرمایا کہ برادر من یہ اللہ کی بڑی حکمت ہے اس لئے کہ پہلے زمانہ میں فقار اس قدر یکسو تھے کہ جتنا بھی امر اس طرف متوجہ ہوتے وہ ان سے علیحدہ ہی رہتے اس زمانہ میں ہم لوگ ایسے نہیں ہیں بلکہ اگر یہ لوگ ہم سے تعلقات بڑھائیں اختلاط پیدا کریں تو ہم لوگ اپنی فقیرانہ و ضعداری کو باقی نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے اللہ جل شانہ کا کرم محافظ بن رہا ہے۔ (کلمات طیبات) البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علمائے حق کے درپے آزار میں انکی اہانت و تذلیل کو خیر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں وہ غالباً بلکہ یقیناً علما کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیاوی متاع میں شاید نقصان پہونچا سکیں بشرطیکہ وہ مقدر میں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یا دنیوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے نقصان پہونچا سکیں گے مگر یہ لوگ اپنے کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی نقصان کر رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے (غریب)

اس ارشاد نبوی کے بعد علما کو علی العموم گالیاں دینے والے بُرا بھلا کہنے والے اپنے کو اُمت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحب اُمت ان کو اپنی اُمت میں شمار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (اور ذلیل) نہیں سمجھ سکتا۔ ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو دوسرا اہل علم تیسرے منصف بادشاہ (ترغیب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اُغْدُ عَالِمًا أَوْ مَتَعِلًا أَوْ مُسْتَعْمِلًا أَوْ مُجْتَبَا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَحْلِكَ (مقاصد حسنہ جامع) کہ تو یا عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (علم اور علماء) سے محبت رکھنے والا۔ پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا، ورنہ ہلاک ہو جائے گا حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ تو عالم بن یا طالب علم اور اگر دونوں نہ بن سکے تو علماء سے محبت رکھنا ان سے بغض نہ رکھنا (مجمع) ایک حدیث میں وارد ہے حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرَفَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ عَنْ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ كَذَا فِي الْجَامِعِ وَرَقَمَ لَهُ بِالضَّعْفِ لَكِنْ قَالَ الْعَزِيزِيُّ مَتْنُهُ صَحِيحٌ قرآن شریف کے حاملین (یعنی حفاظ اور علماء) قیامت کے دن جنت والوں کے چودہری ہوں گے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ فَمَنْ عَادَاهُمْ عَادَى اللَّهَ وَمَنْ وَالَاهُمْ فَقَدْ وَالَى اللَّهَ رَوَاهُ الدِّیْلَمِيُّ وَابْنُ النَّجَّارِ عَنْ

ابْنِ عُمَرَ كَذًا فِي الْجَامِعِ وَرَقْمُهُ بِالضُّعْفِ ۝

حاملین قرآن اللہ کے ولی ہیں جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ سے دوستی کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں کرتا منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ علم والے شخص کو دیکھیں اور اسکو وضائع کر دیں پروا نہ کریں (ترغیب)

امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔ اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہاء (علماء) اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ جبرالامہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچاتے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے اس نے اللہ جل جلالہ کو اذیت پہنچائی۔ حافظ ابوالقاسم بن عساکر فرماتے ہیں۔

اعْلَمْ يَا أَخِي وَفَقِنِي اللَّهُ وَأَيَّاكَ بِرِضَايِهِ وَجَعَلْنَا مَعْنَى تَخْشَاهُ وَيَتَّقُهُ تَقَاتِهِ أَنْ لِحُومٍ	میرے بھائی ایک بات سنئے حق تعالیٰ شانہ، مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ
--	--

الْعُلَمَاءُ مَسْمُومَةٌ وَعَادَةُ اللَّهِ فِي هَتَاكَ أَسْتَارِ مَنْتَقِصِهِمْ مَعْلُومَةٌ وَإِنَّ مَنْ أَطْلَقَ اللِّسَانَ فِي الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ بَلَاءُهُ اللَّهُ قَبْلَ مَوْتِهِ بِمَوْتِ الْقَلْبِ۔

چاہیئے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں (بی بات سنئے) کہ علما کے گوشت (یعنی غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور انکی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ علما کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں (جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے اسکے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اسکے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔)

(شرح مہذب)

مولانا عبدالحی صاحب اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

کہ اگر مقصود آن دشنام دہندہ استخفاف علم و تحقیر علما من حیث العلم است فقہاء حکم بکفرش می دہند ورنہ در فاسق و فاجر بودن آنکس و مستحق غضب الہی و مستوجب عذاب دنیوی و اخروی شدن آن شبہ نیست

اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علما کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہاء اسکے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر کسی دروجہ ہے تب اس شخص کے فاسق و فاجر ہونے میں اور اللہ کے غصہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔

اس کے بعد فقہاء کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید نقل فرمائی ہے علامہ عبدالوہاب شعرانی جو اکابر صوفیہ میں ہیں انہوں نے ایک کتاب عبود محمدیہ میں لکھی ہے جس کا حاشیہ یہ ہے کہ فلاں فلاں باتوں پر حضورؐ نے عہد لئے ہیں۔ اس میں لکھتے ہیں۔

ہم لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کا اکرام کریں اعزاز کریں اور انکی تعظیم کریں اور ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے (احسانات کا) بدلہ ادا کر سکیں۔ چاہے ہم وہ سب کچھ دیدیں جو ہماری ملک میں ہے اور خواہ مدت العمر انکی خدمت کرتے رہیں اس معاہدہ میں بہت سے طلبہ اور بہت سے مریدین کوتاہی کرنے لگے ہیں حتیٰ کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے استاد کے حقوق واجبادا کرتا ہو یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری ہے جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے ساتھ لا پرواہی کا پتہ چلتا ہے جس نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

❖ ❖ ❖

أَخَذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ
مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَكْرِمَ الْعُلَمَاءَ
وَنُجَلِّهُمْ وَنُقِرَّهُمْ وَلَا
نَرَى لَنَا قُدْرَةَ عَلَى
مُكَافَاتِهِمْ وَلَوْ أَعْطَيْنَا
هُمْ جَمِيعَ مَا نَمْلِكُ أَوْ
خَدَمْنَا هُمُ الْعُمَرُ كُلَّهُ
وَهَذَا الْعَهْدُ قَدْ أَخَلَّ
بِهِ غَالِبُ طَلِبَةِ الْعِلْمِ
وَالْمُرِيدِينَ فِي طَرِيقِ
الصُّوفِيَّةِ حَتَّى لَا نَكَادُ نَرَى
أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُومُ بِوَجِبِ
حَقِّ مُعَلِّمِهِ وَهَذَا أَدَاءُ
عَظِيمٍ فِي الدِّينِ مُؤَذَّنٌ
بِاسْتِثْنَائِهِ الْعِلْمُ بِأَمْرٍ مِنْ
أَمْرِنَا بِاجْتِلَالِ الْعُلَمَاءِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَأَقِ الْأَنْوَارِ الْقُدْسِيَّةِ فِي
بَيَانِ الْعُزْرِ الْمُحَمَّدِيَّةِ وَفِيهِ الْيُضَاءُ

أَخَذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَنْ نُبْجِلَ الْعُلَمَاءَ
 وَالصَّالِحِينَ وَالْأَكَابِرَ وَلَوْ
 لَمْ يَعْلَمُوا بَعْلَهُمْ وَنَقُومُ
 بِوَأَجِبْ حُقُوقَهُمْ وَفُكِّلَ
 أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ فَمَنْ أَخَلَّ
 بِوَأَجِبْ حُقُوقَهُمْ مِنْ
 الْأَكْرَامِ وَالتَّبْجِيلِ فَقَدْ
 خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ
 الْعُلَمَاءَ نَوَاقِبُ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَمَلَةُ
 شَرْعِهِ وَخُدَّامِهِ فَمَنْ اسْتَهَانَ
 بِهِمْ تَعَدَّى ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَذَلِكَ كُفْرٌ وَتَأْمَلْ مَنْ
 اسْتَهَانَ بِغُلَامِ السُّلْطَانِ
 إِذَا أَرْسَلَهُ إِلَيْهِ كَيْفَ
 يَسْمَعُ السُّلْطَانُ مِنْ رَسُولِهِ

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ
 ہم لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 طرف سے یہ عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء کی اور
 صلحاء کی اور اکابر کی تعظیم کیا کریں چاہے
 وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کیا کریں اور ہم لوگ
 ان کے حقوق واجبہ کو پورا کرتے رہیں اور ان کے
 ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں جو شخص
 ان کے حقوق واجبہ اکرام و تعظیم میں کوتاہی کرتا ہے
 وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت
 کرتا ہے اس لئے کہ علماء رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے جانشین ہیں اور ان کی شریعت
 کے حامل اور اس کے خادم پس جو شخص
 ان کی اہانت کرتا ہے تو یہ سلسلہ حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور یہ کفر
 ہے اور تم غور کر لو کہ بادشاہ اگر کسی کو
 ایلی بناکر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اس
 کی اہانت کرے تو بادشاہ ایلی کی بات
 کس غور سے سنے گا اور اپنی اس نعمت
 کو جو اس اہانت کرنے والے پر تھی

فِيهِ وَيَسْلُبُ نِعْمَةً ذَٰلِكَ
الَّذِي اسْتَهَانَ وَيُطْرَدُ
عَنْ حَضْرَتِهِ بِخِلَافِ
مَنْ بَجَلَهُ وَعَظَمَهُ وَقَامَ
بِوَاجِبِ حَقِّهِ يُقْرِئُهُ السُّلْطَانُ

ہٹالے گا اور اس کو اپنے دربار سے
ہٹا دیگا بخلاف اس شخص کے جو اہل طہ کی
تعظیم و توقیر کرتا ہے اور اس کا حق
ادا کرتا ہے تو بادشاہ بھی اس کو اپنا
مقرب بنا لیتا ہے۔

اس مضمون میں یہ بات کہ چاہے وہ اپنے علم پر عمل کرنے والے نہ ہوں
ایسی ہی ہے جیسا کہ اس خط کے شروع میں حضرت معاذ کے کلام میں مفصل
گزر چکی ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
کہ جب میری امت اپنے علم سے بغض رکھنے لگے گی اور بازاروں کی
عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال و دولت کے ہونے پر نکاح
کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں بجائے دین داری اور تقویٰ کے مالدار کو دیکھا
جائیگا) تو حق تعالیٰ شانہ چار قسم کے عذاب ان پر مسلط فرمادیں گے قحط سالی
ہو جائیگی، بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے حکام خیانت کرنے لگیں
گے اور دشمنوں کے پے درپے حملے ہوں گے (حاکم) آج کل ان عذابوں میں
سے کونسا نہیں ہے جو امت پر مسلط نہیں لیکن وہ اپنی خوشی سے ان کے
اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک گھر میں ایک کتیا تھی جس کے بچہ ہونے کا وقت
قریب تھا ان لوگوں کے یہاں کوئی شخص مہمان ہوا تو کتیا نے خیال کیا کہ

آج رات کو مہمان پر شور نہ کروں گی لیکن پتہ پیٹ ہی میں سے شور کرنے لگا
حق تعالیٰ شانہ نے وحی سے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال اس اُمت کی ہے
ہے جو تمہارے بعد آنے والی ہے کہ اسکے بے وقوف اس اُمت کے
عالموں پر غالب ہو جائیں گے (مجمع الزوائد)

فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں کثرت سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ
علم سے اور علماء سے بغض و نفرت سخت اندیشہ ناک ہے۔ فتاویٰ عالمگیر
میں انصاف نقل کیا ہے۔ مَنْ أَبْغَضَ عَالِمًا قَدْ غَيْرَ سَبَبِ ظَاهِرٍ
خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ۔ جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے
بغض رکھے اسکے کفر کا اندیشہ ہے۔ ظاہری سبب سے یہ مراد ہے کہ اگر
کوئی شرعی وجہ اور دلیل اس بات کی ہو تو مضائقہ نہیں ہے
لیکن بلا کسی شرعی وجہ کے ایسا کرنا سخت اندیشہ ناک ہے۔ ایسی صورت
میں کہ جب اندیشہ ناک صورت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے کیا ضروری
نہیں کہ شخص اس چیز میں خصوصی احتیاط برتے کسی عالم کے قول کو رد کرنے
کا حق ضرور حاصل ہے اسکی تردید ضرور کی جاسکتی ہے مگر جب ہی
جب اس کے قول کے بالمقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو اس
کے قول کے خلاف نصوص شرعیہ موجود ہوں اور رد کرنے والا نصوص
سے استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ
عالم جو بھی کہدے وہ صحیح ہے اور اس کے قول پر رد اور انکار نہ کیا
جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس

کے قول پر رد نہ کیا جاسکے یا اس کے اقوال و افعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو بے شک ہے اور ضرور ہے لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعت مطہرہ میں حدود قائم ہیں اس کے درجات ہیں اس کے قواعد اور آداب ہیں تا وقتیکہ ان سے واقفیت نہ ہو رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ علماء بے عیب ہیں یا ان میں کوتاہیاں نہیں ہیں یقیناً ہیں اور بمقتضائے زمانہ ہونا بھی چاہئیں مگر ان کی کوتاہیوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ چند امور قابل غور اور قابل لحاظ ہیں اہل علم ہی ان چیزوں پر زیادہ اچھی طرح روشنی ڈال سکتے تھے مگر چونکہ یہاں معاملہ خود ان کی ذات کا آجاتا ہے اس لئے اس مسئلہ میں ان کو زیادہ واضح گفتگو کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اپنے وقار کا مسئلہ آجانے کی وجہ سے وہ اس میں وضاحت اور زور سے رد کرنے میں تساہل کرتے ہیں۔ میں اجمالی طور پر تمہیں ان امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں اول تو اس وجہ سے کہ میرا اور تمہارا خصوصی تعلق اس بدگمانی سے بالاتر ہے کہ میں اپنا اعزاز تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ میرا کچھ زیادہ شمار بھی علماء کی جماعت میں نہیں ہے ایک کتب فروش ہوں کتابیں بیچتا ہوں اور ایام گزاری کرتا ہوں تیسرے یہ خط بھی میرا ایک نجی خط ہے چوتھے اس وجہ سے کہ میں تمہارا بلکہ میرے سب دوستوں کا جو معاملہ ہے وہ میری حیثیت سے زیادہ ہے۔ اس لئے غور سے سنو یہاں چند

امور قابل لحاظ ہیں اور عام طور سے ان میں خلط کیا جاتا ہے یا عمدًا ان سے اعراض یا تسامح کیا جاتا ہے اور کہیں ناواقفیت بھی اس کا سبب ہے۔ بہر حال یہ امور قابل غور ہیں۔

۱۔ کیا ہر وہ شخص جو اہل علم کے لباس میں ہو کسی عربی مدرسہ میں طلباء کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو یا تقریر دلچسپ کرتا ہو یا تحریر اچھی لکھتا ہو وہ عالم ہے اور علما کی جماعت کا فرد ہے اس لئے ہر شخص کی بات کو لیکر اور سن کر علما کی طرف منسوب کر دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے کیا کھرا کھوٹا اصل جعلی واقعی مصنوعی دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے۔ دیکھو دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز سونا چاندی اور جواہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ حکیم و ڈاکٹر کا پیشہ ہے تو پھر کیا دونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ اور اصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتا ہو یا واقعی سے مصنوعی بڑھے ہوئے نہ ہوں تو پھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کو اس وجہ سے گالیاں دی جاتی ہیں کہ ان کے لباس میں مصنوعی اور خطرہ جان طبیب زیادہ ہیں یا ہر سونے چاندی اور جواہرات کو اس وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ملتے ہیں نہیں نہیں بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں شہور اور واقف طبیب میسر نہیں ہوتا وہاں جان بوجھ کر ایسے ہی طبیبوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یہ کیوں اس لئے کہ ضرورت سخت ہے اور طبیب حاذق کے پاس فوراً پہنچنا مشکل ہے۔ مصنوعی

سونا دیدہ و دانستہ خریدا جاتا ہے کیونکہ ضرورت کو پورا کرنا ہی ہے اور اصلی سونا اس وقت ملنا دشوار ہے یا گراں ہے کہ تحمل نہیں ہو سکتا لیکن علماء سب ہی گردن زونی ہیں اس لئے کہ ان کے لباس میں جھوٹے بہت ہیں۔ تم نے غور کیا کہ یہ فرق کیوں ہے اس لئے کہ وہ ضرورت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اور یہ بے ضرورت ہے ان کے بغیر چارہ کار نہیں ہے اور یہ بیکار مد ہے ان میں اچھے سے اچھے طبیب کی تلاش ہے لیکن اس وقت تک کہ اچھا طبیب ملے جو بھی موجود ہو وہ نہایت مغتنم ہے اور اسکی رائے پر عمل نہایت اہم اور ضروری ہے اور یہاں حقیقی علمائے نہیں ہیں اور جو ملتے ہیں وہ ہمارے نزدیک کامل نہیں ہیں اس لئے لغو و بیکار ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے اور دینی ضرورت کو ضرورت سمجھا جائے دین کا اہتمام اور اسکی فکر قلوب میں کم از کم اتنی ہو جتنی ایک عزیز کے بیمار ہونے کی یا بیٹی کے نکاح کرنے کی تو عالم کامل کی تلاش میں طبیب حاذق کی تلاش سے زیادہ سرگرداں ہوں اگر دین کا فکر ہو تو حقیقی ضرورت یہی ہے عزیز کی بیماری کا منتہا موت ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ حاذق سے حاذق اور ماہر سے ماہر طبیب یہاں بے بس ہے وہ اپنا ہی کچھ نہیں بنا سکتا تو دوسرے کا کیا کر سکتا ہے۔ بیٹی کی شادی میں زور نہ ہی میسر آ سکتا تو کیا بگڑ گیا اتنا ہی ہوا کہ برادری کے لوگ عزیز و اقارب طعن و تشنیع کریں گے وہ ابھی کب چھوڑ دیں گے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اب چار سناٹیں گے اس وقت آٹھ

سنادیں گے لیکن علماء کی ضرورت دین کے لئے ہے جس کے بغیر زندگی بیکار ہے دنیا میں آنا بیکار ہے۔ آدمی صرف دین ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ؕ تَقَىٰ سَجَانَهُ وَتَقَدَّسَ كَا اِرشاد ہے کہ میں نے آدمی اور جن صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کئے ہیں جب یہی اصلی غرض آدمی کی پیدائش سے ہے تو اس کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسا کہ آسمان میں ستارے جن کے ذریعہ سے جنگل کے اندھیروں اور سمندوں کے سفر میں راستہ پہچانا جاتا ہے اگر ستارے بے نور ہو جاتیں تو اقرب ہے یہ بات کہ رہبران قوم راستہ سے بھٹک جاتیں (ترغیب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نبوت کے درجہ سے بہت قریب جماعت ایک علماء کی ہے دو سکر مجاہدین کی اس لئے کہ علماء اس چیز کا راستہ بتاتے ہیں جو اللہ کے رسول لیکر آتے ہیں اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اس طرف متوجہ کرتے ہیں (احیاء) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر کی بات سکھانے والے کے لئے اللہ جل شانہ رحمت بھیجتے ہیں فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے حتیٰ کہ چوٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہتی ہیں (ترمذی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا

ارشاد ہے کہ جب کوئی عالم مرجاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی اسکا نائب ہی بھر سکتا ہے (احیاء)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ایک ہزار (عابد) جو شب بیدار ہوں اور دن بھر روزہ رکھتے ہوں ان کی وفات ایک ایسے عالم کی وفات سے زیادہ سہل ہے جو حلال و حرام سے واقف ہو (احیاء) دوسری یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا کے ہر کام میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مکان بنانا ہے تو مستری بغیر چارہ نہیں اور قفل درست کرنا ہے تو لوہار بغیر گذر نہیں مقدمہ کرنا ہے آپ لاکھ سمجھدار ہوں ہو شیاء ہوں لیکن وکیل بغیر مقرر نہیں آپ لاکھ قابل ہوں لیکن تعمیر مستری ہی کرے گا مگر علم دین ایسا ارزاں ہے کہ ہر شخص جو ذرا بھی بولنا یا لکھنا جانتا ہے وہ واقف اسرار شریعت ہے محقق ملت ہے اسکی محققانہ تحقیق کے خلاف قرآن شریف اور احادیث نبویہ بھی قابل قبول نہیں پھر علماء بیچاروں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور چونکہ اسکے مقابل اگر کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ علماء کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے جتنا بھی یہ روشن دماغ علماء کے خلاف زہر انگلیں اور علما کے خلاف جھوٹ یا سچ الزام لگا کر عوام کو ان بدکایتیں وہ قرین قیاس ہے کہ ان کی غلط باتوں اور دین میں تحریف کی پردہ درسی علما ہی سے ہوتی ہے وہ مخالف بھی بنیں گے وہ دشمن بھی بنیں گے اور جو کچھ کر سکتے ہیں سب ہی کچھ کریں گے مگر کیا ہو سکتا ہے ایسے لوگوں کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنے

بعد سب سے زیادہ خوف تم پر ہے ہر اس منافق کا جو زبان کا ماہر ہو (ترغیب)
 کہ یہ لوگ اپنی شستہ تقریر و تحریر سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر گمراہ کرتے
 ہیں اور دین کے ہر جز کا استہزاء و مذاق کرتے ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ
 نے اپنے زمانہ خلافت میں دین کے اجزاء کے متعلق بھی ہر فن کے خواص
 کو ممتاز فرمادیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ جابیہ میں خطبہ (وعظ) فرمایا جس میں
 یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص کلام اللہ شریف کے متعلق کوئی بات معلوم کرنا
 چاہے وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے اور جس شخص کو فرائض کا کوئی مسئلہ
 معلوم کرنا ہو وہ زید بن ثابتؓ کے پاس جائے اور جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ
 معلوم کرنا ہو وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس جائے البتہ جس شخص کو (سب مال مال
 سے) کچھ مال طلب کرنا ہو وہ میسرؓ پاس آئے کہ مجھے اللہ نے والی اور مال
 تقسیم کرنے والا بنایا ہے (مجمع الزوائد)

اور پھر حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تو ہر شعبہ کی مستقل جماعتیں
 قائم ہو گئیں تھیں محدثین کی جماعت علیحدہ فقہاء کی علیحدہ مفسرین کا گروہ
 مستقل و عظیم مستقل صوفیہ مستقل لیکن ہمارے زمانہ میں ہر شخص اس قدر
 جامع الاوصاف اور کامل مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت
 لکھنے لگے بلکہ صرف اردو کی عبارت دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر برجستہ کرنے
 لگے تو پھر وہ تصوف میں مستقل اہل الرائے ہے فقہ میں مستقل مجتہد ہے قرآن
 پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے نہ اسکا پابند کہ
 سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں نہ اس کی پروا کہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ارشادات اسکی نفی تو نہیں کرتے۔ وہ دین میں مذہب میں جو

چاہے کہے جو منہ میں آتے بکے کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اس پر نکیر کر سکے یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ لکیر کا فقیر ہے تنگ نظر ہے پست خیال ہے تحقیقات عجیبہ سے عاری ہے لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے اسلاف نے جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی باتیں نکالے وہ دین کا محقق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے خطا کی (مجمع الزوائد) مگر یہ لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔

اور صریح ظلم یہ ہے کہ علماء کو ہر شخص مشورہ دیتا ہے کہ وہ تفریق نہ کریں تغیسق نہ کریں تکفیر نہ کریں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ روشن دماغ دین کی حدود سے نہ نکلیں یہ نبوت کا انکار کر دیں یہ قرآن و حدیث کا انکار کر دیں یہ نماز روزہ کو لغو بتا دیں یہ حضور کی شان میں گستاخیاں کریں صحابہ کرام کو گالیاں دیں ائمہ مجتہدین کو گمراہ بتا دیں فقہ اور حدیث کو ناقابل عمل بتا دیں۔ دین کے ہر ہر جز سے انکار کریں دین کی ہر بات کا استہزاء اور مذاق اڑائیں لیکن یہ پھر بھی مسلمان رہتے ہیں پکے دنیدار رہتے ہیں اور جو ان کے خلاف آواز اٹھاتے وہ دین کا دشمن ہے مسلمانوں کا بدخواہ ہے وہ کافر بنانے والا ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو علماء کافر بناتے نہیں بتاتے ہیں اس لئے کہ جو شخص ضروریات دین

میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کر دے وہ اپنی رضا و رغبت اور اپنی روشن خیالی یا اپنے جہل سے کافر تو خود ہی بن چکا ہے خواہ اسکو کوئی کافر بتائے یا نہ بتائے اور اگر وہ اب تک کافر نہیں بنا تو کسی کے کافر بتانے سے کافر نہیں بنتا اور اگر بن چکا ہے تو کسی کے کافر نہ بتانے سے مسلمان نہیں رہ سکتا اگر غور سے دیکھا جائے تو کافر بتانے والے کا تو احسان ہے کہ وہ اس پر تنبیہ کر رہا ہے متنبہ کر رہا ہے کہ جو چیز تم نے اختیار کی ہے وہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے اور کفر میں داخل کر دینے والی ہے اگر دین کی فکر ہے تو اس تنبیہ پر متنبہ ہونا چاہیئے۔ کہنے والے کے قول پر اعتماد نہیں تو خود تحقیق کر لینا چاہئے کہ کہنے والے کا قول صحیح ہے یا غلط ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ غلط ہو گا اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض اوقات غلط بھی ہوتا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ہمیشہ ہی غلط ہوتا ہے اس لئے یہ نظریہ کہ مغربی تعلیم کے زیر اثر یا دین سے ناواقفیت کے سبب کہنے والا جو چاہے کہہ گزرے اور کر گزرے اس کو ہرگز کافر نہ کہا جائے۔ دنیا کے ساتھ خیر خواہی نہیں یہ ناواقفوں کو اور ان لوگوں کو جو ناواقفیت سے اس آفت میں مبتلا ہو جانے والے ہیں کافر نہ مانا ہے اس لئے حقیقت میں کافر بنانے والے وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ کفر کی باتوں پر تنبیہ نہ کی جائے ان کو واضح اور ظاہر نہ کیا جائے۔ لوگوں کا یہ خیال کہ ----- کفر آج کل ایسا سستا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کافر ہے۔ اور اس خیال سے کفریات

سے متاثر نہ ہونا یہ خود دین ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے فقہائے امت کے اقوال سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ بلا تردد آج کل جہالت کی وجہ سے کفر بہت سستا ہے۔ کفریات کا علم لوگوں کو ہے نہیں سوائے ان میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد خود ہی صاف طور سے اس پر دال ہیں کہ کفر بہت سستا ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال میں جلدی کرو مبارک (وہ وقت آجائے جس میں) ایسے فتنے واقع ہوں جو اندھیری رات کے حصّوں کی طرح ہوں (کہ حق ناحق کا پہچانا مشکل ہو جاتے) ان میں صبح کو آدمی مسلمان ہوگا شام کو کافر ہوگا۔ شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دے گا۔

(مشکوٰۃ بروایۃ مسلم)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک فتنہ ایسا آنے والا ہے کہ ہر طرف سے جہنم کی طرف لے جانے والے بُلارہے ہوں گے (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ غریب ایسے فتنے آنے والے ہیں کہ ان میں آدمی صبح کو مومن ہوگا شام کو کافر مگر وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہ علم کی بدولت زندہ رکھے (دارمی) علم کی بدولت زندہ رکھنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کفر و ایمان کی حدود سے واقف ہو وہ اس چیز کو جانتا ہو کہ کس چیز سے آدمی مسلمان بنتا ہے اور کس بات سے کافر ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت

(پریشان کن) فتنے ہونگے جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو آدمی ان میں مسلمان ہوگا شام کو کافر شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس وقت اپنے گھروں کی ٹاٹ بن جانا (یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا) (مشکوٰۃ بروایت ابی داؤد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک ایسا سیاہ فتنہ آنے والا ہے جس کے اثر سے اس اُمت کا کوئی بھی آدمی نہ بچے گا۔ جب یہ سمجھا جاتے گا کہ اب ختم ہو گیا پھر کوئی اور شاخ نکل آئے گی۔ صبح کو آدمی اس میں مسلمان ہوگا شام کو کافر۔ شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر حتیٰ کہ دو جماعتیں ایسی بن جائیں گی کہ ایک جماعت خالص مسلمانوں کی جن میں ذرا بھی نفاق نہ ہوگا ایک خالص منافقوں کی جن میں ذرا بھی ایمان نہ ہوگا اس وقت دجال کا ظہور ہوگا (مشکوٰۃ بروایت ابی داؤد) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی (درمنثور بروایت المحاکم صحیح عن ابی ہریرۃ بروایت ابن مردودۃ عن جابر اہ قلت صحیح المحاکم وافر علیہ الذہبی، دارمی، مجمع الزوائد)

آخر یہ کفر کی ارزانی مولویوں کی پیدا کی ہوئی تو نہیں ہے یہ تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی ارشاد فرما گئے۔ ایسی

صورت و حالات میں کیا یہ ضروری نہیں کہ دین کے باب میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے اس لئے اب کسی کا بھی اعتبار نہیں۔ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس صورت میں ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ اس حالت میں خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جن وجوہ سے ایک جماعت دوسری جماعت کو کافر کہتی ہے ان وجوہ کو علم دین سے تحقیق کیا جائے کہ ان امور سے واقع میں کفر ہو جاتا ہے یا نہیں اگر واقع میں کفر ہو جاتا ہے تو ان سے اپنے کو اور دوسروں کو بچانا خود اپنی ذمہ داری بن جاتی ہے صرف کوئی مزاحیہ فقرہ کہہ دینے سے یا اس بات کے کہہ دینے سے کہ آجکل کفر بہت سستا ہے خلاصی نہیں ہوتی۔ جس امر کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حتمی فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اس کے انکار کرنے سے یا اس کا مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے سے دین جیسا باقی رہ سکتا ہے کلام اللہ شریف اس کا فیصلہ خود ہی کر چکا ہے اور ایک جگہ نہیں جگہ جگہ وارد ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورہ نساء رکوع ۹)

پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا ہو اس میں یہ لوگ آپ سے

اور آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے (تصفیہ کرائیں پھر اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں (بیان القرآن)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد احادیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اسکی دلی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جو میں لیکر آیا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (سورہ آل عمران رکوع ۳)

آپ لوگوں سے فرمادیتے تھے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے (بزم خود) محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو (کیونکہ میں خاص اسی تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں جب ایسا کرو گے) تو حق تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا (اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے غایت فرمانے والے ہیں اور آپ یہ (بھی) فرمادیتے تھے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ (آپ کی اطاعت سے کہ ادنیٰ اس کا اعتقاد رسالت ہے) اعراض کریں تو وہ لوگ سُن کھیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے (ماخوذ بیان القرآن)

عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا الْفَيْنَ أَحَدَكُمْ مُتَكِنًا عَلَيَّ | هِيَ كَيْفَ تَمَّ فِي سَيِّئَةٍ كَوَيْسٍ كَوَيْسٍ
أَرْيَكُ يَا سَيِّدُ الْأَمْرِ مِنْ أَمْرِي | أَيْسَانَهُ يَأْوُلُ كَيْفَ أَمْرِي مُسْتَدِيرٌ

مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَقَوْلُ
لَا نَذَرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ
أَبْعَاهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ
وَالْبُرْهَانُ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ
حَبَّانَ وَالْحَاكِمُ كَذَابُ الدَّرَّةِ

لکائے بیٹھا ہوا اور اس کے پاس میرا کوئی
کوئی حکم پہنچے جس کے کرنا میں نے حکم
دیا ہو یا نہ کرنے کا اور وہ یہ کہہ دے کہ ہم
نہیں جانتے ہم تو جو قرآن شریف
میں ہوگا اسی پر عمل کریں گے۔

اس قسم کا مضمون کئی احادیث میں آیا ہے جس میں ان لوگوں پر
رد کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عمل کے لئے صرف قرآن شریف کافی ہے۔
ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھ کو قرآن شریف دیا گیا ہے اور اس جیسے
دوسرا احکام بھی دیتے گئے ہیں عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ
ایک شکم سیر آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر کہے گا کہ بس عمل کے لئے اس قرآن
شریف کو پکڑ لو جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام
ہے اس کو حرام سمجھو۔ حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز ایسی ہی
ہے جیسا کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز ہے (مشکوٰۃ) ان حدیثوں میں شکم سیر
اور مسند پر بیٹھنے کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے لغو اقوال پیسہ ہی سے
نظر آتے ہیں چار پیسے پاس ہوں تو دین میں اصلاح کی تجویزیں خوب
سمجھ میں آتی ہیں اور غربت میں ایسی باتیں دل میں بھی نہیں آتیں اللہ
کا خوف غالب رہتا ہے حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم حضرت کی
نماز اور خوف کی نماز تو قرآن شریف میں پاتے ہیں لیکن سفر کی نماز قرآن
شریف میں نہیں پاتے انہوں نے فرمایا بھئیے اللہ جل شانہ نے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے اس لئے جو ہم نے ان کو --- کرتے دیکھا وہی کرتے رہیں گے (شفا)
 حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ لوگ تم سے قرآن شریف کی آیتوں سے بھگڑا کریں گے تو احادیث سے ان کا جواب دینا کہ احادیث والے کتاب اللہ سے زیادہ واقف ہیں۔ (شفا)

امام زہریؒ جو اکابر علماء میں سے ہیں اور مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سے پہلے علماء (یعنی صحابہ کرام) سے سنا ہے کہ سنت (یعنی حضورؐ کے طریقہ) کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے اور علم بہت جلد اٹھ جانے والا ہے۔ علم کی قوت میں دین اور دنیا کائنات ہے اور علم کے جاتے رہنے میں اس سب کی اضاعت ہے۔ بعد اللہ دینی جو بڑے تابعی ہیں اور بعض نے ان کو صحابی بھی بتایا ہے فرماتے ہیں کہ مجھے اکابر سے یہ بات پہونچی ہے کہ دین کے جانے کی ابتداء سنت کے چھوٹنے سے ہوگی۔ ایک ایک سنت اس طرح چھوڑی جاشیگی جیسا کہ رستی کا ایک ایک بل اتارا جاتا ہے (دارمی)

حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی کسی نے عرض کیا کہ یہ حدیث قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ کا ارشاد اقل کرتا ہوں تو اس کا قرآن سے مقابلہ کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مطلب کو زیادہ سمجھنے والے تھے (دارمی) یعنی یہ کہ قرآن شریف کے مضامین بسا اوقات مجمل ہوتے

ہیں حدیث اس کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے کسی حدیث کو قرآن شریف کے خلاف کہہ دینے میں جلدی نہ کرنا چاہیئے بہت غور کرنا چاہیئے اور غور کے بعد اگر مخالف ہو تو پھر یہ بھی تحقیق ضروری ہے کہ قرآن شریف کی وہ آیت منسوخ تو نہیں ہے حدیث کے درجہ میں کمی ثبوت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ایسی ہی سخت ہے جیسی اللہ جل جلالہ کی نافرمانی ہے۔

حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ (سورہ نسا، ع ۲)

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا (یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے) اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے اس طرح کہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اسکو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَتُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا (سورہ نسا، رکوع ۶)

اس دن (یعنی قیامت کے دن) وہ لوگ جنہوں نے (دنیا میں) کفر کیا ہوگا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم زمین کے پیوند ہو جائیں (کہ اس رسوائی اور مصیبت

سے بچ سکیں) اور کسی بات کا بھی (جو دُنیا میں کیا ہے) اللہ سے اخفا نہ کر سکیں گے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (سورہ نسا ع ۹) اور ہم نے تمام رسولوں کو اسی واسطے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے (جو رسولوں کی اطاعت کے بارہ میں وارد ہوا ہے) انہی فرمانبرداری کی جائے ایک جگہ وارد ہے۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (سورہ نسا ع ۱۱) جس شخص نے رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی (وہ اسکو خود بھگتے گا آپ رنج نہ کریں) ہم نے آپ کو ان کانگراں مقرر کر کے نہیں بھیجا (آپ کا کام سمجھا دینے کا ہے)۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین حضور کا اتباع ہے وہی دین ہے وہی شریعت ہے وہی اللہ جل شانہ کی فرماں برداری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس اتباع سے ذرا سادور ہونا بھی سخت مشکل اور شاق تھا چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کی ابتداء میں جبکہ ہر طرف سے ارتداد کا زور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور دین پرور مٹنے والے شخص نے بھی استدعا کی کہ تھوڑی سی نرمی فرمادیں تو حضرت صدیق اکبر نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور فرمایا اجْبَارُنِي الْجَاهِلِيَّةَ وَخَوَارِفِي الْإِسْلَامِ

کیا زمانہ جاہلیت میں متشدد اور زمانہ اسلام میں نامرد بزدل۔ یہ حضرت عمرؓ پر طعن تھا کہ ہمیشہ کی ضرب المثل شجاعت اور بہادری کے بعد یہ بزدلا مشورہ اور ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم جو شخص ایک بکری کا بچہ زکوٰۃ کا حضورؐ کے زمانہ میں دیتا تھا اور اب نہ دیگا اس سے بھی قتال کروں گا۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ اگر ایک رسی بھی زکوٰۃ کی اس وقت دیتا تھا اور اب نہ دیگا تو اس سے قتال کروں گا یہ تھی دین پر پختگی اور دین کا تحفظ ورنہ ایسے سخت وقت میں جبکہ ارتداد کا اتنا زور ہو ایک فرض سے تسامح معمولی سی بات تھی مگر ان حضرات کے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ذرا سا ہٹنا بھی یقینی طور سے اپنی ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنے گھروں میں مسجدیں بنالی ہیں اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنے لگو گے اور مسجدوں کو چھوڑ دو گے تو تم حضورؐ کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر تم حضورؐ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو کافر ہو جاؤ گے (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسافر کی نماز دو رکعتیں ہیں جو حضورؐ کی سنت کے خلاف کرے وہ کافر ہے (شفا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ جو نماز نہ پڑھے وہ

کافر ہے۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی حضرات صحابہ کرام و تابعین سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ علمائے کبار نے تو حقیقت میں تکفیر میں تنگی کی ہے اور بہت احتیاط برتی ہے کہ انہوں نے دو سکر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے ان سب حضرات کے اقوال کو انکار کے ساتھ مقید فرمایا ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر دے وہ کافر ہے اور یہ بھی درحقیقت اللہ کا احسان ہے کہ صحابہ میں اس بارہ میں اختلاف ہو گیا تھا ورنہ اگر خدا نخواستہ ان کا یہ جماعی مسئلہ بن جاتا کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ کافر ہے تو آج تم ہی غور کرو کہ دنیا کا کتنا بڑا حصہ ہے جو دیدہ و دانستہ نماز نہیں پڑھتا وہ آج کفر کے گرٹھے میں پڑا ہوا ہوتا۔ بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے یہ مولویوں کا کام ہے کہ وہ ساری دنیا کو کافر بنادیں۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کلمہ گو یوں کو قتل کیا جو ایک رکن شریعت زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے حضرت دیلم جمیریؒ فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ ٹھنڈے ملک کے رہنے والے ہیں اور مشقت کے کام بھی بہت کرنے پڑتے ہیں اس لئے گیسوں کی شراب بنا لیتے ہیں کہ اسکی وجہ سے کام کی مشقت میں قوت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور سردی سے بھی حفاظت رہتی ہے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ شراب نشہ آور

ہوتی ہے میں نے عرض کیا بیشک نشہ آور تو ہوتی ہے ارشاد فرمایا کہ اس سے احتراز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کو چھوڑیں گے نہیں (کیونکہ عادی بھی ہیں اور ضرورت بھی ہوتی ہے) ارشاد فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے قتال کرو (ابوداؤد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ امانت کا ذکر فرمایا کہ آہستہ آہستہ کم ہوتی جائیگی یہاں تک نوبت آجائیگی کہ یوں کہا جائے فلاں قوم میں ہے ایک شخص جو امانتدار ہے۔ آدمی کی تعریف یہ رہ جائے گی کہ فلاں شخص بڑا سمجھ دار ہے بڑا ظریف اور خوش مزاج ہے کیسا بہادر آدمی ہے۔ لیکن رات کے دانہ کے برابر بھی اس میں ایمان نہ ہوگا (مشکوٰۃ) ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور منجملہ ان کے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گمراہیوں کی طرف بلانے والے ہوں گے (مشکوٰۃ)

دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصہ پہنچا حضور نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ فرمادیا جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے درخواست کی کہ اس قصہ کو عمر کے سپرد فرمادیجئے۔ حضور نے قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے یہاں قصہ پہنچا اور پورا واقعہ معلوم ہوا مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار نکال کر اس شخص کو قتل کر دیا جو ان کے یہاں مرافعہ لیکر گیا تھا۔ اور فرمایا کہ جو شخص حضور کے فیصلہ کو قبول نہ کرے اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے (در)

لیکن آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے آج حضور کے کتنے ارشادات کے خلاف طبع آزمائی ہو رہی ہے حضور کی کتنی سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے حضور کے زوردار احکام کی کس بے دردی سے مخالفت کی جا رہی ہے ایک دو ہو تو کوئی گنواے ڈاڑھی اور استنجے کا ذکر نہیں شراب اور سوہ کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے نماز اور زکوٰۃ کا کیا حشر ہے روزہ اور حج کے ساتھ کیا برتاؤ ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جن صاحب کو حضرت عمرؓ نے قتل کیا تھا وہ کلمہ گو بھی تھے اور اہل قبلہ بھی تھے مگر آج کسی کلمہ گو کے خلاف کوئی بات قابل سماعت نہیں ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور جو چاہے کرے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى
الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَأَبْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ
وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ

بر (یعنی نیکی اور کمال) یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف بلکہ نیک وہ شخص ہے جو ایمان لائے اللہ پر (یعنی اسکی ذات و صفات پر) اور ایمان لائے آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی (تمام) کتابوں پر اور انبیاء پر اور مال دیتا ہو باوجود اسکی محبت کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور خرچ کرے گردنوں کے چھڑانے میں (یعنی قیدیوں کے چھڑانے میں)

بَعْدُ هَذَا عَاهِدُوا
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ
وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ
أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
(سورہ بقرہ ۲۲)

اور غلاموں کے آزاد کرانے میں) اور قائم کرے
نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو اور جو لوگ
اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب
کوئی (جائز) معاہدہ کر لیں اور جو لوگ صبر
کرنے والے ہوں غنی اور تکلیف میں اور لڑائی
کے وقت یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی
لوگ متقی ہیں۔

حضرت امام اعظمؒ سے بھی یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے لَا تُكْفِرُوا أَحَدًا مِّنْ
أَهْلِ الْقِبْلَةِ ۖ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے لیکن کیا نغوز
باللہ امام صاحب کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ کی جانب رہنے والے
ہیں خواہ مشرک ہوں یا کافر کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے یا خدا خواستہ
یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر کے کوئی بات کہے یا بیت اللہ
کو قبلہ ماننا ہو یا قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو پھر وہ چاہے کوئی بھی
کام کرے بُت پرستی کرے یا کفریات کہے ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے اگر
یہی مطلب امام صاحبؒ کا تھا تو پھر انہوں نے جہنم کو اُخْرُجْ عَنِّي يَا كَافِرُ
(اکفار) او کافر میکر یا س سے چلا جا کیوں فرمایا۔ یہ ایک بدعتی گمراہ شخص
تھا جو ایک فرقہ کا بانی ہے۔ امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میرا حضرت امام اعظمؒ
سے چھ مہینہ مناظرہ رہا آخر ہم دونوں کی رائے اس پر متفق ہو گئی کہ جو قرآن
شریف کو مخلوق کہے وہ کافر ہے (اکفا) کیا قرآن شریف کو مخلوق کہنے والے

اہل قبلہ نہ تھے نماز نہیں پڑھتے تھے روزہ نہیں رکھتے تھے کلمہ نہیں پڑھتے تھے اسی طرح روافض کا وہ فرقہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہو گئی اور بجائے حضرت علیؑ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچا گئے کیا وہ کلمہ گو نہیں ہے یا اپنے کو مسلمان نہیں کہتا یا قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا۔ کیا قرامطہ کے کفر میں کوئی تردد ہے جو غسل جنابت کا انکار کرتے ہیں شراب کو حلال بتاتے ہیں سال میں صرف دو روزے فرض بتاتے ہیں اذان میں محمد بن الحنفیہ رسول اللہ کا اضافہ کرتے ہیں (اشاعت) اور ان کے علاوہ بہت سے اور ان کے مذہب میں ہیں اور اس سب کے باوجود اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ علامہ نے تصریح کی ہے اور ایک دو نے نہیں سیکڑوں نے اسکی تصریح کی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نہ روایات ۲۰ میں سے کسی چیز کا انکار نہ کریں علامہ شامی نے لکھا ہے لَاخِلَافَ فِي كُفْرِ الْمُخَالِفِ فِي ضُرُورِيَّاتِ الْإِسْلَامِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ الْمُوَظَّيْبِ طَوْلَ عُمَرَةَ عَلَى الطَّاعَاتِ ۝ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریات دین میں مخالف ہو وہ کافر ہے اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور عمر بھر عبادت کا اہتمام کرتا رہے اکفار المحدثین میں ہزار اس سے نقل کیا ہے۔

اہل قبلہ تکلمین کی اصلاح میں وہ شخص	أَهْلُ الْقِبْلَةِ فِي إِصْلَاحِ
ہے جو ضروریات دین کا اقرار کرتا ہو۔ یعنی	الْمُتَكَلِّمِينَ مَنْ يُصَدِّقُ
ایسے امور کا جن کا شریعت میں ثبوت معلوم	بِضُرُورِيَّاتِ الدِّينِ أَيْ

الْأُمُورَ الَّتِي عَلِمَتْ ثُبُوتَهَا
 فِي الشَّرْعِ وَاسْتَهْرَفَمَنْ
 أَنْكَرَ شَيْئًا مِّنَ الصُّرُوفِ
 كَجَدُّوٓثِ الْعَالِ وَخَشَرِ
 الْأَجْسَادِ وَفَرُصَةِ الصَّلَاةِ
 وَالصَّوْمِ لَمْ يَكُنْ مِّنْ
 أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَلَوْ كَانَ
 مُجَاهِدًا بِالطَّاعَاتِ وَكَذَلِكَ
 مَنْ بَاشَرَ شَيْئًا مِّنْ أَمَارَاتِ
 التَّكْذِيبِ كَسُجُودِ الصَّمِّ
 وَالْإِهَانَةِ بِأَمْرِ شَرْعِيٍّ
 وَالْإِسْتِهْزَاءِ عَلَيْهِ فَلَيْسَ
 مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَمَعْنَى
 عَدَمِ تَكْفِيرِ أَهْلِ الْقِبْلَةِ
 أَنْ لَا يَكْفَرَ بِإِزْكِابِ
 الْمَعَاصِي وَلَا بِانْكَارِ الْأُمُورِ
 الْخَفِيَّةِ غَيْرِ الْمَشْهُورَةِ هَذَا
 مَا حَقَّقَهُ الْمُحَقِّقُونَ فَاحْفَظْ

و معروف ہے جیسا کہ عالم کا حادث ہونا
 قیامت میں بدن سمیت حشر ہونا نماز
 روزہ کی فرضیت وغیرہ وغیرہ بس جو شخص
 ایسی چیزوں کا انکار کرے گا وہ اہل قبلہ
 میں سے نہیں ہے چاہے وہ عبادات
 میں کتنی ہی کوشش کرے اسی طرح سے
 جس شخص میں علامات تکذیب کی پائی
 جائیں جیسا کہ بت کو سجدہ کرنا یا کہیں
 امر شرعی کی اہانت کرنا یا اس کا
 مذاق اڑانا وہ بھی اہل قبلہ میں
 سے نہیں ہے علماء کے اس ارشاد
 کا مطلب کہ اہل قبلہ کی تکفیر
 نہیں کرتے یہ ہے کہ کسی گناہ کے
 کرنے سے کافر نہیں بتاتے اور اسی
 طرح ایسے امور کے انکار سے
 جو شریعت میں غیر معروف ہیں
 یہ ہے محققین کی تحقیق اس کو
 خوب محفوظ رکھو۔

در حقیقت امام صاحب یادوکر حضرات سے جو یہ ارشاد

نقل کیا گیا ہے کہ وہ کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے یا اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے وہ خوارج کے مقابلہ میں ہے جو ہر حرام کے کرنے سے کافر بتاتے ہیں یا ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو غیر معروف کا انکار کرتے ہیں خود امام محمدؒ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا ہے۔ مَنْ أَنْكَرَ شَيْئًا مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ فَقَدْ أَبْطَلَ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جَوْشَخْصِ شَرَائِعِ إِسْلَامٍ میں سے کسی چیز کا انکار کر دے اس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کو باطل کر دیا۔

اور اگر یہی بات ہو کہ کلمہ پڑھنے کے بعد آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے یا جو چاہے بکے تو پھر اللہ جل جلالہ کے ارشاد میں یہود کی مذمت بے محل ہو جائیگی۔

أَفْتَوْهُمْ مَنْ بَعْضُ الْكُتَّابِ | کیا پس ایمان لاتے ہو تم کتاب اللہ کے
وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضِ مَا جَزَأْ | بعض حصہ پر اور بعض پر ایمان نہیں لاتے
مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ | پس نہیں ہے بدلہ اس شخص کا جو ایسی
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَنَوْمِ الْقِيَمَةِ | حرکت کرے بجز اسکے کہ دنیوی زندگی میں
يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ | رسول ہو اور قیامت کے دن ایسے لوگ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ | سخت عذاب میں ڈال دیتے جاویں اور اللہ جل
(سورہ بقرہ رکوع ۱۰)

اسلام حتماً اور قطعاً وہی معتبر ہے جو اپنے تمام ضروری احکام کے ساتھ ہو کوئی جز بھی اس میں سے خارج نہ ہو ان اہل کتاب کی تردید فرماتے ہوئے جو اسلام لانے کے بعد تورات کے بعض احکام پر عمل کی خواہش رکھتے تھے اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا
فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا
خُطَوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ
لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ فَإِنْ زِلْتُمْ
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے
پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم
بقدم نہ چلو وہ حقیقت میں تمہارا کھلا ہوا
دشمن ہے پس اگر تم ان واضح دلائل کے
بعد بھی لغزش میں پڑ جاؤ تو سمجھ لو کہ
حق تعالیٰ شانہ زبردست ہیں (جو چاہیں سزا دیں)
(سورہ بقرہ رکوع ۲۵) اور حکمت والے ہیں (کہ جب مصلحت سمجھیں سزا دیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباس ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل کتاب ایمان لانے کے بعد
تورات کے بعض احکام پر عمل کرنے کے خواہشمند تھے جس پر یہ آیت نازل
ہوئی کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائط میں پورے پورے داخل ہو جاؤ
اور کوئی چیز اس میں سے چھوڑو نہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اہل کتاب نے
تورات کے موافق شنبہ کے دن کی تعظیم کی درخواست کی تھی جس پر
یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
منافقین کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ فرماتے تھے اور آج مسلمانوں
کو بھی کافر کہا جاتا ہے یہ صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء
اسلام میں منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ فرمایا تھا۔ لیکن کیا قرآن پاک
کی آیت نیا آیتھا الشی جاہد الکفار والمنا فین وغلظ علیہم
وما وہم جہنم وبأس المصیر (سورہ توبہ رکوع ۱۰) اور اس

لہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کفار سے تہیاریں) اور منافقوں سے (زبان سے) جہاد کیجئے
اور ان پر سختی۔۔۔۔۔ کیجئے دنیا میں تو یہ ہے (اور آخرت میں) انکا ٹھکانہ جہنم ہے اور بری جگہ ہے

جیسی آیات کے بعد بھی یہی معاملہ رہا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ایک ایک منافق کا نام لیکر مجلس سے نکال دیا۔ حضرت عمر اس وقت تشریف فرما نہ تھے وہ آئے تو ایک شخص نے ان کو مژدہ سنایا کہ آج اللہ نے منافقوں کو رسوا فرمایا۔ حضرت ابو مسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے وعظ فرمایا اور ایسا وعظ کہ ہم نے ویسا نہیں سنا اور ارشاد فرمایا کہ میں جن جن کا نام لیتا جاؤں وہ اُٹھ جائیں اور چھتیس آدمیوں کو نکال دیا (درمنثور)

حضرت خذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق حضورؐ کے زمانہ میں تھا آج کفر ہے یا اسلام (بخاری)

اہل شام کے چند افراد نے شراب پی حضرت یزید بن ابی سفیان اس وقت شام کے حاکم تھے انہوں نے مواخذہ فرمایا ان لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حلال ہے اور قرآن شریف کی آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا (سورہ مائدہ رکوع ۱۲) سے استدلال کیا حضرت یزید نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ واقعہ لکھا۔ عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ میرا یہ خط اگر دن میں پہنچے تو۔۔۔۔۔ رات کا انتظار نہ کرو اور رات کو پہنچے تو دن کا انتظار نہ کرو ان لوگوں کو قبل ازیں کہ دوسروں کو گمراہ کریں فوراً میسر پاس بھیج دو۔ وہ لوگ فوراً حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجے گئے۔ صحابہ کرام سے مشورہ کیا گیا صحابہ نے فرمایا کہ ان

لوگوں نے دین میں ایسی چیز اختیار کی ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اس لئے ان کی گردن اڑادی جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا تم بھی اپنی رلے ظاہر کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ان سے استفسار کیا جائے اگر انہوں نے حلال سمجھ کر پی ہے تب تو قتل کر دیا جائے کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو حلال کیا جس کو اللہ جل شانہ نے حرام فرمایا ہے اور اگر ان لوگوں نے حرام سمجھ کر پی ہے تو انہی انہی کوڑے لگائے جائیں (درمنثور)

کیا یہ لوگ کلمہ گو نہ تھے یا اہل قبلہ نہ تھے کہ صرف ایک شراب کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ان سب حضرات نے متفقہ فیصلہ ان کے قتل کا فرمادیا۔ خیر القرون کے بیسیوں واقعات اسکی تائید میں ہیں کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک جز کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے یہاں نہ انکی تفصیل کا موقع نہ گنجائش مجھے صرف اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے خواہ وہ کچھ ہی کرے یا کچھ ہی کہے یہ علماء کا کام ہے کہ وہ کافر بناتے پھریں کہنے والے خواہ طعن سے کہتے ہوں مگر یہ صحیح ہے کہ صرف علماء کا کام ہے۔ غیر عالم نہ بتا سکتا ہے کہ کیا چیز کفر کی ہے نہ سمجھ سکتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ بلا کسی شرعی حجت کے کسی شخص کو کافر کہنا ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ میں اس خط کے ۲۰ کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں۔ یہ مضمون طبعاً درمیان میں آگیا تھا میں یہ لکھ رہا تھا کہ علماء پر سب و شتم کرنے والے ان امور کا بھی لحاظ کریں۔ اس سلسلہ میں چوتھی بات یہ بھی قابل لحاظ

ہے کہ ذاتی اوصاف ذاتی کمالات طبعی اخلاق ایک مستقل جوہر ہے اور علمی غور و خوض علمی تبحر علمی کمال ایک مستقل کمال ہے مستقل فن ہے ان دونوں کو آپس میں خلط کر دینا ان دونوں میں تلازم سمجھنا غلطی ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو علمی دریا میں غوطہ زن ہو وہ ذاتی کمالات اور محاسن اخلاق میں بھی کمال کا درجہ رکھتا ہو اگر یہ بات ہوتی تو ہر عالم شیخ وقت ہوتا۔ حضرات صوفیہ کرام کو درستی اخلاق کے لئے مستقل خالق ہوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ مشائخ طریقت کو اس کے لئے مجاہدات کرانے نہ پڑتے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ شانہ نے جامعیت کی شان عطا فرمائی تھی اور اس قلیل جماعت کے لئے اس کی ضرورت بھی تھی کہ ہر چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر پھیلانے والی وہی ایک جماعت تھی اور مشکوۃ نبوت سے نور کی ہر نوع کا پھیلنا ضروری تھا لیکن صحابہ کرام کے بعد تابعین ہی کے زمانہ سے ہر نوع کو مستقل طور پر حاصل کرنے کی ضرورت پیش آگئی اور اسی لئے محدثین اور فقہاء مفسرین اور صوفیہ کی جماعتیں مستقل قائم ہونا شروع ہو گئیں ان میں بہت سے اللہ کے بندے مختلف صفات کے جامع بھی ہوئے اور اب تک ہوتے رہتے ہیں لیکن بہت سے افراد کسی خاص صفت کے ساتھ ممتاز ہوئے اور میں اس لئے یہ سمجھ لینا کہ ہر وہ شخص جو علم کے کسی خاص رتبہ پر فائز ہو وہ اخلاق و اوصاف کے بھی اسی رتبہ پر ہو گا زمانہ کے تدریجی تغیرات سے ناواقفیت ہے یا ذہول ہے اس میں شک نہیں کہ علم کے لئے کمالات باطنیہ اور اخلاق حسنہ نہایت ضروری

اور زمینیت ہیں لیکن ان کا حصول نہ علم کے لئے لازم ہے نہ علم کا ان پر مدار اور توقف ہے۔ اس کے علاوہ علماء اور مشائخ تصوف کے بعض اخلاق میں بھی فرق ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جو مشائخ سلوک کے یہاں کمال سمجھی جاتی ہے وہ علم کے حق میں بھی کمال ہو۔ ایک معمولی سی چیز حسن ظن اور تحقیق حال ہی کو دیکھ لو کہ صوفیہ کے یہاں حسن ظن اور مومن کے ساتھ مطلقاً نیک گمان کمال ہے اور علماء جرح و تعدیل پر مجبور ہیں اس لئے صوفیہ کی روایات محدثین کے یہاں اکثر مجروح ہو جاتی ہیں کہ وہ حسن ظن کی بناء پر ہر مومن سے روایت لے لیتے ہیں اور ان حضرات محدثین کے یہاں جرح و تعدیل مستقل فن بن گیا اور اس کے مستقل ائمہ بن گئے۔ اس لئے علمی درجہ میں جس چیز کو دیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ جوابات وہ کہہ رہا ہے وہ مذہب کے موافق ہے یا نہیں قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا مخالف۔ سلف صالحین اور فقہائے معتبرین کے ارشادات سے باہر تو نہیں۔ اگرچہ علمی درجہ میں اس سے کچھ کوتاہی بھی ہو جاتی ہو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ نیک کام کا حکم نہ کریں جب تک خود عمل نہ کر لیں اور بری بات سے کسی کو نہ روکیں جب تک خود اس سے بالکل نہ رُک جائیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ نیک کاموں کا حکم کیا کرو اگرچہ خود عمل نہ کر سکو اور بُری باتوں سے روکا کرو اگرچہ خود اس سے نہ رُک سکو (جمع الفوائد و حکم علیہ بالضعف و فی الجامع الصغیر رقم ۱۰۰ بالحسن)

پانچویں چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ تغیر زمانہ کا عام اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے

تو اہل علم اس سے باہر کہاں جاسکتے ہیں۔ زمانہ جتنا بھی زمانہ نبوت سے دور ہوتا جائے گا اتنے ہی فتنے و شرور اس میں بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے ضعف و انحطاط کو تسلیم کرتے ہیں مگر اہل علم کے لئے وہی پہلا منظر چاہتے ہیں اور اس پیمیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔

جب قوائے جسمانیہ کا ذکر آجائے ہر شخص کہتا ہے ابی وہ قوتیں اب کہاں رہیں لیکن جب قوائے روحانیہ مجاہدات علمیہ کا ذکر آئے تو ہر شخص جنید شبلی، بخاری، غزالی کے اوصاف کا طالب اور خواہشمند بن جاتا ہے حالانکہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے حضور کا ارشاد ہے۔

<p>تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس سے بعد والا سال اور دن اس سے زیادہ برانہ ہو۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔</p>	<p>لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ عَامٌ وَلَا يَوْمٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرُّهُ حَتَّى تَلْقَوَارَ بَيْنَكُمْ كَذَافٍ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرِوَايَةِ أَحْمَدُ وَالْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُمَا وَرَقْمَ لَهُ بِالصَّحَاحِ ٥</p>
---	--

مناوی کہتے ہیں کہ یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجب اشکال نہیں۔ علقمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا جو علم کے اعتبار سے گزشتہ دن سے کم نہ ہو اور جب علما نہ رہیں گے اور کوئی نیک باتوں کا حکم کرنے والا اور بُری باتوں سے روکنے والا نہ رہے گا۔ تو اس وقت سب

ہی ہلاک ہو جائیں گے (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ صلحا ایک ایک ہو کر ٹھہ جائیں گے اور لوگ ایسے رہ جائیں گے جیسے کہ خراب جو (بیچھے ہوئے) اور خراب کھجور (کیڑا لگی ہوتی) کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کرینگے (مشکوٰۃ بروایت البخاری) اس لئے دین اور دینی امور کا انحطاط کمی ضعف تو سب ہی کچھ ہو کر رہے گا ایسی حالت میں صلاح و فلاح کی سعی کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے اسکو مغتنم سمجھنا ہی ضروری ہے کہ اس کے بعد اس سے کمی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اس زمانہ میں جن آنکھوں نے اکابر کو دیکھا ہے ان کے فیوض و علوم سے تمتع حاصل کیا ہے وہ ان کے بعد والی نسلوں کو ان جیسا نہ پا کر اعراض اور روگردانی کرتے ہیں میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد حضرت کے اجلہ خلفاء حضرت سہارنپوری حضرت شیخ الہند حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ ہم کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے اور محروم رہ گئے حالانکہ یہ حضرات ہدایت کے آسمانوں کے آفتاب تھے اور ان سے تعلق رکھنے والے بہت سے ان کے جانشینوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے کہ وہ ان بعد والوں کا مقابلہ ان سے پہلے والوں کے ساتھ کرنا چاہتے تھے اور چونکہ یہ حضرات بالکل ویسے نہیں ملتے اس لئے ان کی نگاہوں میں نہیں جیتے لیکن اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہو خود ان لوگوں کی محرومی ہوئی کہ وہ اپنے اس تخیل کی وجہ سے ترقیات سے محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ جو چلے ہیں

وہ واپس نہیں آئیں گے اور جو آنے والے ہیں وہ ان جیسے بھی نہ ہونگے
ہاں یہ ضرور دیکھیں کہ یہ شخص ضروریات دین پر عمل کرتا ہے یا نہیں کہ ان
کا انکار کرنے والا تو سرے سے اسلام ہی میں نہیں ہے اس کے بعد جو
شخص جتنا زیادہ اتباع سنت کا دلدارہ ہے اتنا ہی ہدایت یافتہ ہے
کہ اصل ہدایت طریقہ سنت ہے۔

چھٹی چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اہل علم آخر ہم ہی لوگوں میں سے
پیدا ہوں گے اور ہوتے ہیں کہیں باہر سے دوسری مخلوق نہیں آتی اس
لئے جس قسم کے لوگوں سے وہ طیار ہوں گے اکثر ویسے ہی اثرات
اپنے میں رکھیں گے۔ جیسا لوہا ہوگا ویسی ہی تلوار بن سکے گی اور جیسی ٹی
ہوگی ویسا ہی برتن ڈھلے گا جیسا تانبا ہوگا ویسی ہی اس پر قلعی ہوگی
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **خَيْرُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ**
خَيْرُكُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فِقَهُوْا (شکوہ بروایت اشعین) تم میں سے
جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بہترین شمار ہوتے ہیں وہی اسلام میں بھی
بہترین ہیں بشرطیکہ فقیہ اور عالم بن جائیں۔ اب بھی یہی بات ہے کہ جو
لوگ ذاتی شرافتوں کے ساتھ علم دین حاصل کرتے ہیں وہ اخلاق حسنہ کے
منتہا پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ علم دین کے ساتھ مخصوص نہیں دنیاوی
علوم میں دیکھ لو کہ ذاتی شرافت سے عاری لوگ جب دنیوی علوم پڑھ کر
اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے ہیں تو وہ کس قدر رشوت ستانی اور مظالم سے
علق خدا کی اذیت کا سبب بنتے ہیں اس لئے اگر عام طور سے مسلمانوں کے

بہترین دماغ علوم دینیہ کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ علما رکھنا قصور ہے یا خود ان کا قصور ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں شمار کرایا ہے کہ بڑے لوگوں میں فواحش کی کثرت ہو جائیگی اور حکومت چھوٹے لوگوں میں اور علم کم حیثیت جماعتوں میں ہوگا اچھے لوگ دین کے بارے میں مداہنت کرنے لگیں گے (اشاعت) ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم چھوٹے لوگوں کے پاس سے حاصل کیا جائیگا (اشاعت) یعنی بڑے آدمیوں کو حجب مال اور حجب جاہ کی بدولت علم دینیہ حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی کس قدر ظلم ہے کہ جو لوگ فارغ البال ہیں کچھ آسودگی رکھتے ہیں وہ اپنی قیمتی عمروں کو کس قدر بیکار ضائع ہو جانے والی فنا ہو جانے والی کوششوں میں تلف کر دیتے ہیں کیا ان حضرات کے پاس اللہ کے یہاں جواب دہی کے لئے کوئی معقول عذر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے دونوں قدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک پاؤں پاؤں کی جواب دہی نہ کر لے گا۔ اپنی عمر کو کس چیز میں خرچ کیا اپنی جوانی کو کس جگہ صرف کیا (یعنی اس جوانی کی قوت و طاقت کو رضا الہی میں خرچ کیا یا ناراضی میں) اور اپنے مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ (یعنی مال کے کمانے کے ذرائع جائز اختیار کئے یا ناجائز طریقہ سے حاصل کیا مثلاً رشوت سود اور دوسرے ناجائز معاملات۔ اسی طرح جہاں خرچ کیا وہ جائز تھا یا ناجائز تھا۔ اسراف اور بخل کے درمیان تھا یا کسی ایک جانب بڑھا ہوا تھا) اور جو کچھ علم حاصل کیا اس

پیر کیا عمل کیا۔ علم حاصل کرنا مستقل فریضہ ہے اور جو کچھ حاصل کیا اس پر عمل کرنا مستقل امر ہے لاعلمی سے کسی معصیت میں مبتلا ہونا ایک گناہ ہے۔ اور علم کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اور گناہ میں مبتلا ہونا اور بھی زیادہ سخت ہے (مشکوٰۃ) اس لئے جو لوگ اپنی عمروں کو اور اس زندگی کو جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی چیز میں ضائع کر رہے ہیں وہ خود ہی جواب دہی کی فکر کر لیں۔ اس بارگاہ میں نہ تو کسی کی وکالت اور بیرسٹری کام آنے والی ہے نہ لسانی اور جھوٹے گواہ کچھ مدد کر سکتے ہیں ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ ان پانچ باتوں کے جواب کی تیاری رکھے۔ بُری عدالت میں جواب دہی کرنا ہے۔

میرا مقصود تو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ ذاتی اور سببی اوصاف اثر رکھتے ہیں اس لئے حضورؐ نے الائمہ من قریش ارشاد فرمایا۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ شب کو مدینہ طیبہ کی پاسبانی فرما رہے تھے۔ پھرتے پھرتے تکان کی وجہ سے ایک دیوار سے سہارا لگا کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ایک بڑھیا کی آواز آئی جس نے اپنی لڑکی کو آواز دیکر کہا کہ دودھ میں پانی ملا دے، لڑکی نے عذر کیا کہ امیر المومنین کی طرف سے اس کی ممانعت کا اعلان ہو چکا ہے۔ ماں نے کہا کہ امیر المومنین کیا یہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی نے کہا یہ تو بہت ہی ناموزوں ہے کہ سامنے تو امیر کی اطاعت کریں۔ اور پس پردہ نافرمانی یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ نے اس مکان کو ذہن نشین فرمالیا اور صبح ہوتے ہی اپنے صاحبزادہ حضرت عاصمؓ کی منگنی اس لڑکی سے بھیج دی۔

اسی لڑکی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبد العزیز پیدا ہوئے (ازالۃ الخفاصہ)
 ساتویں چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ قوم کی طرف سے علمی مشاغل اور
 دینی خدمات کے لئے علی العموم کن افراد کو چنا جاتا ہے۔ آپ خاص طور سے
 دیکھیں گے کہ جس شخص کے کئی بیٹے ہیں ان کو اول خاص طور سے دنیاوی
 علوم میں لگایا جائے گا۔ اس کی سعی کی جائے گی۔ انتھک کوشش
 کی جائیگی۔ جب اس سے مایوسی ہو جائیگی تب وہ دینی مدرسہ کے سپرد
 کیا جائیگا۔ کیا یہ دین اور علم دین پر سخت ظلم نہیں کیا اللہ کے یہاں اسکا
 جواب دینا نہیں۔ بہت کم خاندان ایسے ملیں گے۔ جہاں دینی علوم کے حاصل
 کرنے کو مستقل مقصود اور اصل سمجھا جاتا ہو۔ ورنہ عام طور سے مجبوری کا نام
 صبر ہے۔ بالعموم عربی کے حاصل کرنے والے وہی افراد ملیں گے جو اپنے
 مربیوں کی غربت و افلاس سے دنیوی علوم حاصل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے
 ہوں ایسی صورت میں وہ یقیناً ضرورت مند بھی ہوں گے وہ سوال کی طرف
 بھی مضطرب ہونگے اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ان کا سوال کی طرف
 مضطرب ہونا ان کی بے غیرتی نہیں ہے ان لوگوں کی بے غیرتی ہے جو خود ان کی
 ضروریات کی فکر اپنے ذمہ نہیں سمجھتے جب یہ لوگ انکی دینی ضروریات
 کرتے ہیں تو کیا شرعاً عقلاً عرفاً ان کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان کو ضروریات
 بشریہ سے سبکدوش رکھیں یہی وجہ ہے کہ اس دور انحطاط میں عام طور
 سے جو افراد علوم دینیہ کو حاصل کرتے ہیں اور وہ کسی درجہ میں ذی استعداد
 ذی فہم ہو جاتے ہیں وہ اس زندگی کو جو دنیا داروں کی نگاہ میں ذلت ہے
 اکثر خیر باد کہہ کر یا طب پڑھتے ہیں یا پھر کسی ڈگری وغیرہ کی فکر میں لگ کر

دنوی مشاغل ملازمت تجارت وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے ان علوم سے جن کو محنت و مشقت سے حاصل کیا تھا بیگانہ ہو جاتے ہیں اول تو ان علوم دینیہ کی طرف آمد ہی کم تھی اور آنے کے بعد بھی پھر معظم حصہ اس سے نکل جاتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ الزام کس پر ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ چند بھائیوں کی جائیداد ہو اور وہ خود ملازم پیشہ ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو جائیداد کے انتظام کے واسطے منت سماجت سے لجاجت سے خوشامد سے اس پر راضی کیا جائیگا کہ وہ اپنی ملازمت کو خیر باد کہے اور سب کی جائیداد کی خبر گیری کرے اپنی تنخواہ اس مشترک کھاتے سے نکالے اور اس ایشیاء پر اس کا احسان مند ہونا پڑے گا وہ بھی دس نخرے کرے گا۔ یہ سب کیوں ہے اس لئے کہ جائیداد کی حفاظت کی ضرورت ہے سخت مجبوری ہے وہ ضائع نہ ہو جائے لیکن گھرانے کے چند بھائی نہیں سارے محلہ کے متمول نہیں پورے گاؤں پورے قصبہ اور تمام شہر کو اسکی ضرورت نہیں کہ وہاں دین سے واقف مسائل سے واقف ضروریات دین کا پورا کرنے والا کوئی شخص ہو یہ کیوں اس لئے کہ دین کی ضرورت نہیں ہے اس کے ضائع ہونے سے کچھ نقصان نہیں ہے ہر شخص اردو کے چند رسائل دیکھ کر خود عالم بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے جہاد جیسی عظیم الشان اور ضروری چیز میں بھی اسکی رعایت کا حکم فرمایا کہ سب کے سب جہاد میں نہ چل دیں بلکہ علم سیکھنے کیلئے بھی ایک جماعت باقی رہے چنانچہ سورۃ توبہ کے اخیر میں **فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ**

کُلِّ فِرْقَةٍ آيَةٍ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر فرقہ میں ایک فقہاء کی جماعت رہنا چاہیئے۔

آٹھویں چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ ہر شخص کا مقابلہ علم کے بعد اس کی حیثیت سے ہو سکتا ہے یہ ظلم محض ہے کہ ایک جانب دین یا دنیا کے اعتبار سے اعلیٰ طبقہ لے لیا جائے اور دوسری جانب ادنیٰ طبقہ شمار کیا جائے۔ ہر شخص کے متعلق یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہ علم کے ساتھ متصف نہ ہوتا تو اپنے ماحول کے اعتبار سے یا اپنی حیثیت کے اعتبار سے کن اخلاق و اوصاف اور کن مشاغل کا اختیار کرنے والا ہوتا اس کے بعد اب غور کیا جائے کہ علم نے کتنی اصلاح کی ہے مثال کے طور پر میں نے یہ چند امور ذکر کئے ہیں غور سے اور بھی بہت سے امور کا اس میں اضافہ ہو سکتا ہے میں نے تو جو کچھ لکھا ہے وہ بھی مجبوری لکھا ہے ۷

کہنا پڑا مجھے پئے الزام پسند گو ✽ وہ ماجرا جو قابل شرح و بیان نہیں اس سب کے بعد مجھے اس چیز سے بھی انکار نہیں ہے کہ علماء سور اور علمائے حق دو مستقل علیحدہ علیحدہ قسमें ہیں علماء سور کے متعلق احادیث میں بڑی سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جہنم میں سب سے پہلے جانے والے طبقہ میں بھی ان کو شمار کیا ہے خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا بھی ان کو بتایا ہے حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ دنیا کمائے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا (ترغیب) حضور کا ارشاد ہے کہ جو علم اس لئے حاصل کرے کہ لوگوں کو اپنی طرف

متوجہ اور مائل کرے وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا (ترغیب) حضور کا ارشاد ہے کہ بدترین لوگوں کے بدترین علمائیں (ترغیب) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ علم ہے جو صرف زبان پر ہو (دل میں اسکا کچھ بھی اثر نہ ہو) وہ اللہ کی حجت ہے مخلوق پر (کہ اللہ جل شانہ نے اپنی حجت تمام فرمادی) اور ایک علم وہ ہے جو دل میں ہو وہی علم نافع ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اخیر زمانہ میں عابد لوگ (یعنی صوفی) جاہل ہونگے اور عالم فاسق۔ حضور کا ارشاد ہے کہ علم اس لئے نہ سیکھو کہ علماء کا اس سے مقابلہ کرو اور بے وقوفوں سے اس کے ذریعہ سے جھگڑو اور لوگوں کو اسکی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کرو جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ میں اس امت پر سب سے زیادہ خائف منافق عالم سے ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ منافق عالم کیسا ہوتا ہے ارشاد فرمایا کہ زبان کا عالم اور دل کا جاہل حضرت حسن فرماتے ہیں تو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا حامل ہو کر اور حکما کی (تحقیقات) نادرہ کا واقف ہو کر بے وقوفوں کے سے عمل کرنے لگے۔ ابراہیم بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ نادام کون شخص ہے انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں شرمندہ وہ ہے جو احسان فراموشی کے ساتھ احسان کرے اور موت کے وقت شرمندہ وہ عالم ہے جو حدود سے بڑھ جائے۔ حضرت حسن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ علماء کا عذاب دل کی موت ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کمانے

لگے، یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا کمائی جاتی ہے تو انکی رونق جاتی رہتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو تو اپنے دین کے بارہ میں اس کو متہم سمجھو اس لئے کہ ہر چیز کا محبت کرنے والا اسی میں گھل جاتا ہے جس کے اس کو محبت ہوتی ہے۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے پہلی کتابوں میں لکھا دیکھا ہے حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرنے لگتا ہے تو کم سے کم معاملہ میں اس کے ساتھ یہ کربا ہوں کہ اپنی مناجات کی تلاوت اس کے دل سے نکال دیتا ہوں (احیاء) یہ سب ارشادات اور ان جیسے فرامین یقیناً علماء سو کے بارے میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں لیکن یہ بات کہ فلاں شخص یا فلاں جماعت علمائے حق میں ہے اور فلاں شخص اور فلاں جماعت علماء سو میں ہے اپنے اختیار میں نہیں ہے یہ بھی شریعت ہی کے میزان سے معلوم ہو سکتی ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ جو شخص ہماری رائے کے موافق کہے وہ علماء حق سے ہے اور جو ہی وہ کوئی بات ہمارے خلاف کہہ دے وہ فوراً علمائے سوہ کی فہرست میں داخل ہو کر گردن زونی بن جائے۔ کل تک ہماری رائے فلاں سیاسی جماعت کے موافق تھی لہذا جتنے علماء اسکے موافق تھے وہ سب علمائے حق تھے اور آج ہماری رائے اسکے خلاف ہو گئی تو جتنے علماء اس پہلے خیال پر باقی ہیں آج سے سب علمائے سوہ کی کالی فہرست میں داخل ہو گئے۔ علمائے حق اور علمائے سوہ ہونے کا دار و مدار صرف قرآن و حدیث کے موافق علم و عمل پر ہے اور بس۔ لیکن ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی

فہم نارسا اور جذبات یا کفار کے زیر اثر ایک مسئلہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں اس کے بعد جو شخص اس کے موافق ہے وہ بڑا علامہ ہے واقف اسرار ملت ہے رموز شریعت کا ماہر ہے خواہ وہ کتنا ہی جاہل اور بے علم ہو قرآن و حدیث سے ذرا بھی مس نہ ہو اور جو اکابر ہماری اس رائے کے خلاف ہیں خواہ وہ کتنے ہی علوم کے ماہر ہوں حقیقتاً رموز شریعت کے ماہر ہوں اور صحیح معنی میں واقف اسرار ملت ہوں لیکن ہم لوگ ہر بُرے سے بُرے لفظ کے ساتھ ان کا مضحکہ اُڑانے کے لئے ان کو ذلیل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حالانکہ سلف صالحین نے صوفیہ کرام کو بھی اسکی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی قلبی معرفت سے اپنے باطنی علوم کی روشنی سے کوئی ایسی بات اختیار کر لیں جو علمائے ظاہر کے خلاف ہو۔ اہل فن کے اقوال انکی کتابیں اس مضمون سے لبریز ہیں۔

حضرت اقدس مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام تحریر فرمایا ہے کہ سالک کے لئے سب سے اول وہ اعتقاد ضروری ہے جس کو علمائے اہل سنت والجماعت نے قرآن و حدیث اور آثار سلف سے استنباط فرمایا ہے نیز قرآن و حدیث کا ان معانی پر حمل کرنا بھی ضروری ہے جو علمائے حق نے کتاب و سنت سے سمجھے ہیں اگر بالفرض اس کے خلاف کوئی معنی کشف یا الہام سے ظاہر ہوں ان کا ہرگز اعتبار نہیں اور ایسے معنی سے پناہ مانگنا چاہیے اور اللہ جل جلالہ سے دعا کرنا چاہیے کہ اس گرداب

سے نکال کر علمائے حق کی صائب رائے کے موافق امور کو ظاہر فرما دے
ان کی رائے کے خلاف کوئی چیز بھی زبان سے ظاہر نہ کرے اور اپنے
کشف کو ان معانی کے موافق بنانے کی کوشش کرے جو ان حضرات نے
سمجھے ہیں اس لئے کہ جو معانی ان حضرات کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف
دل میں آئیں وہ ہرگز بھی قابل اعتبار نہیں بالکل ساقط ہیں کیونکہ
ہر گمراہ شخص اپنے معتقدات کو قرآن و حدیث ہی سے ثابت کرنا چاہتا
ہے۔ **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا** اور یہ بات کہ ان
حضرات ہی کے سمجھے ہوئے معانی صحیح ہیں اسلئے ہے کہ ان حضرات نے
ان معانی کو صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار سے
سمجھا ہے اور ہدایت کے ستاروں کے انوار سے اخذ کیا ہے۔ لہذا نجات الہدیٰ ان
کے ساتھ مخصوص ہے اور دائمی فلاح ان ہی کا حصہ ہے۔ **اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** (یہی لوگ اللہ
کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت ہی فلاح یافتہ ہے) اور اگر بعض
علماء باوجود صحیح العقیدہ ہونے کے مسائل میں کچھ شکی کرتے ہیں یا
اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اور تفصیلات کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس
وجہ سے مطلقاً علماء کی جماعت پر انکار کرنا یا سب کو مطعون کرنا کمال
بے انصافی ہے بلکہ اکثر ضروریات دین کا انکار ہے اس لئے کہ ضروریات
دین کے بتانے والے یہی لوگ ہیں اور یہی حق ناحق کو پرکھنے والے
ہیں۔

لَوْلَا نُورُهُمْ لَمَّا اهْتَدَيْنَا
وَلَوْلَا تَمْيِيزُهُمُ الصَّوَابَ عَنِ
الْخَطَا لَعَوَيْنَا وَهُمْ الَّذِينَ
بَدَلُوا جَهْدَهُمْ فِيْ اَعْلَاءِ
كَلِمَةِ الدِّينِ الْقَوِيْمِ وَاَسْلَكُوا
طَوَائِفَ كَثِيْرَةٍ مِّنَ النَّاسِ
عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ فَمَنْ
تَابَعَهُمْ نَجَى وَاَفْلَحَ وَمَنْ
خَالَفَهُمْ ضَلَّ وَاَضَلَّ

(دفعہ اول حصہ پنجم مکتوب ص ۱۸)

اگر ان لوگوں کی ہدایت کا نور نہ ہوتا تو
ہم لوگ ہدایت یافتہ نہ ہوتے اور ان لوگوں
کا غلط اور صحیح کو ممتاز کر دینا نہ ہوتا تو ہم
گمراہ ہو جاتے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی
کوشش کو دینِ متین کے بلند کرنے میں
خرچ کیا اور بہت سی جماعتوں کو صراطِ
مستقیم پر چلایا پس جو شخص انکا اتباع
کرے گا کامیاب ہوگا۔ اور نجات پائے گا اور
جو انکی مخالفت کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور
دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

دوسری جگہ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاعْلَمْ اَنَّ كَلَامَهُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ
مُطَابِقًا بِأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ
فَلَا اَعْتَبَارَ لَهُ اَصْلًا فَكَيْفَ
يَصْلُحُ لِلْحُجَّةِ وَالتَّقْلِيْدِ
وَإِنَّمَا الصَّالِحُ لِلْحُجَّةِ وَالتَّقْلِيْدِ
أَقْوَالُ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَهْلِ
السَّنَةِ فَمَا وَافَقَ أَقْوَالَهُمْ
مِنْ كَلَامِ الصُّوْفِيَّةِ يُقْبَلُ

اس بات کو جان لے کہ صوفیہ کا کلام
اگر شریعت کے احکام کے موافق
نہیں ہے تو اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں
وہ دلیل اور قابلِ تقلید کیسے
ہو سکتا ہے دلیل اور تقلید کے قابل
صرف علماء سنت کے اقوال ہیں
صوفیہ کے اقوال میں سے جو قول
علماء کے اقوال کے موافق ہوگا وہ

وَمَا خَالَفَهُمْ لَا يَقْبَلُ | معتبر ہوگا جو اس کے خلاف ہوگا وہ
(مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم ص ۲۸۹) | غیر مقبول ہے۔

جب اکابر صوفیہ کا یہ حال ہے کہ جن کے قلوب حقیقہ روشن ہیں
اللہ جل جلالہ کی عظمت اور دین کا احترام دینیات کی وقعت اور احکام
شرعیہ پر مرٹنا ان کی جان ہے جب ان کے اقوال بھی علماء کی موافقت
کے بغیر ناقابل احتجاج ناقابل تقلید ناقابل بیان ہیں تو پھر ان لوگوں
کے اقوال و افعال کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے جنہیں نہ دین کی خبر ہے نہ
قرآن پاک اور احادیث اور اقوال سلف کی ہوا لگی ہے۔ کلام اللہ
شریف کا ترجمہ دیکھا اور ایک مطلب سمجھ لیا اس کے بعد پھر وہ مستقل
مجتہد ہیں اور اس کے خلاف کوئی عالم بلکہ سارے علماء کرام بھی جو کہیں
وہ سب لغو و بیکار ہے حالانکہ قرآن و حدیث کا مطلب وہی ہے جو صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم فرما گئے اور عمل کر کے بتا گئے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد
ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیَاتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا الْاٰیۃ
(سورہ سجدہ رکوع ۵) بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں
وہ ہم پر مخفی نہیں بھلا جو شخص --- آگ میں ڈال دیا جائے وہ اچھلے
یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن و امان کے ساتھ آئے۔ تم جو چاہے
اعمال کرو حق تعالیٰ شانہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں۔ درمنثور
میں متعدد صحابہ اور تابعین سے الحاد کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ قرآن
پاک کی آیات کو کسی دو سکر مجمل پر محمول کیا جائے۔ سیکڑوں احادیث

میں سلف کے اتباع کا حکم ہے۔

عَنِ الْعُرْيَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ
قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ
أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاحًا قَوْعُطْنَا
مَوْعِظَةً يَلِيحَةُ ذَرَفَتْ مِنْهَا
الْعُيُونُ وَوَجَلَتْ مِنْهَا
الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ
اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ
مُودِعٌ فَأَرْصَنَّا فَقَالَ أَوْصِيكُمْ
بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ
وَإِنْ كَانَ عَبْدٌ أَحَبَّ شَيْئًا فَإِنَّهُ
مَنْ يَعْشُ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرِي
اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي
وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
الْمُهْدِيَتِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعُضُّوا
عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَ
مُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ
مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
(صبح کی) نماز ہم کو پڑھائی اسکے بعد
ہماری طرف متوجہ ہو کر وعظ فرمایا جو
ایسا بلیغ تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے
آنسو جاری ہو گئے اور دل خوف سے لرزنے
لگے کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ
تو ایسا وعظ ہے گویا الوداعی (اور آخری
وعظ) ہو پس ہم کو کوئی وصیت فرمائیجئے
(یعنی کوئی ایسی پختہ بات فرمادیجئے
جس کو مضبوط پکڑے رکھیں) ارشاد فرمایا
میں تم کو اسکی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا
تقویٰ کرتے رہنا اور امیر کی اطاعت خواہ
وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو میرے بعد
جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بڑے
اختلافات دیکھے گا پس میری طریقہ کو اور
خلفائے راشدین کے جو کہدایت یافتہ ہیں
طریقہ کو مضبوط پکڑے رہنا اسی کا
اتباع کرنا اور دانتوں سے مضبوط

ضَلَالَةٌ۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبُخَارِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ كَذَا فِي الْمَشْكُوتِ۔
 پکڑ لینا نئی نئی باتوں سے احتراز رکھنا کہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک نہایت اہم خط سنت کے اہتمام اور صحابہ کرام کے اتباع کے بارے میں لکھا ہے جو ابوداؤد شریف میں مذکور ہے اس کا ہر حرف قیمتی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:
 فَمَا دُونَهُمْ مِنْ مَقْصَرٍ وَمَا قَوْفُهُمْ مِنْ مُحْسِرٍ وَقَدْ قَصُرَ دُونَهُمْ فَجَفَوْا وَطَمَحَ عَنْهُمْ أَقْوَامٌ فَعَلُوا وَإِنَّهُمْ بَيْنَ ذَلِكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمَةٍ ان کے اتباع میں کوتاہی کرنا تقصیر ہے اور اس سے آگے بڑھنا تکان ہے۔ ایک جماعت نے اس سے کوتاہی کی تو ظلم کیا اور دوسرے اس سے آگے بڑھ گئی انہوں نے غلو کیا صحابہ کرام اسی افراط و تفریط کے درمیان میں سیدھے راستہ پر ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے آپؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے جو طریقے جاری کئے ہیں ان کو اہتمام سے پکڑنا ہی اللہ کی کتاب کی تصدیق اور اسکی اطاعت ہے اور دین کی قوت ہے نہ کسی کو ان کی تبدیلی کا حق ہے نہ تغیر کا نہ ان کے مخالف کی رائے قابل غور ہے جو ان کا اتباع کرے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو

ان چیزوں سے مدد حاصل کرے وہ منصور ہے جو ان کے خلاف کرے اور مومنین کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے اللہ جل شانہ اس کو اپنے اختیار کردہ راستہ پر عمل نہ کرنے دیں گے اور جہنم میں پھینک دیں گے جو نہایت ہی بُرا ٹھکانہ ہے (شفا) حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم لوگ ان اسلاف کے قدم بقدم چلتے رہیں۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ

اس ساری تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ علمائے حق کا اتباع اور احترام نہایت ضروری اور نہایت اہم ہے ان کا احترام نہ کرنا اپنی بربادی ہے اپنی ہلاکت ہے ان کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سمجھ کا قصور ہے ہاں ان کی بات محقق طور پر شرع کے خلاف ہو تو اس بات کا لینا جائز نہیں ہے مگر اس کی وجہ سے ان سے دوری اپنے بقیہ امور دینیہ کا نقصان ہے جیسا کہ میں خط کے شروع میں حضرت معاذؓ کی وصیت لکھ چکا ہوں۔ اس کے بالمقابل علمائے سو کی بات ناقابل التفات ناقابل عمل ہے وہ قابل احترام ہیں قابل دوری ہیں البتہ اگر کوئی بات انکی شریعت کے موافق ہو تو وہ قابل عمل ہے اور ضروری جائے لیکن اسکا پہچانا کہ یہ بات شریعت کے موافق ہے اور یہ شریعت کے خلاف ہے خود شریعت سے واقفیت پر موقوف ہے محض اپنی رائے سے نہ کسی بات کو شریعت کے موافق کہا جاسکتا ہے نہ شریعت کے خلاف جیسا کہ کسی غیر شرعی چیز کو شریعت بنا لینا گناہ ہے اور قابل رد ہے اسی طرح کسی شریعت کی بات کو رد کر دینا بھی سخت معصیت ہے اور جس چیز

میں اشتباہ پیدا ہو اس میں احتیاط کی جانب عمل کرنا چاہیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جس کو بہت سے آدمی نہیں جانتے

پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین کو اور آبرو کو (عیب سے) پاک صاف رکھا اور جو شبہ کی چیزوں میں پڑا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا جیسا کہ وہ چرواہا کہ بارہ (علاقہ ممنوعہ) کے قریب اپنے جانوروں کو چرائے قریب ہے کہ جانور بارہ کے اندر بھی چرنے لگیں گے خبردار ہو کہ ہر بادشاہ کے لئے ایک بارہ (یعنی ممنوعہ علاقہ) ہوتا ہے اللہ کا ممنوع علاقہ اس کی حرام کی ہوتی چیزیں ہیں خبردار ہو کہ بدن میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔

عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرعى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَتَوَقَّعَ فِيهِ الْأَوَانُ إِنْ كُلَّ مَلِكٍ حِمَى إِلَّا وَانْجَمَى اللَّهُ مَحَارِمُهُ إِلَّا وَانْ فِي الْجَسَدِ مُضْعَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ إِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ كَذَا فِي الْمَشْكُوتِ بِرَوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ

ایک دوسری حدیث میں :

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِلَّا مَرُّ ثَلَاثَةِ أُمُورٍ بَيْنَ رُشْدِهِ
 فَاتَّبَعَهُ وَأَمْرَيْنِ غِيَهُ
 فَاجْتَنِبَهُ وَأَمْرٌ اخْتَلَفَ
 فِيهِ فِكَلُهُ إِلَى اللَّهِ رَوَاهُ
 أَحْمَدُ كَذَا فِي الْمَشْكُوتِ .

حضور کا ارشاد ہے کہ امور تین طرح کے
 ہوتے ہیں ایک وہ امر ہے جس کا حق ہونا
 کھلا ہوا ہو اس کا اتباع کرو ایک وہ
 امر ہے جسکی گمراہی واضح ہو اس سے پرہیز
 کرو ایک وہ امر ہے جس میں اختلاف ہو
 (اور حق ناحق واضح نہ ہو) اس کو اللہ
 کے سپرد کرو۔

اللہ کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے سے بے دلیل
 کوئی حکم نہ لگاؤ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ مذہب
 اسلام نقلی مذہب ہے اسکی ہر بات کے لئے اور ہر مسئلہ کے لئے نقل کی
 ضرورت ہے اللہ جل جلالہ اور اس کے سچے رسول نے کوئی دین کا جز
 ایسا نہیں چھوڑا جس کے باب میں اصولی یا فرعی کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ
 نہ فرمادیا ہو اس لئے ہر بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
 اور عمل اور اسی طرح صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال بغیر چارہ
 کار نہیں ہے اسی وجہ سے علم کا حاصل کرنا ہر سلمان پر فرض کیا گیا ہے
 کہ بغیر علم کے دین کے احکام کا پتہ نہیں چل سکتا اس لئے ضروری ہے کہ
 ہر شخص اپنی دینی ضروریات سے خود واقف بنے اور اگر یہ نہ ہو سکتا
 ہو تو دوسرے درجہ میں لامحالہ کسی عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

جو لوگ نہایت بے فکری سے کہہ دیتے کہ آج کل علماء ایسے ہی ہیں اور چناں و چین ہیں ہم علما کی مانتے ہی نہیں وہ اپنے کو زیادہ مشکلات میں پھنسا رہے ہیں کہ اگر واقعی ان کو علماء پر اعتماد نہیں ہے تو ان کو اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے کہ دین کا علم خود سیکھیں تاکہ شریعت کے موافق احکام پر عمل کر سکیں۔ اللہ جل شانہ کے یہاں اس کی کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ دنیوی وجاہت کے لئے اتنی اتنی ڈگریاں حاصل کی تھیں یا بنک میں جمع کرنے کے لئے اتنا اتنا مال کمایا وہاں جس قدر وقعت اور پوچھ ہے وہ صرف دین کی ہے اور اسی کے لئے ہماری پیدائش ہے قرآن پاک کا قطعی فیصلہ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا إِنْ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ - (سورہ حجرات رکوع ۳)

میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں نہ میرا مقصود ان سے یہ ہے کہ وہ (مخلوق) روزی دیا کریں نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں اللہ تعالیٰ خود ہی سب کو رزق پہنچانوالے ہیں اور قوت والے نہایت قوت والے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ - سورہ بقرہ

اپنے گھروالوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہئے ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے روزی تو ہم دینگے اور بہترین انجام تو پر ہیزگاری ہی کا ہے۔

میں روپیہ جمع کرنے کو نہیں روکتا میرا مقصود یہ ہے کہ ہم لوگوں کی پیدائش صرف دین کے لئے ہے اللہ کی عبادت کے لئے ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے ہے اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہماری کم ظرفی ناصبری کی وجہ سے ہے اور غیر مقصود ہے اس لئے مقصود اور غیر مقصود میں فرق ہونا تو ضرور چاہیئے نہ یہ کہ آجکل کے رواج کے موافق ڈاڑھی سے مونچھ بڑھ جائے اس لئے میں تم کو ایک خاص وصیت اور نصیحت کرتا ہوں کہ جب رات کو سب مشاغل سے نمٹ کر سونے لیٹا کرو تو تھوڑی دیر یہ غور کر لیا کرو کہ آج کے تمام دن میں کتنا وقت عبادت اور دین میں خرچ کیا جو اصل مقصود تھا اور کتنا وقت دنیا کے لغو دہندوں میں خرچ کیا اور پھر دونوں وقتوں کا موازنہ کیا کرو کہ دونوں میں کیا نسبت ہے اگر دینی مشاغل کا وقت دنیوی مشاغل سے بڑھے نہیں تو کم از کم برابر تو ہونا چاہیئے۔ اور جب دین اصل غرض اصل مقصد ہے تو اس کی جتنی ضروریات ہونگی وہ مقصود ہی کے حکم میں ہونگی فقہانے تصریح کی ہے کہ ہر شخص پر جتنے علم کا وہ اپنے دین کے تحفظ میں محتاج ہے اتنا سیکھنا فرض ہے (در مختار)

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ منجملہ اسلام کے فرائض کے علم کی اس مقدار کا سیکھنا بھی فرض ہے جس کا وہ اپنے دین کی حفاظت اور بقا میں محتاج ہے لہذا ہر مکلف پر اصول دین کے سیکھنے کے بعد وضو غسل نماز روزہ کے احکام سیکھنا فرض ہے اور جو مالدار ہو اس کو زکوٰۃ کے

مسائل کا سیکھنا بھی فرض ہے اور جس کے پاس کچھ مال زیادہ ہو اس کو حج کے احکام کا سیکھنا بھی ضروری ہے اور جو تجارتی مشغلہ رکھتا ہو اس کو بیع و شرا کے مسائل کا سیکھنا بھی ضروری ہے اسی طرح سے ہر وہ شخص جو کسی پیشہ کو اختیار کئے ہوئے ہو اس پیشہ کے مسائل کا سیکھنا اس پر ضروری ہے۔

تینین المحارم میں لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آدمی کے لئے اسلام کے پانچوں ارکان کا سیکھنا ضروری ہے اور اخلاص کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کی صحت اس پر موقوف ہے اور حلال و حرام کا جاننا بھی ضروری ہے اور ریاکاری کی حقیقت کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ آدمی ریاکاری کی وجہ سے اپنے اعمال کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے نیز حسد اور خود بینی کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں نیک اعمال کو اس طرح کھالیتی ہیں جیسا آگ ایندھن کو کھاتی ہے اور خرید و فروخت نکاح و طلاق کے مسائل کا جاننا بھی اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو ان چیزوں سے سابقہ پڑتا ہو نیز ایسے الفاظ کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن کا استعمال حرام ہے یا کفر تک پہنچا دینے والا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس چیز کا سیکھنا بہت ہی مہتمم بالشان ہے اس لئے کہ عوام کفریہ الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں اور ان کو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہہ دیا (شامی) اور جب ان سب چیزوں کو معلوم کرنا اور سیکھنا ضروری ہے تو اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے کہ یا آدمی ان سب کو خود حاصل کرے کہ یہ اصل ہے لیکن اگر یہ

حاصل نہ ہو سکتا ہو تو پھر کسی معتبر اور معتمد دیندار عالم کا دامن پکڑ لے اور ہر بات میں اس کے مشورہ کو اسکی رائے کو اصل قرار دیکر اسکا اتباع کرے اور جو شخص دونوں باتوں میں سے کوئی چیز اختیار نہ کرے گا اس کا جو حشر ہو گا وہ ظاہر ہے کہ قوانین سے جہل کسی جگہ بھی عذر نہیں تو قانون شریعت سے جہل کیا معتبر ہو سکتا ہے اور بغیر علم کے رائے زنی گمراہی کے سوا اور کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ إِلَّا تَرَاغَا يَتَرَعَّعُ مِنَ الْعِبَادِ لَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جَهْلًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ كَذَابُ الْمَشْكُورَةِ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ سینوں سے کھینچ لیں بلکہ علم اس طرح اٹھے گا کہ علماء کا انتقال ہوتا رہے گا (اور دوسرے لوگ علم حاصل نہ کریں گے) جب علماء نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے وہ بغیر علم کے فتاوے جاری کریں گے جن سے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ کوئی بھی کام بغیر سیکھے نہیں آتا اور علم کے متعلق تو متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے (انما العلم بالتعلم) کہ علم سیکھنے ہی سے آتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے مجھے بھی اسکی توفیق عطا

فرمائے اور تمہیں بھی۔

جواب نمبر ۷۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ میرا تو خیال ہے کہ علامہ کا اختلاف اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تو حدیث کے اسباق میں بھی اپنے اس خیال کا متعدد بار اظہار کیا کہ جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مل جاتا ہے مجھے اس میں بڑی سہولت معلوم ہوتی ہے کہ فی الجملہ عمل کی کچھ گنجائش مل گئی جو حسب قواعد شرعیہ اپنی جگہ پر ثابت ہے اور جس مسئلہ میں اختلاف نہیں ملتا حق اسی میں منحصر ہو گیا اس لئے کہ امت محمدیہ کا اجتماع ضلالت پر نہیں ہو سکتا۔ علمائے امت نے اس خیر الام کی خصوصیات میں اس چیز کو شمار کیا ہے کہ گمراہی پر اس کا اجتماع نہیں ہو سکتا جس چیز پر بھی علمائے امت کا اجماع ہوگا وہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی ہی ہوگی۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میری امت کا اجتماع ضلالت (گمراہی) پر نہیں ہو سکتا۔ متعدد صحابہ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے یہ دعا کی کہ میری امت کا ضلالت پر اجتماع نہ ہو۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس کو قبول فرمایا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے تم کو تین چیزوں سے محفوظ فرمادیا منجملہ ان کے یہ ہے کہ تمہارا اجتماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ اجتماع عام ہے کہ اقوال میں ہو یا افعال میں یا اعتقاد میں اور شرعیہ میں ہو یا لغویہ میں اھ۔

ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو روشن خیال اپنی روشن خیالی میں کوئی ایسی بات شریعت میں پیدا کر دیتے ہیں جو اسلاف میں کسی کا قول بھی نہ ہو بلکہ ان سب کا اجتماع اس کے خلاف پر ہو چکا ہو وہ ہر اس گمراہی نہیں تو اور کیا ہے اس کے بالمقابل جس امر میں اہل حق کا اختلاف رہ چکا ہو اس میں فی الجملہ وسعت و سہولت پیدا ہو گئی ہے بخود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کا لقب عثمانی ہے اور انکی خلافت خلافت راشدہ کے گویا برابر بھی جاتی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَا سَرَّ نِي لَوْ أَنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْتَلِفُوا إِلَّا لَكُمْ لَوْلَا
يَخْتَلِفُوا لَمْ تَكُنْ رُخْصَةً (مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ حضور کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی (زر قانی علی المواہب) دارمی نے بھی اس قسم کا مقولہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی سلطنت میں یہ احکام بھیج دیئے کہ ہر قوم اس کے موافق عمل کرے جو وہاں کے علماء کا فتویٰ ہو۔ عون بن عبداللہ تابعی جو بڑے قراء اور بڑے عابدین میں ہیں کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ حضرات کسی چیز پر مجتمع ہوں اور پھر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو وہ تارک سنت ہے اور

اگر ان میں اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان کے اقوال میں سے کسی پر عمل کر لے تو وہ حد و سنت سے نہیں نکلتا (دارمی) عبداللہ بن مبارک جو جلیل القدر امام ہیں کہتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں نہ صحابہؓ کے اجماعی قول کے مقابلہ میں ہاں جس چیز میں صحابہ میں اختلاف ہے اس میں ہم اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہوگی۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے (مقدمہ اوچن) در مختار اور شامی میں لکھا ہے کہ مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے اور جتنا بھی اختلاف زیادہ ہوگا رحمت زیادہ ہوگی۔ اور میں پوچھتا ہوں کہ علماء کا اختلاف کب نہیں ہوا کونسا دور کونسا وقت ابتداء اسلام بلکہ ابتدائے عالم سے ایسا گذرا ہے جس میں علماء کا اور اہل حق کا اختلاف نہیں ہوا۔ خود حق جل و علا نے سارے ہی انبیاء پر کیا ایک ہی دین اُتارا۔ اصول دین میں اتحاد رہا اور فروع میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ کیا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہما السلام کے متعدد فیصلوں میں اختلاف نہیں ہوا اور باوجود اس اختلاف کے حق تعالیٰ شانہ نے دونوں کی مدح نہیں فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فَفَقَّهْمَنَا هَا سَلِيمَانٌ وَكُلًّا آتَيْنَاهُمَا وَعِلْمًا (سورۃ انبیاء رکوع ۶) ہم نے اس کھیت والے مقدمہ کو جس کا اوپر سے ذکر ہو رہا ہے (سلیمانؑ کو سمجھا دیا اور دونوں کو) حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کو حکمت اور علم عطا فرمایا

تھا (یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا) (بیان القرآن)
 اس کے علاوہ سنو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
 آسمان میں دو فرشتے ہیں ایک سختی کا حکم کرتے ہیں دوسرے نرمی
 کا اور دونوں صواب پر ہیں ایک جبریل علیہ السلام اور دوسرا میکائیل
 علیہ السلام اور دونوں ہی ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں دوسرے سختی کا
 اور دونوں صواب پر ہیں ایک ابراہیم علیہ السلام دوسرے نوح علیہ السلام
 اور میکائیل صواب پر ہیں ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں اور دوسرے سختی کا
 (کذا فی الجاح الصغیر بروایۃ الطبرانی وابن عساکر عن ام سلمۃ و رقم لہ بالضعف
 لکن قال العزیزی باسناد صحیح تشرف) ایک حضرت ابوبکرؓ دوسرے حضرت
 عمرؓ۔

اس کلیہ کے تحت میں علمائے امت اور صوفیہ ملت نیز ہر دور کے
 اکابر کا بیشتر و اکثر امور میں اختلاف رہا ہے کہ طبیعت کے اختلاف
 کی وجہ سے بہت سے امور میں ایک عالم باعمل محقق کی رائے سختی
 کی طرف مائل ہوئی اس نے بہت سے امور میں سخت گیری کو ضروری
 سمجھا دوسرے نرمی کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں کے بارے
 میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجماع کا اختلاف اسی شدت و نرمی کے
 رنگ کا اثر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
 جب بدر کے قیدی لاتے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ
 لوگ آپ کی قوم ہیں آپ کے قرابت دار ہیں ان کو زندہ چھوڑ دیجئے کیا

بعید ہے کہ یہ تو بہ کر لیں اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کو مکہ پھوڑنے پر مجبور کیا ان کی گردنیں اڑا دیجئے۔ لوگوں میں اختلاف تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل ہو گیا حضرت عمرؓ کی حضورؐ نے سکوت فرمایا اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ بعض لوگوں کے دل نرم فرما دیتے ہیں حتیٰ کہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو سخت فرماتے ہیں حتیٰ کہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراہیمؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا۔ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ ابراہیم ع ۶) جو میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور اسکی مغفرت کا وعدہ ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے تو آپ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔ اور تمہاری مثال (اے ابوبکر) حضرت عیسیٰؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا۔ اِنْ تَعَدَّ بَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ مائدہ ع ۱۶) اگر آپ ان کو سزا دیں (جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ) یہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندے کو ان کے جراتم پر سزا دے، اور اگر آپ معاف فرماویں (تب بھی مختار ہیں کہ) آپ قدرت والے حکمت والے ہیں۔ اور عمر تمہاری مثال حضرت نوحؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا (سورہ نوح رکوع ۸)

اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی نہ پھوڑ
 (کیونکہ اگر آپ ان کو پھوڑ دیں گے تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے)
 اور عمرؓ تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا:
 رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا
 حَتّٰی يَسْرِوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (سورہ یونس رکوع ۹) اے ہمارے
 پروردگار ان کے مالوں کو نیست نابود (اور ملیا میٹ) کر دیجئے اور
 ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کر دیجئے (جس سے ہلاکت کے جلد مستحق
 ہو جائیں) پس وہ ایمان نہ لاویں (بلکہ اپنے کفر میں بڑھتے رہیں یہاں
 تک کہ دکھ دینے والے عذاب کو دیکھیں) دربروایت الترمذی وحسنہ
 والحاکم وصحیح وغیرہما) اسی طرح حضرات شیخینؓ میں اور بھی امور میں
 اختلاف ہوا مانعین زکوٰۃ سے قتال میں اختلاف ہوا اور پھر قتال کے
 بعد ان لوگوں کے اموال کو غنیمت اور اہل و عیال کو باندی اور غلام
 بنانے میں اختلاف ہوا۔ اسامہؓ کے لشکر کو بھیجنے میں اختلاف ہوا۔
 حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی میں اختلاف ہوا بالآخر حضرت صدیق
 اکبرؓ نے اپنے زمانہ میں باوجود حضرت عمرؓ کے اصرار کے معزول نہ کیا اور
 حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی معزول کر دیا۔ جمع قرآن پر اختلاف ہوا۔
 دادے کی میراث میں اختلاف ہوا۔ اس چور کے بارے میں اختلاف ہوا
 جو تیسری مرتبہ چوری کرے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بایاں ہاتھ کاٹا،
 حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں بایاں ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ ام ولد کی

بیچ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک جائز ہے حضرت عمرؓ کے نزدیک ناجائز ہے
 غرض بیسیوں مسائل فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں ان جلیل القدر
 خلفاء اور امت کے سرداروں میں اختلاف تھا تفصیل کے لئے بڑے
 دفتر کی ضرورت ہے ایک خط میں سب کا ذکر مشکل ہے۔ اسی طرح
 اور حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی بہت سے مسائل میں مشہور و معروف
 اختلافات ہیں ابو جعفر منصورؒ نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست
 کی کہ ایک کتاب ایسی تصنیف کر دیجئے جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی
 سختیاں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سی سہولتیں نہ ہوں (مقدمہ و جز)
 جس سے معلوم ہو کہ حضرات شیخینؓ کی طرح ان دونوں حضرات میں سختی
 اور نرمی کے اعتبار سے کُل اختلاف تھا۔ بالجملة صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
 اجماع میں بہت کثرت سے مسائل میں اختلاف رہا ترمذی شریف
 پڑھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں تمہیں معلوم ہے کہ اعلام کی منرا
 حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ حضرت
 ابن عباسؓ کے نزدیک اس آبادی میں جو سبک اُچھا مکان ہو اس پر سے
 اُوندھے مُنہ گرایا جائے اور بہت سے صحابہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے۔
 شرمگاہ کے چھونے سے حضرت عمرؓ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
 حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ سمندر
 کے پانی سے وضو کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عبداللہ
 بن عمرؓ کے نزدیک مکروہ ہے۔ جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال کرنا جمہور

صحابہ کے نزدیک مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک واجب ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک زندوں کے رٹنے سے مُردے کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اسکا سختی سے انکار کرتی ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ میں اختلاف تھا کہ رمضان کے روزوں کی قضا کا لگاتار رکھنا ضروری ہے یا الگ رکھنا بھی جائز ہے۔ ایک بڑی جماعت کا صحابہ کرام میں سے مذہب یہ تھا کہ آگ کی پچی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان میں حضرت انسؓ ابو ہریرہؓ عبداللہ بن عمرؓ عائشہؓ وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب ہے کہ نیم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری ہے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا مذہب ہے کہ پنجوں تک کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ کا مذہب ہے کہ نمازی کے سامنے کو گدھا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ وغیرہ حضرات کا مذہب ہے کہ نہیں ٹوٹتی۔ اگر صرف دو مقتدی ہوں تو جمہور صحابہ کے نزدیک امام کو آگے کھڑا ہونا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہونا چاہیئے حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ میں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ حسن بصریؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ و ترکی تین رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے ہیں (یعنی دو رکعت علیحدہ اور ایک

رکعت علیٰ رُطبتے ہیں) انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ تینوں رکعتوں کو ملا کر پڑھتے تھے اور وہ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ تھے (حاشیہ بخاری) غرض سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسئلے فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے اس کے بعد ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مستقل اختلاف تو بارہ سو برس سے مسلسل چلا آرہا ہے۔ ہر امام کے لاکھوں کروڑوں مقلد اسی اختلاف پر عمل کرتے چلے آئے چار رکعت نماز میں علماء کے اختلافات ایک مرتبہ تلاش کرنے شروع کئے تھے ڈیڑھ سو سے زیادہ مسئلے مختلف فیہ مجھ جیسے کوتاہ نظر کو ملے تھے وسیع النظر لوگوں کے علم میں نہ معلوم کتنے ہونگے۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت مبارک ہے جس میں جو دُعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے اہل علم کے اُسکی تعیین میں تقریباً پچاس قول ہیں کہ وہ کب ہوتی ہے (اوجز) لیلۃ القدر کے تعیین میں بھی تقریباً پچاس قول علماء کے ہیں۔ (اوجز) قرآن پاک کی آیت میں تمام نمازوں کے اہتمام کا عموماً اور درمیانی کے اہتمام کا خصوصی حکم ہے۔ علماء کے اس درمیانی نماز کے تعیین میں بائیس قول ہیں اسی طرح بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں علماء کا اختلاف ایک دو قولوں پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ کئی کئی مذہب علماء کے ان میں ہوتے ہیں۔ اور ہوتے چلے آتے ہیں کیا یہ سب ہی فتنہ تھا اور ہے۔ کیا ان اختلافات کی وجہ سے اُمت مصیبت میں گرفتار ہو گئی یا ان کو سہولت نصیب ہوئی۔ قدر دانوں کی رائے میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو

اس سے کتنی مسرت تھی۔ ابو جعفر منصور بادشاہ جب حج کو گئے تو انہوں نے حضرت امام مالک سے درخواست کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اپنی تصانیف کے متعدد نسخے لکھ دیں میں ان کو سلطنت میں شائع کر دوں گا اور حکم دیدوں گا کہ سب اسکے موافق عمل کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں۔ حضرت امام مالک نے اس ارادہ سے روکا اور فرمایا کہ لوگوں کے پاس مختلف روایات حدیث پہنچی ہوئی ہیں اور ہر جماعت نے ان روایات کے موافق عمل درآمد کر رکھا ہے۔ اس لئے ان کو ان کے مذاہب کے موافق چھوڑا جائے۔ اس کے بعد امیر المؤمنین ہارون رشید نے اپنے زمانہ سلطنت میں حضرت امام مالک سے مشورہ کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موطا مالک کا ایک نسخہ کعبہ میں رکھ دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ سب اسکے موافق عمل کریں۔ حضرت امام نے اس مشورہ کو بھی قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور وہ اپنے اجتہادات میں حق پر ہیں شہروں میں وہ مسائل شائع ہیں لوگ ان پر عمل کر رہے ہیں ہارون رشید نے اس مشورہ کو پسند کیا (مقدمہ او جز) حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف مشہور و معروف ہے اور سیکڑوں ہزاروں مسئلوں میں اختلاف ہے۔ لیکن امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جو فقیہ بننا چاہے اس کو چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کو چمٹ جائے۔ میں خود امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں (در مختار) امام اعظم نے اپنے شاگردوں سے خود فرمایا کہ جہاں کہیں میسر قول

کے خلاف تمہیں کوئی دلیل مل جائے اسکو اختیار کر لو۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا یہ ارشاد اسی پر مبنی ہے کہ (علما کا) اختلاف رحمت کے آثار سے ہے جتنا اختلاف ہوگا (بشرطیکہ وہ قواعد کے موافق ہو اصول کے تحت میں ہو) اتنی ہی رحمت زیادہ ہوگی (سامی)

ان حضرات کو اختلاف میں ذرا بھی اشکال پیش نہیں آتا تھا اس سب کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ جن چیزوں میں علما میں اختلاف نہیں ہے انہیں کا کیا حشر ہو رہا ہے نماز کے پڑھنے میں کسی عالم کا اختلاف ہے؟ دائرہ ہی شراب سود غرض ہزاروں مسئلے ایسے ہیں جن میں ذرا بھی علما کا اختلاف نہیں ہے ان کا حشر تم خود دیکھ رہے ہو اب غور سے سنو۔ میرے خیال ناقص و نارسا میں ان روز افزوں نزاعات کی اکثر و بیشتر دو وجہیں ہیں ایک بعض علما کی طرف سے ہے دوسری اکثر عوام کی طرف سے۔ علما کی طرف سے تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان جزوی اختلافات کو علماء تک محدود نہیں رکھتے بلکہ بعض تو اسکی سعی کرتے ہیں کہ عوام کی مدد اور اعانت ان کے ساتھ ہو اور انکی اعانت سے وہ دوسرے اہل حق کی توہین و تذلیل کریں۔ حالانکہ بہتر یہ تھا کہ وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اس کو بلا خوف و ہمت لائتم ظاہر کر دیں اور اسکی پروا نہ کریں کہ ان کے قول پر کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں کسی کے عمل کرنے سے اہل حق کی حقانیت میں کیا فرق آتا ہے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایسے تھے جن پر ایمان لانے والا ان کے کہنے پر عمل کرنے

والا ایک ہی شخص تھا (شکوۃ) تو کیا اسکی وجہ سے نبی کی شان میں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ حضرت ابوذر کی تحقیق جمہور صحابہ کے خلاف یہ تھی کہ مال کا جمع کرنا مطلقاً ناجائز ہے وہ ہر جمع میں اپنی تحقیق کا اعلان کر دیتے تھے اور اسکی پرواہ بھی نہ کرتے تھے کہ کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ عوام ان کے اختلافات کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو ایسی حالت میں ان پر ان چیزوں کا یا اظہار نہ ہوتا جہاں علماء کا مجمع ہوتا وہاں ظاہر کی جاتی یا اگر بضرورت تبلیغ اور بخوف کتمان علم اظہار کیا جاتا تو جب عوام کی عقول ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں تو ان پر اس کا زور نہ دیا جاتا کہ وہ خواہ مخواہ ان کے بہنوا بنیں یہ حضرات یہ سمجھ لیتے کہ جب دوسرے اہل حق اس میں خلاف کر رہے ہیں تو عوام کے لئے عمل کی گنجائش ہے نہ یہ کہ دوسرے اہل حق کے خلاف عوام کو مشتعل کریں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسروں کے متبعین ان کے خلاف مشتعل ہونگے اور اس کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ ہمارے اکابر و اسلاف کا اسوہ اس چیز میں بھی ہمارے سامنے ہے صحابہ کا عام معمول و ترکی تین رکعت پڑھنے کا تھا امیر معاویہؓ نے ایک رکعت و ترکی پڑھی حضرت ابن عباسؓ کے مولا کریب نے دیکھا۔ تعجب سے حضرت ابن عباسؓ سے کہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان سے تعرض نہ کرو وہ خود فقیہ ہیں (بخاری) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور جمہور صحابہ کا معمول سفر میں دو رکعت فرض نماز پڑھنے کا تھا کسی نے ان سے کہا کہ حضرت

عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں (ملائکہ وہ مسافر تھے) تو عبد اللہ بن مسعودؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ میں نے منیٰ میں حضورؐ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں ایک حدیث میں ہے کہ خود حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی خلافت کے شروع زمانہ میں دو رکعتیں پڑھیں (بخاری) لیکن اس سب کے باوجود ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آپؐ نے تو حضرت عثمانؓ پر چار رکعت پڑھنے کا اعتراف کیا تھا پھر خود بھی چار پڑھیں انہوں نے فرمایا کہ مخالفت زیادہ سخت ہے اسکی وجہ ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حضرت عثمانؓ مسافر تھے لیکن انہوں نے اپنے کو مقیم تجویز کر کے چار رکعت پڑھیں اور چونکہ مجتہد محقق تھے اس لئے ابن مسعودؓ نے اپنی تحقیق کو ایک محقق کے مقابلہ میں واجب العمل نہیں سمجھا۔ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کیا آپؐ کسی شخص کو اپنا خلیفہ ولی عہد بنائیں گے انہوں نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو میرے لئے گنجائش ہے اس لئے کہ حضورؐ نے کسی کو (نصاً) خلیفہ نہیں بنایا اور اگر خلیفہ بنا دوں تب بھی گنجائش ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا۔ حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک مانعین زکوٰۃ سے قتال کے بعد ان کے اموال غنیمت تھے اور ان کے اہل و عیال غلام باندیاں حضرت عمرؓ کو اس میں اختلاف تھا صدیقی دور

میں حضرت صدیق اکبرؓ کے فتویٰ پر عمل رہا اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ نے قبول کیا۔ فاروقی دور میں حضرت عمرؓ کے فتوے پر عمل تھا اور دوسرے لوگوں نے اس پر عمل کیا (فتح الباری) حضرت امام شافعیؒ صاحب کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔ ایک مرتبہ امام اعظم کی قبر پر حاضر ہوئے اور صبح کی نماز وہاں پڑھی اور دعا قنوت نہیں پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ بھی آواز سے نہیں پڑھی (حالانکہ وہ بھی ان کے نزدیک سنت ہے) کسی نے استفسار کیا تو فرمایا کہ اس قبر والے کے ادب نے روک دیا۔ بعض لوگ اس قصہ پر بہت شور کرتے ہیں کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کی وجہ سے سنت پر عمل چھوڑ دیا جائے۔ امام شافعیؒ کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایک مجتہد کی قبر کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دیں۔ حالانکہ اس چیز کا تعلق سمجھ سے ہے امام اعظم کے ادب سے سنت کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کے ادب سے ان کی تحقیق کو اپنی تحقیق پر مقدم سمجھا کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں سنت نہیں ہیں بلکہ سنت قنوت کا نہ پڑھنا ہے اور بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا ہے۔ ایک شخص اپنی تحقیق سے کسی چیز کو سنت سمجھنے کے باوجود دوسرے محقق عالم کی تحقیق پر عمل کر لے تو کیا حرج ہے محققین شافعیہ اس قصہ کو قبول فرماتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ کی باوجود محقق شافعی ہونے کے لکھتے ہیں کہ لوگوں نے اس قصہ میں اشکال سمجھ لیا حالانکہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات سنت کے ساتھ ایسی چیز معارض ہو جاتی ہے جو اس

سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ مثلاً علماء کی رفعت شان کا اظہار کہ وہ امر نوکد ہے بالخصوص حاسدوں اور جاہلوں کے مقابلہ میں بالخصوص ایسی حالت میں کہ یہ امر متفق علیہ ہے اور قنوت اور بسم اللہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے بالخصوص امام اعظم کے معاملہ میں کہ ان کے حاسد بہت زیادہ تھے جو غلط الزامات ان پر لگاتے تھے حتیٰ کہ جھوٹے الزام سے انکی زندگی کو ختم کر دیا گیا ایسی حالت میں انکی تعظیم و تکریم کا اظہار از بس ضروری تھا وغیرہ وغیرہ (مقدمہ او جز) ہمارے مسلخ واکابر میں ہمیشہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف ہوتا آیا ہے لیکن کبھی بھی ان حضرات نے اپنے متبعین پر اس کا جبر نہیں کیا کہ ہمارے قول پر عمل کیوں نہیں کرتے میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور میرے والد صاحب میں متعدد مسائل میں اختلاف تھا اور حضرت بعض لوگوں کو خود فرمادیتے تھے کہ میرے نزدیک تو فلاں چیز جائز نہیں۔ لیکن مولوی محمد یحییٰ صاحب کے نزدیک جائز ہے تیرا دل چاہے اوپر جا کر ان سے پوچھ لے اس کے موافق عمل کر لے خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت کے اخیر رمضان المبارک میں شعبان کے چاند کی گرہ بڑے سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی اس لئے روزہ ہے اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ شرعی حجت سے صحیح تھی اس

لئے کل کا روزہ نہیں ہے دن بھر بحث رہی شام کو چاند نظر نہ آیا حضرت نے طے فرمایا کہ میں روزہ رکھوں گا میں نے عرض کیا میسر لے کیا ارشاد ہے فرمایا کہ میرے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھ میں آگیا ہو تو رکھو ورنہ نہیں بالآخر حضرت کا روزہ تھا اور میرا افطار حضرت کے خدام میں اور بھی متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد دن روزہ رکھا حضرت نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا گو مجھے اب تک قلع ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرت کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابل اعتنا سمجھا مگر حضرت نے ذرا بھی اشارۂ کنایہ کچھ بھی نہیں فرمایا بلکہ کچھ تصویب ہی فرمائی۔

دوسری وجہ جو اس پہلی وجہ سے بھی زیادہ سخت ہے وہ یہ کہ عوام نے مسائل میں رائے زنی کو خواہ مخواہ اپنا مشغلہ بنالیا ان کو اہل علم کے اختلاف میں حکم بننے کی کیا ضرورت ہے کہ انکے علمی اجاث انکے علمی دلائل سمجھنے کی اہلیت نہیں لیکن ان میں محاکمہ اور فیصلے یہ حضرات فرمانے لگے۔ حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ علمائے حق میں سے جس کے ساتھ حسن عقیدت ہو تجربہ سے اس کا دیندار تجربہ کار ہونا اور اللہ والا ہونا ثابت ہو چکا ہو اس کا اتباع کرتے، لیکن یہ توجہ ہو واجب عمل مقصود ہوتا یہاں مقصود ہی نزاع ہے اس جلسہ اور اس تقریر میں ان کو لطف ہی نہیں آتا جس میں دوسروں پر سب و شتم نہ ہو دوسروں پر تنقید نہ ہو دوسروں کی بگڑیاں نہ اُچھالی جاتی ہوں جس جلسہ میں

سید ہی سید ہی دین کی باتیں بیان کی جائیں وہ جلسہ نہایت پھیکا اور بے مزہ ہے وہ وعظ ہی نہیں، تقریر جانتا ہی نہیں۔ ماہر تقریر وہی ہے جو مخالفین کو کھری کھری شنائے۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں قرآنِ حدیث میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہتمام سے روکا گیا ہے وہ آپس کا جھگڑا ہے قرآن میں سختی سے اسکی ممانعت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔
وَلَا تَنَازَعُوا فَعَشَلُوا وَتَذْهَبَ رِجْجُكُمْ (سورہ انفال ۶۷) اور آپس میں نزاع پیدا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے کہ قومیں منتشر ہو جائیں گی) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

بخاری شریف میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآنِ پاک کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اسکے خلاف تھی جس طرح کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا میں اس کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں نے صحیح پڑھا۔ تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرو پہلے لوگوں نے بھی آپس میں اختلاف کیا تھا تو وہ لوگ ہلاک ہو گئے یہاں آپس میں قرأت میں اختلاف ضرور تھا اس کے باوجود حضور نے دونوں کی تصویب فرمائی گویا وہ اختلاف باقی بھی رکھا جو پہلے سے تھا لیکن پھر بھی اختلاف کی ممانعت فرمائی اور اس کو ہلاکت کا سبب قرار دیا تو یقیناً اس سے مراد وہی اختلاف تھا جو جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوا۔ اسی قسم کا واقعہ حضرت عمرؓ

کو پیش آیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام کو سورہ فرقان پڑھتے ہوئے سنا وہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے جس طرح مجھے حضورؐ نے پڑھائی تھی (وہ نماز پڑھ رہے تھے میسر دل میں آیا کہ ان کو نماز پڑھتے ہوئے پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے جاؤں مگر میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ نماز پڑھ چکیں اس کے بعد میں نے ان کے گلے پر سے چادر پکڑ کر پوچھا کہ اس طرح یہ سورت تم کو کس نے پڑھائی انہوں نے حضورؐ ہی کا نام لیا میں نے کہا بھوٹ ہے۔ پھر میں ان کو اسی طرح پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے گیا اور جا کر عرض کیا کہ یہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے جس طرح آپؐ نے مجھے پڑھائی ہے۔ حضورؐ نے ہم دونوں کا پڑھنا سنا اور دونوں کو صحیح بتایا (درمنثور بروایۃ الشیخین وغیرہما) ان کے علاوہ سیکڑوں واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں جہاں آپس میں اختلاف ہوا اور حضورؐ نے دونوں کو صحیح فرما دیا۔ لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ اپنی تحقیق کے خلاف کوئی بات پائی تو اسکا اظہار بھی نہ کرے اگر وہ اہل تحقیق ہے یا اہل علم ہے اسکی اہلیت رکھتا ہے تو ضرور مناسب طریقہ سے اسکا اظہار کیا جائے۔ اسی سورہ کے بارہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ حضور صبح کی نماز میں سورہ فرقان پڑھ رہے تھے کہ ایک آیت چھوٹ گئی۔ نماز کے بعد حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ جماعت میں ابی بن کعب (جو بڑے مشہور قاری تھے) موجود نہیں انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تم نے مجھے متنبہ کیوں نہ کیا۔ انہوں

نے معذرت کی کہ میں سمجھا کہ یہ اسیت منسوخ ہو گئی (دُرِّ رَوَايَةِ ابْنِ الْأَثْبَارِيِّ)
 ابوداؤد شریف میں دو قصے اسی نوع کے مذکور ہیں تو جب نبی
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے تنبیہ کا حکم فرمایا تو دوسروں کو تنبیہ
 میں کیا مضائقہ ہے۔ شریعت مطہرہ نے تو اس کو اس قدر وسعت دی
 ہے کہ کلمہ حق کو ظالم بادشاہ کے سامنے اظہار کر دینے کو افضل الجہاد
 قرار دیا ہے اور لَا طَاعَةَ إِلَّا لِلْخُلُوقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ اللہ کی
 نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں کلیہ قرار دیدیا ہے البتہ یہ
 ضروری ہے کہ مقصود اللہ کی اطاعت ہو کلمہ حق کا اظہار ہوا اپنی جماعت
 کی بیجا حمایت نہ ہو جس کو عصبیت اور تعصب کہا ہے۔ اختلاف میں
 کوئی مضائقہ نہیں وہ قواعد کے تحت میں ہو تو ممدوح ہے اس اختلاف
 کو نزاع بنالینا اس کو مسلمانوں کے تشتت اور افراق کا سبب بنالینا
 مذموم ہے اور دونوں میں کسلا ہوا فرق ہے ہم لوگ اس اختلاف کو جو
 خوبی کی چیز تھی اپنے لئے خود مصیبت اور سبب ہلاکت بنا رہے ہیں۔
 حضرت حسن بصریؒ جلیل القدر تابعی اور مشہور فقہار اور اکابر صوفیہ
 میں ہیں بعض مرتبہ تحقیق کے زور میں تقدیر کے مسئلہ میں ایسے الفاظ
 نکل گئے جو جمہور علماء کے خلاف تھے بڑا شور مچا بڑے زور بندھے پھر
 کیا تھا جھوٹی باتیں بھی انکی طرف منسوب ہونے لگیں ایوب کہتے ہیں کہ
 دو قسم کے آدمیوں نے حضرت حسنؒ پر جھوٹ بانڈھا ایک وہ لوگ کہ
 فرقہ قدریہ میں تھے وہ اپنی رائے کو رواج دینا چاہتے تھے تو حسن بصریؒ

کو اپنا ہم مسلک ظاہر کرتے تھے دوسرے وہ لوگ جن کو ان سے ذاتی بغض تھا وہ ان کے اقوال کو پھیلاتے تھے (ابوداؤد) بعینہ یہی مثال ہمارے زمانہ میں ہے کہ جن لوگوں کو اپنی رائے کو رائج کرنا ہوتا ہے وہ جماعت کے بڑے کی طرف اسکو منسوب کر دیتے ہیں اور جن لوگوں کو ان سے خلاف ہوتا ہے وہ ان اقوال کو جاویدجا جھوٹ نقل کرتے ہیں جس سے جھگڑے اور مخالفت کی خلیج وسیع ہوتی رہتی ہے حالانکہ اتباع کا منصب یہ تھا کہ علمائے حق میں جس سے عقیدت ہو اس کا عالم باعمل ہونا محقق ہو جائے اس کے ارشادات پر عمل ہو لیکن ہم لوگوں میں باوجود ادعائے محبت و عقیدت عمل تو نادر رہے۔ ساری محبت کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے بڑے کی حمایت میں دوسروں کے بڑوں کو گالیادیں کلام اللہ شریف جسکی تعلیم مسلمان کا ایمان ہے وہ تو اس بارہ میں اتنا سخت کہ وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۃ انعام ع ۱۳) ارشاد ہے کہ تم گالیاں نہ دو ان (معبودوں) کو جن کو یہ مشرک اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر پکارتے ہیں (اور عبادت کرتے ہیں) کیونکہ تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ لوگ بوجہ جہل کے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ قرآن پاک تو دوسروں کے بتوں کو گالیاں دینے کی بھی ممانعت کرتا ہے لیکن اس کے اتباع کے دعویداروں کا یہ عمل کہ ان کا کوئی جلسہ کوئی جلوس بھی دوسروں کی بریادی کے نعروں سے ان کے اکابر پر

سب و شتم سے خالی نہیں ہوتا آج کل ہر جماعت کا معظم عمل بجائے اپنی تعمیر اپنی تقویت اور عمل کی تدابیر کے دوسروں کی تخریب ان کو گالیاں دینا مردہ باد کے نعرے لگانا بن گیا ہے پھر لطف یہ ہے کہ اسکی شکایت بھی ہر فریق کو ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے برباد ہو گئے خود ہی ہر فریق دوسرے مسلمانوں کی بربادی کی دُعائیں کرتا ہے اور خود ہی اس کا رونا روتا ہے کہ مسلمان برباد ہو گئے۔ فاللہ المستعان۔

تنبیہ: اس تقریر سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ہر اختلاف مذہب نہیں بلکہ بہت سے اختلافات ممدوح بھی ہیں البتہ بہت سی انواع اختلافات کی یقیناً مذہب اور قبیح ہیں لہذا مطلق علماء کے اختلاف کو منشاء فساد قرار دینا اصول سے ناواقفیت ہے بلکہ منشاء فساد علمائے حق کے ممدوح اختلاف میں نزاع کا پیدا کرنا ہے خواہ وہ علماء کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے جیسا کہ آج کل کثرت سے پیدا ہو رہا ہے۔ البتہ اختلاف ممدوح کی حقیقت قواعد سے واقفیت پر مبنی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ ہر شخص جس چیز میں چاہے اختلاف پیدا کرے اور وہ ممدوح بن جائے، ہر وہ چیز جو شریعت مطہرہ کی طرف سے منصوص طور پر ثابت ہے استنباط کو اس میں دخل نہیں اس میں اختلاف کا پیدا کرنا گمراہی ہے جس کو اللہ جل جلالہ نے کلام پاک میں وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (سورہ آل عمران رکوع ۱۱) سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور نہ بن جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے آپس میں تفریق پیدا کی اور (دین کے

بارہ میں) اختلاف کیا بعد ازاں کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے۔ حضرت سعید بن المسیبؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عصر کے بعد نفلیں پڑھ رہا ہے اس شخص نے نماز کے بعد حضرت سعید بن المسیبؓ سے کہا کیا اللہ جل شانہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب کر لگا۔ سعید نے فرمایا کہ نماز پر نہیں بلکہ حضورؐ کے خلاف طریقہ اختیار کرنے پر عذاب فرماتے گا۔ (دارمی)

اس شخص کا مقصود یہ تھا کہ نماز تو بہترین اور افضل ترین عبادت ہے اس میں کیا ناجائز ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نفل نماز کو ناجائز فرما دیا ہے اس لئے حضرت سعید نے کہا کہ نماز اگرچہ بہترین چیز ہے لیکن ناجائز وقت میں پڑھنا تو گناہ کا ہی سبب ہے۔ حضرت عبادۃ بن الصامتؓ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درم (چاندی کا ایک سکہ) کے بدلہ میں دو درم لینے سے منع کیا ہے۔ ایک شخص وہاں موجود تھا کہنے لگا میرے خیال میں تو اس میں کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عبادۃؓ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ حضورؐ نے منع کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ خدا کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی بھی ایک مکان میں مجتمع نہیں ہو سکتا (دارمی)

تمام علماء محدثین نے سلفاً خلفاً اس کی تصریح کی ہے کہ جو چیز اسلام میں قطعیت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے اس کا انکار کفر ہے۔

قاضی عیاضؒ نے شفا میں اور ملا علی قاریؒ نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اس شخص کے کفر پر جو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھے یا شراب پینے کو یا زنا کرنے کو یا کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کا دین ہونا بالتواتر والبداہتہ ثابت ہے ہاں کوئی نو مسلم ہو کہ اسکو ابھی تک سارے احکام معلوم نہ ہوئے ہوں تو معذور ہے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفایں تحریر فرمایا ہے کہ بادشاہ کے خلاف بغاوت تین وجہ سے کی جاسکتی ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ خدا کو آخرت و دریات دین کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت واجب ہے اور یہ افضل ترین انواع جہاد ہے۔ اسی طرح سے ہر وہ چیز جو اختلاف کی حدود سے خارج ہے اس میں اختلاف پیدا کرنا ضلال ہے مگر اہی ہے۔ علامہ زرقانی شرح ملوہب میں لکھتے ہیں کہ اس اُمت کا اختلاف ان چیزوں میں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے رحمت ہے بہت بڑی نعمت ہے بڑی عظیم فضیلت ہے اُمت پر وسعت ہے اور یہ سب اقوال ایسے ہوں گے جیسے کہ مختلف شریعتیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مجموعہ لیکر تشریف لائے۔ لہذا حضرات صحابہ کرام اور ان کے بعد کے علمائے جو استنباطات حضور کے اقوال و افعال سے کئے ہیں وہ سب اپنے اختلاف کے باوجود بمنزلہ مختلف شرائع کے ہیں اور یہ بھی حضور کے معجزات میں داخل ہے لیکن عقائد میں اجتہاد کرنا گمراہی ہے اور حق وہی ہے جس پر اہل سنت والجماعت

کا عقیدہ ہے حدیث میں جس اختلاف کی تعریف ہے اس سے فرعی احکام کا اختلاف مراد ہے اور جس تفریق کی ممانعت وارد ہوئی اس سے اصول کی تفریق مراد ہے علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اصول کا اختلاف گمراہی ہے اور ہر فساد کا ذریعہ ہے اھ

شال کے طور پر دیکھئے کہ تقدیر کا مسئلہ اصول مسائل میں ہے شریعت نے اس میں بحث کرنے کی بھی ممانعت فرمادی ہے اس میں اختلاف پیدا کرنے پر احادیث میں کس قدر سخت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ حضور کا ارشاد ہے کہ فرقہ قدریہ (تقدیر کے انکار کرنے والے لوگ) اس اُمت کے مجوس ہیں اگر وہ لوگ بیمار ہوں تو عیادت بھی نہ کرو مر جائیں تو جنازہ میں بھی شریک نہ ہو (ابوداؤد)

دوسری حدیث میں ہے کہ اس اُمت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں ان میں سے جو مر جائے اس کے جنازہ کی نماز میں بھی شریک نہ ہو جو بیمار پڑ جائے اسکی عیادت بھی نہ کر۔ وہ دجال کی جماعت ہے حق تعالیٰ شانہ ان کو دجال کی جماعت کے ساتھ شریک کر دیں گے۔ یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ میں اور حمید جج یا عمرہ کرنے جا رہے تھے ہمیں تمنا ہوئی کہ حضرات صحابہؓ میں سے کسی کی زیارت ہو تو ان سے قدریہ فسرہ کے بارہ میں سوال کریں۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہو گئی میں نے ان سے سوال کیا کہ ہمارے نواح میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جو علم میں بڑی تحقیقات کرتے ہیں

قرآن پاک بھی پڑھتے ہیں مگر تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ان سے بری ہوں وہ مجھ سے بری ہیں (ابوداؤد) اور کثرت سے اس قسم کی روایات ان کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوبکر فارسی نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کی تہمت باندھے وہ باجماع علماء کافر ہے (فتح الباری)

بخاری شریف میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں زندقیوں کی ایک جماعت لائی گئی حضرت علیؓ نے ان کو آگ میں جلوا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں آگ میں نہ جلاتا بلکہ قتل کر دیتا۔ متشابہات میں کلام کرنے کی ممانعت ہے صبیح بن عسل عراقی ایک شخص بصرہ میں رہتا تھا جو متشابہات قرآنیہ میں بحث کرتا تھا مصر پہونچا وہاں بھی مسلمانوں سے اس میں بحث شروع کی حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو اس بارہ میں عریضہ لکھا انہوں نے اسکو طلب فرمایا جب مدینہ پہونچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ تو کون شخص ہے اس نے کہا اللہ کا بندہ صبیح ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ عمر ہوں اور تروتازہ لکڑیوں (چمچوں) سے اسکو مازنا شروع کیا حتیٰ کہ سارا بدن خون سے لبریز ہو گیا پھر جب وہ زخم اچھے ہونے لگے تو دوبارہ مازنا شروع کیا جس سے بدن اور سر پر

خون ہی خون ہو گیا اس نے عرض کیا اگر آپ میرے قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو سہولت سے قتل کر دیجئے اور اگر میرے دماغ (کے سودا کا) علاج مقصود ہے تو میرے دماغ میں جو چیز تھی وہ نکل چکی ہے۔ حضرت عمرؓ نے چھوڑ دیا اور بصرہ اپنے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ لیکن ایک حکم بھی بھیج دیا کہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھے۔ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد پر اگر ہم لوگ سو نفر کا جمع ہوتا اور سیخ آجاتا تو سب اس جگہ سے چلے جاتے اسکو یہ مصیبت بہت ہی شاق تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو عیضہ لکھا کہ اب اسکی حالت درست ہو گئی ہے وہ خیالات بالکل نہیں رہے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس سے ملنے جلنے کی اجازت مرحمت فرمادی (دارمی۔ درمنثور)

اسی طرح سیکڑوں واقعات اس قسم کے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شریعت میں اختلاف کے حدود قائم ہیں یہ نہیں ہے کہ تحقیق کے زور میں جس کا جو دل چاہے لکھ مارے اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے۔ شریعت کے احکام کا مذاق اڑایا جائے اللہ کے محبوب کی سنتوں کا مضحکہ کیا جائے۔ شریعت کے اہم سے اہم حکم کو لغو بنا دیا جائے۔ قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں ہو اور علم سے بے بہرہ۔ پھر جو چیز اپنی سمجھ میں نہ آئے وہی غلط بن جائے وہی دین سے باہر کر دی جائے۔ اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے۔ شریعت کے احکام کے درجات ہیں ان میں بہت سے احکام نہایت اہم ہیں ان کو اپنے درجہ سے

گرا دینے کا کسی کو حق نہیں بعض معمولی درجہ کے ہیں ان کو اپنے درجہ سے
 بڑھا دینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے اور اسکی تحقیق کہ ہر چیز کا کیا درجہ
 ہے یہ خود علم پر موقوف ہے۔ قرآن و حدیث کے فہم پر موقوف ہے۔
 قرآن و حدیث سے استدلال کے قواعد پر موقوف ہے جو مستقل تین فن
 اصول فقہ اصول حدیث اصول تفسیر کی واقفیت پر مبنی ہے۔ فقہاء نے
 لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے کتاب اللہ کا علم ضروری ہے اسکے لغوی معانی کا علم
 ضروری ہے اسکے شرعی معانی کا علم ضروری ہے اسکے دہوہ استدلال
 یعنی خاص عام مشترک مؤول ظاہر نص مفسر محکم خفی مشکل مجمل
 متشابہ حقیقۃ مجاز صریح کنایہ عبارة النص اشارۃ النص ولآلۃ النص
 اقتضاء النص اور ان کے ماخذ اشتقاق آن کی ترتیب آن کے معانی اصطلاحیہ
 آن کے احکام کہ کونسی چیز قطعی ہے کونسی ظنی ہے نیز آمر و نہی وغیرہ کے درجات
 وغیرہ وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہی چیزیں حدیث کے متعلق بھی
 معلوم ہونے کی ضرورت ہے نیز احادیث میں ان کے علاوہ ان کی صحت
 کا حال ان کے آپس کے درجات راویوں کے احوال وغیرہ معلوم ہونے
 کی ضرورت ہے الغرض استدلال کے لئے جتنے اصول ہیں ان سب ہی
 سے واقفیت کی ضرورت ہے اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ
 فن سے تو اہل فن ہی واقف ہو سکتا ہے کوئی شخص انجیزی میں بہت

صہ قرآن پاک کی تفسیر کے لئے پندرہ علوم کی مہارت ضروری ہے جس کو میں اپنے رسالہ
 چہل حدیث میں لکھ چکا ہوں دل چاہے تو دیکھ لو۔

زیادہ کمال پیدا کر کے یہ چاہے کہ ڈاکٹری میں بھی رلتے زنی کروں کیونکہ
 میں اپنے فن کا بڑا ہوشیار ہوں تو یقیناً بیماریوں کی ہلاکت کا سبب
 بنے گا۔ متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل
 کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب علما نہ رہیں گے تو جاہلوں کو سردار
 بنالیا جائیگا جو بغیر علم کے فتاوے دیں گے خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو
 گمراہ کریں گے مذہبیات میں رلتے زنی کے لئے مذہبیات سے پوری
 واقفیت کی ضرورت ہے بغیر واقفیت کے محض عقل سے مسائل حل
 نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر دو مسئلے لکھتا ہوں۔ فقہانے لکھا ہے کہ
 اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہو جائے اسکے بعد
 وہ دوسرا جانور اسی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے اگر
 یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اسکے ذمہ دونوں
 کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی
 ہے جس جانور کی دل چاہے قربانی کر دے اور دوسرے کو بیچ دے یا
 جو چاہے کرے مسئلہ بالکل صاف ہے لیکن اصول سے واقفیت پر مبنی
 ہے محض ذہانت اس میں کیا تیر چلا لے۔ دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا
 ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے نماز کے بعد یاد آئے
 اگر اس نے سنت کے موافق متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے
 تو فاسد ہو گئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی
 ہے ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے جیسا کہ بہت سے لوگ

آجکل پڑھتے ہیں تو نماز ہو گئی، کیا روشن دماغی یا شستہ تعاریر و تحریرات
 سے بلا واقفیت اصول و حقائق شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے
 زنی ہو سکتی ہے اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
 اگر دین رائے سے ہوتا تو بجائے موزوں کے اوپر مسح کرنے کے موزوں
 کے نیچے مسح کیا جاتا۔ لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے
 اوپر کے حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایک کھل ہوئی حقیقت
 ہے کہ آدمی جب تک قرآن و حدیث پر عمل کی حدود معلوم نہ کر سکے
 مختلف آیات اور مختلف روایات کو جمع کرنے یا ترجیح دینے کے قواعد
 معلوم نہ کر سکے وہ کس طرح کسی آیت یا روایت سے استدلال کر سکتا
 ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لئے
 پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے جو شخص ان پانچ علوم کا جامع نہ ہو وہ
 مجتہد ہو ہی نہیں سکتا۔ اول قرآن پاک کی قرأۃ اور تفسیر کا علم دوسرے
 حدیث کا علم مع اسکی اسانید اور صحت و ضعف کے تیسرے سلف
 کے اقوال کا علم تاکہ ان سے باہر ہو کر اجماع کے خلاف نہ ہو اور مختلف
 اقوال میں ان کے اقوال سے باہر نہ جاسکے۔ چوتھے زبان عرب کی واقفیت
 لغت اور نحو وغیرہ کے اعتبار سے پانچویں مسائل کے استنباط کے
 طریقوں اور مختلف نصوص میں تطبیق اور ترجیح کا علم ہونا ضروری
 ہے (ازالتہ) علامہ حازمی نے کتاب الاعتبار فی بیان النسخ والمنسوخ
 من الآثار میں دو مختلف حدیثوں میں سے ایک کو راجح قرار دینے کے لئے

پچاس وجوہ ترجیح مفصل نمبر وار لکھی ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ حافظ عراقی نے سوتاسے زیادہ وجوہ ترجیح تحریر فرمائی ہیں۔ اسکے علاوہ خود وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے کہ ایک وجہ ترجیح کا مقتضا ایک حدیث کو ترجیح دینا ہے اور دوسری وجہ کا تقاضا ہے کہ دوسری حدیث کو ترجیح دی جائے اسی طرح دو روایتوں کے تعارض کا قصہ ہے پس اگر دو وجہ ترجیح متعارض ہو جائیں تو ان متعارض وجوہ ترجیح میں سے کونسی وجہ کی رعایت مقدم ہے یہ مستقل بحث ہے مثال کے طور پر حضرت عمرؓ کے دو واقعے دیکھ لیجئے ایک مسلم اور غیر مسلم میں جھگڑا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کے حق میں فیصلہ فرمادیا مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ خیال ہو گیا کہ عمرؓ میری رعایت کریں گے اس لئے درخواست کی کہ عمرؓ کے پاس ہمارا مقدمہ بھیج دیجئے حضور نے قبول فرمایا یہ دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے غیر مسلم نے ان سے عرض کیا کہ حضورؐ نے میرے حق میں فیصلہ کیا تھا اس نے قبول نہیں کیا اور آپ کی خدمت میں مقدمہ لانے کی درخواست کی حضرت عمرؓ نے مسلمان سے پوچھا کیا یہی بات ہے اس نے عرض کیا جی ہاں حضرت عمرؓ اندر تشریف لے گئے تو ار لائے اور اس مسلمان کی گردن اڑادی اور ارشاد فرمایا کہ جو حضورؐ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے (درمنثور) اور انہیں حضرت عمرؓ کا

دوسرا قصہ سنئے۔ قصہ لبا ہے۔ مختصر یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے مرحمت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ باہر چلے جاؤ اور جو تمہیں ملے اور دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کرتا ہو (یعنی منافق وغیرہ نہ ہو) اس کو جنت کی خوشخبری سناؤ۔ یہ باہر آئے سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے پوچھا یہ نعلین شریف کیسے اُنہوں نے حضور کا ارشاد سُنا یا حضرت عمرؓ نے ان کے سینہ پر اس زور سے دونوں ہاتھ مارے کہ یہ سرین کے بل گر گئے اور ان کو واپس کر دیا یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زور سے رونا شروع کیا اور حضور کو قصہ سُنا یا۔ حضرت عمرؓ خود بھی پیچھے پیچھے حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ کیوں کیا عرض کیا ایسا ہرگز نہ کیجئے لوگ اس خوشخبری پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور اعمال چھوڑ دیں گے (مشکوٰۃ بروایہ مسلم) کیا خدا نخواستہ یہ واہمہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ارشاد کی بے وقعتی کی یا حضورؐ کا خلاف کیا یا حضورؐ کا مقابلہ یا حضورؐ کی مخالفت کی لیکن اس واقعہ کو اس پہلے واقعہ سے جوڑنا یقیناً علم کی معرفت پر موقوف ہے اس کے علاوہ اور سنئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی میں تشریف لے جا رہے تھے ایک شخص جسکی بہادری کا شہرہ تھا جنگ میں شرکت کے خیال سے حاضر ہوا۔ صحابہ اسکو دیکھ کر مسرور ہوئے، حضورؐ نے دریافت فرمایا کیا ایمان لے آیا اس نے عرض کیا نہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں

مشرک سے مدد نہیں لیتا لیکن یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جنگ خیبر اور غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ مشرک سے جانی اور مالی مدد حاصل فرمائی (کتاب الاعتبار و مغنی) حالانکہ جنگ بدر کے وقت مسلمان اپنی قلت و ضعف کی وجہ سے خیبر اور حنین کی بہ نسبت زیادہ ضرورت مند تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۷ھ میں ایک جگہ تشریف لے جا رہے تھے ایک صحابی روزے کی حالت میں سینگی لگوا رہے تھے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانے والا اور سینگی لگوانے والا دونوں کا روزہ نہیں رہا لیکن ۳۷ھ میں حضورؐ نے خود روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی اسی طرح سینگی لگانے کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اسکی اُجرت ناپاک ہے لیکن حضورؐ نے خود سینگی لگانے والے کو اُجرت مرحمت فرمائی حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی لیکن یہ بھی ارشاد ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت گدھا کتا گذر جاتے تو نماز قطع ہو جاتی ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آگیا ہو اور کھانا بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیئے لیکن یہ بھی حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے مؤخر نہ کرو، حضورؐ کا ارشاد ہے جو تیری عیادت نہ کرے اسکی عیادت نہ کر۔ لیکن یہ بھی حدیث میں وارد ہے جو تیری عیادت نہ کرے اسکی عیادت کر۔ (مقاصد حسنہ) الغرض سیکڑوں ہزاروں احکام ہیں جن میں مختلف وجوہ سے مختلف احکام وارد ہوئے محض قرآن

پاک کے ترجمہ کو دیکھ لینے سے یا کسی مترجم حدیث کی کتاب میں حدیث کا ترجمہ دیکھ لینے سے یا صرف عربی زبان کی ڈگری حاصل کر لینے سے ان ارشادات کی وجہ ان میں ترجیح ان میں تقدم تاخران میں اصل حکم اور کسی عارض کی وجہ سے وقتی حکم کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین کے لئے تین شخص آفت ہیں فاجر فقیہ اور ظالم بادشاہ اور جاہل مجتہد (جامع) یعنی علوم سے ناواقف ہو اور پھر اپنے اجتہاد سے مذہب میں رائے زنی کرتا ہو۔ متعذر احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص قرآن شریف (کی تفسیر) میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تجویز کر لے۔ دین سے ناواقف لوگوں کو یہاں ایک اشکال نے گھیر لیا ہے ان کو یہ خلعجان پیش آیا کہ طبعیات حیات حسابات وغیرہ امور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اختلاف نہیں ہوتا دو اور دو کے چار ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ شریعات مذہبیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے۔ ازل سے لیکر آج تک کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس کے اندر مذہبیات میں اختلاف نہ ہوا ہو یہ بد دین لوگ اس اشکال میں یہاں تک بڑھے کہ بعض نے سرے سے دین ہی کا انکار کر دیا اور بعض نے دین کا اقرار کرنے کے بعد دینیات سے انکار کر دیا۔ حالانکہ ایک ظاہری بات یہ تھی کہ جب خود ان کے اقرار کے موافق ازل ہی سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے تو ان کو خود ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ یہ ایک فطری چیز ہے اور ضروری ورنہ کوئی وجہ

نہ تھی کہ ہزاروں برس کے اس طویل زمانہ میں یہ بات مستمراً چلی آتی
 حالانکہ ان میں نہ معلوم کتنے ہزار عقلا اور حکماء ہر زمانہ میں ہوتے چلے
 آتے ہیں۔ درحقیقت یہ اشکال بھی دین سے ناواقفیت کی وجہ سے
 پیدا ہوا ہے دین میں اختلاف کی دو وجہیں ہیں ایک اصولی درجہ
 میں دوسری فروعی حیثیت سے۔ اصولی درجہ میں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ
 دین اور مذہب حقیقت میں مالک الملک خالق الکائنات کے ارشاد
 اور احکامات پر عمل کرنے کا نام ہے اور مالک کے لئے حق ہے کہ وہ
 اپنی مملوک کے لئے جس وقت جو حکم مناسب اور موافق مصلحت
 خیال فرمائے نافذ کر دے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں نہ کوئی
 بے وقوف سا یہو قوف یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں آقا نے اپنے نوکر کو کل
 یہ کام کرنے کو کہا تھا آج دوسرا کام کیوں بتا دیا ایک حاکم کا حق ہے کہ
 وہ اپنی رعایا کی بہبود کے لئے آج ایک قانون تجویز کر دے کل کو
 اس میں کوئی مناسب ترمیم کر دے۔ مالک الملک نے بھی مختلف
 اُمتوں کے لئے مختلف اوقات میں اصول کے اتحاد کے ساتھ مناسب
 ترمیمات فرمائی ہیں جو ان اُمتوں کے حسب حال اور ان کے لئے
 مناسب سمجھیں۔ اور ان ترمیموں کی وجہ سے مذاہب میں اختلاف
 لازمی اور ضروری تھا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ | اب تو یہ یہو قوف ضرور کہیں گے ہی ان
 مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمْ | (مسلمانوں) کو ان کے سابقہ قبلہ سے

الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ
لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
(سورہ بقرہ رکوع ۱۷)

جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے
کس نے بدل دیا آپ فرمادے تھے سب
مشرق و مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں
(خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو دل چاہے مقرر فرمادیں کسی
کو منصب علت دریافت کرنے کا نہیں ہے) حق تعالیٰ شانہ نے مختلف
مل کے لئے مختلف احکامات ارشاد فرماتے اور ہر ملت کے لئے جب تک
وہ احکام باقی تھے ان پر عمل ضروری تھا جب دوسرا حکم نازل ہو گیا
اب اسکی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری بن گئی اس لئے یہ تخیل کہ
ایک ہی احکام سب کے لئے ہیں نادانی ہے۔

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً
وَمِنْهَا جَاوِلُوا شَاءَ اللَّهُ
لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ
لَيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (س مائدہ ۴۸)

تم میں سے ہر ایک امت کے لئے ہم نے
خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز
کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا
ایک ہی طریقہ رکھنا) منظور ہوتا تو سب
(یہود و نصاریٰ و اہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دیجی) ایک امت
بنادیتے لیکن ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا تاکہ جو جو
دین تم کو (ہر زمانہ میں) دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمائیں۔

دوسری بات فروعی حیثیت سے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احکام
شرعیہ کا صدور اور جزئیات کا ورود کتابی صورت سے نہیں ہوا بلکہ
عملی صورت سے وقتی واقعات کے طور پر ہوا ہے (جس کو ہمارے حضرت

شاہ ولی اللہ صاحب نے الانصاف میں تحریر فرمایا ہے اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ۔ میں اپنے مضمون اختلاف ائمہ میں بھی لکھ چکا ہوں) ان واقعات سے احکام کا استنباط ہوا ہے اور ظاہر بات ہے کہ سمجھ اور فہم کے اعتبار سے فطرۃ قویٰ بشریہ مختلف ہیں ہر شخص ایک سی سمجھ نہیں رکھتا ایسی حالت میں اپنی فہم اور اپنے اجتہاد کے لحاظ سے احکام میں فرق ضروری تھا اور ہوا۔ لیکن جب شریعت مطہرہ نے اس اجتہاد کی اجازت اور گنجائش بتادی اور خصوصی قواعد کے ماتحت اس اختلاف کو جائز قرار دے دیا بلکہ رحمت بتا دیا تو پھر کوئی غلجبان باقی نہ رہا۔ تعجب ہے کہ ہم لوگ شب و روز میں بیسیوں مرتبہ اپنے کمن پنچوں سے یہ بات کہتے ہیں کہ تم ابھی بچے ہو فلاں بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی جب بڑے ہو جاؤ گے اس وقت سمجھ میں آئیگی لیکن ہم لوگ اپنے کو ایسا کامل الفہم کامل الذہن کامل العقل سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیات کا مطلب وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تک (نعوذ باللہ) مشکوٰۃ نبوت کی بھی رسائی نہ ہو صحابہ اور تابعین کا تو ذکر ہی کیا ہے حالانکہ ہم لوگ نہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی برابری ایمان کی خستگی میں کر سکتے ہیں نہ اعمال کی درستی میں نہ قرآن شریف کی زبان دانی میں نہ انوار معرفت میں پھر کیا پوچھنا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر کا جہاں تک دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی رسائی نہیں ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے تبیس ابلیس میں بالتفصیل وہ صورتیں لکھی ہیں جن

میں اس امت پر شیطان کا ایک حملہ ان کی زکات اور عقل اور ذہن کی طرف سے ہوتا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بشری قوتیں علوم الہیہ کو اجمالی طور سے حاصل کر سکتی ہیں اور اسکے لئے ان کو شرائع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ گمراہی کے گڑھے میں گر جائیں گی اور اسی وجہ سے بہت سے حکمائے سابق اس بھنور میں پھنس گئے۔ مفید مضمون ہے دل چاہے تو دیکھ لو۔

علاوہ ازیں ایک چیز اور بھی نہایت قابل اہتمام ہے غور سے سنو کہ اختلاف رائے خواہ ممدوح ہو یا مذموم کسی اختلاف میں بھی حدود سے تجاوز کر جانا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا۔ (سورۃ مائدہ ع ۱) ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لئے اس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔ غور کرو کہ یہاں کفار کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو انکی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف رائے نہیں ہوتا یا اختلاف مسائل نہیں ہوتا یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا یہ سب چیزیں ہمیشہ ہی سے ہوتی آئی ہیں اور رہیں گی مخالفین ممدوح بھی ہوتے ہیں اور مذموم بھی مگر کونسی چیز ہمارے

لئے ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس اسلاف کی رائے ان کا فعل ان کا عمل مشعل ہدایت نہیں ہے۔ آپس کی مخالفت کے قہر دیکھنا ہوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اختلافات دیکھو کہ وہ آپس میں لڑ کر اس تعلیم کو بھی پورا فرما گئے ہیں۔ میں مثال کے طور پر چند واقعات کی طرف تمہیں متوجہ کرتا ہوں مگر اس سے قبل ایک اصولی بات پر بھی متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معاصی بھی صادر ہوئے اور امور سلطنت و حکومت میں اختلافات اور لڑائیاں بھی ہوئیں ان میں سے بہت سے امور گوان حضرات کی شایان شان نہ ہوں ان کے علوم مراتب کے بعض امور خلاف ہوں لیکن ہمارے لئے وہ امور مشعل ہدایت ہیں اور جو واقعات بھی پیش آئے وہ امت کے لئے راہ عمل اور عمل کے لئے نمونہ ہیں اور حقیقی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضرورت نبی کی ہوتی ہے کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ ان کو عمل جامہ پہنا کر جاری کر جاتے تاکہ بعد میں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے ایسی حالت میں قوانین و طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن سے شان نبوت انکار نہ کرتی ہو ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ صبح کی نماز کے لئے آنکھ کا نہ کھلنا جو ایک مرتبہ تو قطعاً پیش آیا اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو یا تین مرتبہ پیش آیا۔

چونکہ یہ فعل شان نبوت کے منافی نہ تھا اس لئے حضور کی ذات سے صادر ہوا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی مشائخ بلکہ معمولی سالکین ایسے ہیں کہ ان کی ہمیشہ خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے صبح کی نماز تو بڑی چیز ہے تہجد بھی ان حضرات کا قضا نہیں ہوتا اسی طرح نماز میں سہو جانا متعدد بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا جس کے بارہ میں خود حضور کا ارشاد ہے اِنِّیْ لَا اُنْسِیْ وَلٰکِنْ اُنْسِیْ لَا سُنَّ (موطائک) میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت (اور طریقہ) جاری کروں دوسرے وہ احکام جو ایسے امور کے تعلق ہوں جو شان نبوت کے منافی ہیں جیسے زنا چوری وغیرہ اور اس نوع کے احکام کا بتانا بھی ضروری تھا اور ان کی حدود کا جاری کرنا بھی ایسے ہی سلطنت کے مقابلے اور حکومت کرنے اور حکومت لینے کے ضوابط کی ضرورت بھی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں یہ چیز اگر پیش آتی تو جس جانب حضور کا فیصلہ ہو جاتا وہ قطعی تھا خلاف کی گنجائش ہی نہ تھی اس لئے ضرورت تھی کہ حضور کے بعد یہ چیزیں پیش آئیں اور دونوں جانب کے اصول و ضوابط معرض ظہور میں آئیں اس لئے جو چیزیں ایسی تھیں کہ شان نبوت ان کے منافی تھیں صحابہ کرام نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے اجراء کے لئے پیش کیا ان میں سے جو امور ایسے تھے کہ حضور کے زمانہ میں آسکتے تھے جیسے معاصی وہ حضور کے زمانہ میں صادر ہوتے اور جو ایسے تھے کہ حضور کے زمانہ میں ان کا پیش آنا مشکل تھا جیسے کہ سلطنت کے نزاعات وہ بعد میں پیش آئے

ایسی حالت میں ہم لوگوں کو ان سب نزاعات اور اختلافات پر بھی ان حضرات کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ممنون احسان ہونا ضروری ہے ہے کہ ہمارے لئے یہ حضرات راستے کھول گئے اور حکومت کرنے اور حکومت کی جائز مخالفت کرنے کے طریقے بتا گئے اب اس تمہید اور اصل کلی کے بعد چند نمونے مخالفت کے بھی لکھتا ہوں غور کی نگاہ سے دیکھو کہ آپس کی مخالفتوں میں بھی ان حضرات نے کیا نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے جنگِ جمل کتنی سخت لڑائی ہوئی تھی کہ تقریباً بیس ہزار آدمی اس لڑائی میں قتل ہوئے (تاریخ الخمیس) لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے اور مد مقابل جماعت میں سے حضرت زبیرؓ کو آواز دی وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے دونوں نے معاف کیا اور دونوں روئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آ گئے، حضرت زبیرؓ نے فرمایا حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے (کتاب الامامۃ والسیاستہ) اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے حضرت علیؓ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے ان مغلوبین

کے مال کو غنیمت قرار دیا لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار فرمادیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں حضرت علیؓ اول انکار فرماتے رہے آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کون سا تیار ہے انہوں نے عرض کیا نستغفر اللہ (یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں یہ تو نہیں ہو سکتا) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وانا استغفر اللہ (میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں) کیا ہم بھی اپنے کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں، دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے کا رکھتے تھے۔ اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ پڑے ہوئے ہیں حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے، تم بڑے عبادت گزار شب بیدار تمام رات نماز پڑھنے والے تھے، سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے (کتاب الامامۃ) اس لطافت کے خاتمہ پر جب حضرت عائشہؓ کا اُونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؓ نے جلدی سے کہا دیکھو (ام المؤمنین) کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ (طبری) حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ جو حضرت علیؓ کے طرفدار تھے جلدی سے بڑھے دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی، اس کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ خود ہودج کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا۔ اما جان کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی

اللہ جل شانہ تمہاری غلطی کو معاف فرماتے حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے (طبری) یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی۔ ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہے کسی مخالف پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اسکی جان مال و آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں۔

امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کی جنگ ضرب بالمثل ہے۔ امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا۔ صبر نہ ہو سکا اسکو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، کیا فیصلہ فرمادیں۔ قاتل کی سزا قصاص، لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل حضرت معاویہ نے ابو موسیٰ اشعرنیؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (موطا امام مالک) کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سنانے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں، کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس طرف رجوع کرے۔

حضرت علیؓ سے ان کے خلیفہ ہونے کے وقت جب مہاجرین و انصار نے بیعت عامہ کی تو ایک جماعت بیعت میں شریک نہیں ہوئی حضرت علیؓ نے ان پر جبر نہیں فرمایا اور جب آپ سے کسی نے ان لوگوں کے متعلق سوال

کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حق کا ساتھ دینے سے بیٹھ گئے لیکن
 باطل کا ساتھ بھی نہیں دیا (خمیس) مگر آج کوئی شخص یا کوئی جماعت
 سکوت اختیار کرے تو اسکا کیا حشر ہے یہ انجار بینوں سے مخفی نہیں ہے۔
 حضرت امام حسن کو زہر پلایا گیا اور جب وصال ہونے لگا تو لوگوں نے
 دریافت کیا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے آپ نے
 ارشاد فرمایا کہ واللہ میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ کس نے پلایا ہے اگر وہی ہے
 جس کو میں سمجھتا ہوں تو اللہ جل جلالہ کا انتقام بہت کافی ہے اور اگر
 وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کو مارا جائے
 (خمیس) لیکن ہمارا کیا عمل ہے جس شخص سے معمولی اختلاف رائے
 ہے ہر برائی اس کے ذمہ ڈالی جاتی ہے جو اذیت ہم کو پہنچتی ہے
 اسی کی سازش سمجھی جاتی ہے کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی اذیت
 پہنچائے تو دیدہ و دانستہ اس اذیت کو اس مخالف رائے کے
 ذمہ ڈالنے کی کوشش کی جائیگی۔ بسا اوقات ہمارا دل کہتا ہے کہ
 یہ فعل اسکا نہیں ہے مگر انتقام کا جوش اسکی سعی کرتا ہے کہ اس
 قصہ میں اسکو بے گناہ جاننے کے باوجود اس کو پھانسا جائے۔ اور سنئے
 اسی جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی اور حضرت علیؓ کی کس قدر سخت
 مخالفت تھی کہ اصل جنگ ہی ان دونوں حضرات کی تھی لیکن
 جب حضرت حسن بن علیؓ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت
 حسینؓ کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں

ان کے گھر میں اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوئے۔
 حضرت عائشہؓ نے باوجود اس ساری لڑائی کے نحوشی اسکو قبول فرمایا
 اس کے بعد حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ شاید میری زندگی
 میں میری شرم و لحاظ کی وجہ سے اجازت دیدی ہو میرے انتقال
 کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا اگر وہ نحوشی اجازت دیں تو وہاں
 دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ حضرت حسینؓ نے
 بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ
 نے فرمایا (نعم و کرامۃ) ہاں ہاں بڑے اکرام کے ساتھ (یہ ہے مسلمانوں
 کے اسلاف کی لڑائی اور آپس کی مخالفت اسکے بعد کا حال بھی سنو کہ)
 امراء بنی اُمیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمانؓ کو مخالفین نے وہاں
 دفن نہ ہونے دیا تھا مزاحمت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمانؓ کو وہاں
 دفن نہیں ہونے دیا تو حسنؓ بھی دفن نہیں ہو سکتے لیکن اس کے باوجود حضرت
 حسینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے امیر مدینہ سعید بن العاصی کو
 بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے (نخیس) کیا ہم بھی سنت کی رعایت
 میں اپنے دشمن کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ یہاں معمولی سے معمولی
 اختلاف پر مصلوں سے ہٹا دینا امامت سے علیحدہ کر دینا و زمرہ
 کے معمولات ہیں دو چار واقعہ ہوں تو کوئی گنوائے جہاں ہزاروں
 لاکھوں واقعات اسی نوع کے ہوں کہاں تک گنوائے جائیں یہ مسلمانوں
 کے ساتھ ان حضرات کے معاملات تھے۔ ایک نظر غیر مسلموں کے ساتھ
 برتاؤ پر بھی ڈالتے جاؤ۔ کفار مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں

کو ابتداء اسلام میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائیں کو نسی ایسی اذیت و تکلیف اور توہین و تذلیل بھی جو ان حضرات کے ساتھ نہیں برتی گئی۔ ہر مسلمان ان سے واقف ہے۔ اور عام و خاص کی زبانوں پر یہ واقعات ہیں۔ کچھ نمونہ دیکھنا چاہو تو حکایات صحابہؓ کا یہ باب دیکھو۔ لیکن ان سب کے بعد مکہ کرمہ فتح ہوتا ہے سب کفار زیرِ نگیں اور مغلوب ہوتے ہیں۔ اس وقت ہر شخص اپنے اوپر خائف ہے کہ اپنی عداوتیں سامنے ہیں۔ لیکن حضور کی پاک زبان سے نکلتا ہے۔ لَا تَثْرِيْبُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ (رمنشور) آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔

غزوہ بدر میں کس زورِ شور سے کفار نے مقابلہ کیا۔ پھر مغلوب ہوئے پکڑے گئے۔ لیکن قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا کہ بعض کو معمولی معاوضہ پر آزادی دی گئی اور بعض غریبوں کو بلا معاوضہ آزادی دے دی گئی (خمیس) اسی طرح جس قدر معرکے حضور کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوئے ہیں تاریخ کے صفحات ان سے پُر ہیں کہ ذمیوں اور قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا وہ آج مسلمانوں کا مسلمانوں سے نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی آدمی عورت اور غلام تک کسی کو امن دیدیتا تھا تو بادشاہ اور امیر کو اس کا پورا اکرا ضرور تھا۔ آج قوم کے بڑے بھی کسی سے معاہدہ کر لیں تو ساری قوم ان کے خلاف لعنت کا دھڑ پاس کرنے کو تیار ہے۔ فتح مکہ میں حضرت ام ہانی

نے اپنے سسرال کے کسی شخص کو امن دیدیا۔ حضرت علیؑ نے اس کو رد کرنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے فرمادیا کہ ہم نے امان قبول کر لیا ہے اور ضابطہ بنادیا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ کا امان دیدینا معتبر ہے ہر مزان کا بار بار بد عہدی کرنا اور پھر امن چاہنا تو ارتح میں مفصل مذکور ہے۔ اور اخیر میں جب حضرت عمرؓ نے ان کی مکرر سہ کر بد عہدی سے قتل فرمانے کا تہیہ کر لیا تھا تو کیسے معمولی جیلے سے امن چاہ کر مسلمان ہوئے کہ اول اپنے پیاسے ہونے کو ظاہر کیا اور جب پانی دیا گیا تو کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے قتل کر دیا جاؤں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کرو۔ پانی پینے تک تم کو امن دیدیا۔ یہ سن کر گلاس کا پانی گرا دیا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ پانی منگایا تو کہنے لگے مجھے پانی پینا منظور نہیں ہے۔ مگر آپ پانی پینے تک امن دے چکے ہیں۔ اگرچہ یہاں بالکل صاف اور ظاہر مفہوم تھا کہ پانی نہیں پینا تو امن ختم ہے۔ مگر چونکہ امن اور ایفائے عہد میں یہ حضرات بہت اوجھی چٹان پر تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اسکو قبول فرمایا۔ ان حضرات کے اس علوشان کا تھوڑا سا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو لکھی ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی عجمی مذاق اور لہو و لعب کے طور پر یا کسی ایسی زبان میں یا ایسے الفاظ میں کہے جو ان کے یہاں امن سمجھے جاتے ہوں تو تم اس کو امن کے قائم مقام سمجھو۔ اس لئے کہ امن دینے میں غلطی کر جانا کارآمد ہے اور بد عہدی میں غلطی کر جانا

ہلاکت ہے۔ اور تمہارے ضعف اور دشمن کے قوی ہو جانے کا سبب ہے۔ (اشاعت)

ابو لوہوہ جو حضرت عمرؓ کا قاتل ہے نصرانی غلام تھا حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں ان کو اشارے سے قتل کی دھمکی دی جتی کہ کچھ عرصہ کے بعد قتل بھی کر دیا حضرت عمرؓ نے خود فرمایا کہ اس نے اس وقت مجھے قتل کی دھمکی دی ہے لیکن اسکے باوجود کیا کوئی انتقام اس سے لیا۔ بلکہ اسکے بالمقابل اس کے ساتھ احسان کا ارادہ تھا جو کتب احادیث اور تاریخ میں مشہور ہے۔ اور اسکی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب نہاوند کے قیدی پکڑ کر لاتے گئے اور ایک ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا کہ اَکَلْ عَصَا کَبِدِیْ عمرؓ نے میرا جگر کھا لیا ہے (اشاعت)

ابن بلجم حضرت علیؓ کا قاتل ایک مرتبہ کسی اپنی حاجت کو لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسکی حاجت پوری فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے کسی نے عرض کیا کہ اسکو آپ قتل کیوں نہیں کر دیتے۔ آپ نے فرمایا فَمَنْ يَقْتُلْنِیْ پھر مجھے کون قتل کرے گا۔ (اشاعت)

ایک روایت میں ہے کہ ابھی اس نے قتل نہیں کیا (تو پہلے سے قصاص کیسے ہو سکتا ہے) جب اس شقی نے آپ پر حملہ کر دیا اور پکڑا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ابھی قتل نہ کرنا۔ قید میں رکھنا (وَاطِیْبُوْا طَعَامًا

وَالْيَنُورُ اِفْرَاشِدُ) اور کھانے کو اچھا دینا اور بستہ نرم دینا اگر میں اس حملہ سے مر گیا تو قصاص میں قتل کر دینا۔ اور اچھا ہو گیا تو میں اپنے معاملہ کا مختار ہوں چاہے معاف کر دوں یا بدلہ لوں (خمیس) ان واقعات کا احاطہ کسی مختصر تحریر میں کیا ہو سکتا ہے تو ارتح ان سے لبریز ہیں۔ مجھے تو اس نمونہ سے صرف ادھر متوجہ کرنا مقصود ہے کہ مخالفین اور دشمنیاں ہوتی آئی ہیں مگر دشمنوں کے ساتھ بھی ان پاک نفوس کا جو برتاؤ تھا وہ ہمارا دوستوں سے بھی نہیں ہے۔ پھر اُمید باندھے بیٹھے ہیں کہ اسلام اسلام کا نام زبان پر رٹیں اور عمرات وہی حاصل ہوں جو ان کو حاصل تھے۔

فَالِی اللّٰهِ الْمَشْتٰکِی۔ (آخری وصیت) ابھی میرا کچھ اور بھی لکھنے کا خیال تھا۔ مگر ماہ مبارک قریب آ رہا ہے۔ اور اس مبارک مہینے میں مجھے خط لکھنا تو درکنار، پڑھنا بھی دشوار ہے۔ اس لئے ایک نہایت مختصر مضمون پر اس خط کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس سارے مضمون سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ہماری ساری پریشانیوں کا منشاء اسلامی تعلیمات سے ہماری غفلت اور اس پر عمل نہ کرنا ہے اس لئے کہ مسلمان کی انتہائی ترقی کا راز صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مضمر ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے لہذا آخری نصیحت اور وصیت کرتا ہوں ۵

نصیحت گوش کن جانان کہ از جان دوست تر دارند

جو انان سعادت مند پسند پیر دانارا
کہ جیاں کہیں کسی ناجائز امر کو دیکھو اور اس کے روکنے پر قدرت ہو

اس میں دریغ نہ کرنا۔ اور جہاں قدرت نہ ہو وہاں نزاع و فساد پیدا نہ کرنا۔ یہ دو امر نہایت اہم اور دقیق ہیں۔ اس میں ہم لوگ بسا اوقات غلطی کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے امور کو جو ہماری قدرت میں ہیں ہم اپنے تعلقات کے زور میں اولاد و احباب کی محبت میں ان پر سکوت کرتے ہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (رواہ مسلم وغیرہ) رسالہ تبلیغ جو شخص تم میں سے کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے اس کو ہاتھ سے بدل ڈالے مثلاً کوئی ناجائز چیز بنتے ہوئے دیکھے اگر قدرت ہے تو اسکو توڑ ڈالے۔ کسی شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔ اس پر کچھ زور ہو تو مار کر روک دے) اگر اسکی قدرت نہ ہو تو زبان سے بدل ڈالے (یعنی ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو، تو زبان سے روک دے یا کم از کم زبان سے اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کر دے) اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اسکو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب دل سے بھی اس کو برا نہیں سمجھا ہے تو گویا دل سے اسکو پسند کر لیا۔ پھر ایمان کا کونسا درجہ رہ سکتا ہے۔ اسی لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَاهِلٍ ارشاد فرمایا ہے (افضل ترین جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ

کے سامنے کہہ دینا ہے) کہ چونکہ ہاتھ سے روکنے پر قدرت نہیں ہے اس لئے زبان ہی سے کہہ دے شاید اثر کر جائے، یا کم از کم اس کے علم میں تو یہ بات آجائے کہ میں فلاں کام ناجائز کر رہا ہوں۔ اپنی جہالت سے ناجائز کو جائز اور باطل کو حق سمجھتا رہے کہ پھر اس سے رکنے کی یا توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يَغَيِّرُوا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُونَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوتُوا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ جُبَّانَ وَغَيْرُهُمَا (رسالہ تبلیغ)

جو شخص کسی جماعت میں ہو اور کوئی ناجائز کام کرتا ہو۔ اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو پھر بھی نہ روکے تو ساری جماعت کو مرنے سے پہلے پہلے اس کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اھ کس قدر سخت وعید ہے۔ ہم لوگ اپنی اولاد کو اپنے پھولوں کو علی الاعلان ناجائز امور کرتے دیکھتے ہیں ہر طرح سے ان پر قدرت ہے، زور ہے لیکن پھر بھی ان کی محبت کی وجہ سے یا دین سے غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے نہیں روکتے۔ یہ حقیقت میں نہ ان کے ساتھ خیر خواہی ہے نہ اپنے ساتھ ان کو بھی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اور اپنے کو بھی، آج اولاد ملازم، بیوی بہن کوئی مالی نقصان کر دے، ہماری اپنی شان کے خلاف کوئی بات کہہ دے اس کی جان کو آجائیں گے۔ مار پیٹ سے بھی دریغ نہ ہوگا۔ گالی دینے اور بُرا بھلا کہنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لیکن

وہ نماز نہ پڑھتا ہو، داڑھی منڈاتا ہو، غرض اللہ جل جلالہ اور شریعت
 مطہرہ کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہو، تو کچھ مارتا تو درکنار زبان
 سے بھی نہیں کہا جاتا۔ بلکہ دل میں بھی خیال نہیں آتا۔ کوئی حکومت کا
 مجرم ہو اسکا باغی ہو۔ قتل کا ملزم ہو وہ ہمارے پاس آجائے تو
 زبان سے اگر کسی وجہ سے نہ کہا جائیگا تو بھی دل میں بار بار خیال آئیگا کہ
 یہ مجرم میسر پاس ہے کہیں میں اس کے ساتھ نہ پکڑا جاؤں۔ لیکن اللہ
 کا باغی، اللہ کا نافرمان کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہمارے پاس
 آتا ہے تو زبان سے کہنا تو بڑی بات ہے دل میں بھی اسکا وسوسہ نہیں
 آتا کہ یہ اللہ کا مجرم ہے کہیں اسکی نحوست میں بھی گرفتار نہ ہو جاؤں۔
 قرآن حکیم اور احادیث بار بار اس چیز کی مذمت کرتے ہیں۔ اس پر جگہ جگہ
 تنبیہیں وارد ہیں۔ اور پھر اللہ جل شانہ جیسا قادر کہ دنیا اور آخرت
 کی بادشاہت اسی کی ہے۔ دنیا کے سارے بادشاہ اور حاکم اسی کے
 قبضہ قدرت میں ہیں۔ لیکن ذرا بھی اس مالک کا خوف ہمارے دل
 میں نہیں آتا اور علی الاعلان اسکے احکام کی خلاف ورزی کریں تو
 پھر ہم پر بلائیں اور مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعِلِّ الْخَاصَّةِ
 حَتّٰی یَسْرِوْا الْمُنْکَرِبَیْنِ ظَهْرَانِیْہُمْ وَہُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰی اَنْ
 یَّتَکَبَّرُوْہُ فَلَا یُنْکَرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ
 (مشکوٰۃ) اللہ جل شانہ چند مخصوص لوگوں کے گناہ کرنے سے سب کو عذاب

نہیں کرتے جب تک کہ وہ لوگ ان مخصوص لوگوں کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں۔ اور جب ایسا ہو کہ وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو پھر عام خاص سب کو غلاب میں مبتلا فرماتے ہیں۔ میں اسی مضمون کو اپنے ایک رسالہ میں جو رسالہ تبلیغ کے نام سے شائع ہو چکا ہے مفصل لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جس جگہ آدمی کو قدرت حاصل ہے وہاں نہ روکنا اپنے آپ کو مصائب اور پریشانیوں کے لئے پیش کرنا ہے۔ اور منجملہ اور پریشانیوں کے اسباب کے جو آج چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی بڑا سبب ہے کہ ہم دین کی کسی بات پر کسی مخالف اور دشمن کو تو ضرور اسکی آبروریزی کی نیت سے اسکا وقار گرانے کی فکر میں ٹوکیں گے۔ اور کچھ نہ ہو سکے گا تو اظہار حق اور احقاق حق کے نام سے اس کے خلاف ایک فتوئی لیکر شائع کر دیں گے لیکن اپنے عزیز کو اپنے دست کو اپنے پھوٹے کو کبھی بھی ٹوکنے کا ارادہ نہ کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ إِذَا عَظُمَتْ أُمَّتِي الدُّنْيَا نَزَعْتُ مِنْهَا هَيْبَةَ الْإِسْلَامِ وَإِذَا تَرَكْتُ الْأُمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَاتُ الْوَحْيِ وَإِذَا تَسَابَتْ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللَّهِ (رسالہ تبلیغ) جب میری امت دنیا کو عظیم الشان اور اُونچی چیز سمجھنے لگے لگی تو اسلامی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بُرے کاموں سے روکنا چھوڑ

دیگی تو وحی کی برکتوں سے محروم ہو جائیگی۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگیں گی تو اللہ کی نگاہ سے گرجائیں گی۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ تمہیں دو نشے گھیریں گے ایک نشہ زندگی کی محبت کا، دوسرا نشہ جہالت کی محبت کا (یعنی علم حاصل کرنے سے پہلے ہی کرنا) اس وقت تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بُری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے اس وقت قرآن و حدیث پر مضبوطی سے جمنے والے ایسے ہونگے جیسے اُونچے درجہ کے مہاجرین و انصار (جامع) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی حدود پر قائم ہیں (یعنی دین میں خوب پختہ ہیں) اور جو لوگ ان میں گرنے والے ہیں (یعنی معاصی میں مبتلا ہیں) ان دونوں کی مثال اس جماعت کی سی ہے جو ایک جہاز میں سوار ہوئی جس میں کچھ لوگ اوپر کے طبقہ میں ہیں اور کچھ لوگ نیچے کے حصّہ میں ہیں نیچے والے پانی لینے کے لئے بار بار اُپر آتے ہیں وہ اس وقت کی وجہ سے کہ اوپر بار بار جانا پڑتا ہے جس سے ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جو اُپر ہیں اس لئے وہ لوگ جہاز کے نیچے کے حصّہ میں ایک سوراخ کرنے لگیں تاکہ وہیں سے پانی آنے لگے تو ایسی صورت میں اگر اُپر کے حصّہ والے ان کو سوراخ کرنے سے نہ روکیں گے تو جہاز میں سوراخ ہو جانے سے اندر پانی بھر آئیگا اور دونوں فریق ڈوب جائیں گے (ترغیب عن البخاری) اس لئے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ قدرت کے بعد نہروکنا صرف گناہ کرنے والے ہی کو نقصان رساں نہیں ہے اپنے آپ

کو بھی عذاب الہی میں مبتلا کرنا ہے اور عام عذاب کے لئے تیار ہونا ہے۔
 آجکل جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں اور بہت سے ان میں واقعی دیندار
 ہیں بھی وہ اپنے آپ کو بالکل ہی سبکدوش سمجھتے ہیں لَا یَضُرُّکُمْ مِّنْ
 صَلَٰةٍ اِذَا اٰهْتَدَیْتُمْ (جب تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ تو کسی کا گمراہ ہونا تم
 کو نقصان نہیں پہنچاتا) کا پروانہ اپنے اطمینان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اللہ تعالیٰ ان پر لاکھوں رحمتیں نازل
 فرمادیں دین کے کسی جز کو بھی غیر مکمل نہیں چھوڑا ہے۔ متعدد صحابہ سے اس
 آیت شریفہ کے بارے میں حضور سے سوال کرنا اور حضور کا جواب میں
 یہ ارشاد فرمانا تفاسیر میں منقول ہے اَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ اور نَهًی عَنِ الْمُنْكَرِ
 کرتے رہو، ورنہ عام عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اس آیت شریفہ کا
 محل یہ ہے کہ جب اسکی طاقت نہ رہے اور فتنوں کا دروازہ کھل جائے۔
 حضرت ابو بکر صدیق ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اور یہ آیت تلاوت
 فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو بے محل پڑھتے ہو۔ میں نے
 خود حضور سے سنا ہے کہ جو لوگ ناجائز کام کو دیکھیں اور اسکو نہ روکیں
 قریب ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود تشریف
 فرماتے تھے۔ دو آدمیوں میں کچھ نزاع ہوا۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک
 صاحب ارادہ کیا کہ اٹھ کر اس کو روک دیں دوسرے کسی صاحب نے ان
 کو اٹھنے سے منع کیا اور یہ آیت تلاوت کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے
 تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ابھی اس آیت کا وقت نہیں آیا ہے (درثور)

الغرض جہاں قدرت ہو وہاں نیکر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح دوسری جانب جہاں قدرت نہ ہو بیکر پر کوئی فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو کسی دینی مضرت اور نقصان کا خیال ہو۔ وہاں خواہ مخواہ خم ٹھوک کر نہ کھڑے، مونا بلکہ اس مجمع سے یکسوئی اختیار کرنا اور لوگ تمہاری یکسوئی پر برا بھلا کہیں، گالیاں دیں، طعن و تشنیع کریں اسکو برداشت کرنا۔ ہمت ہو تو ان کے لئے دُعائے خیر کرنا۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر پاک اور اونچا اسوہ ہے۔ لیکن یہ نہ ہو سکے تب بھی ایسے مواقع میں جھگڑے سے علیحدہ رہنا اصلاح کی فکر میں نہ لگنا اپنے کو سنبھالے رہنا بہت غنیمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جب تو دیکھے کہ آدمیوں کے عہدِ پیمان گڑبڑ ہو گئے اور امانتیں ہلکی پڑ گئیں (یعنی ان کا اہتمام نہیں رہا) اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر ارشاد فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ لوگ اس طرح آپس	اِذَا رَاَيْتَ النَّاسَ قَدْ مَرَجَتْ عُهُودُهُمْ وَخَفَّتْ اَمَانَتُهُمْ وَكَانُوا هَكَذَا وَشَتَّكَ بَنِي اَنَا مِلِّهِ فَالْزَمْ بَنِيكَ وَامْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ
---	--

عہ جنگ اُحد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا اور حجرۂ انور بھی زخمی ہو گیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ چیز بہت شاق تھی اور ہونا بھی چاہیے تھی اس لئے انہوں نے درخواست کی تھی کہ ان کفار پر بددعا فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے بددعا فرمانے کے یہ پاک الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ جن کا ترکہ یہ ہے کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں (شفا)

وَدَعَا مُتَكَبِّرًا وَعَلَيْكَ بِمَخَاصِئِ
 أَمْرِ نَفْسِكَ وَدَعَا عَنْكَ
 أَمْرَ الْعَامَّةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ
 عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَكَذَا فِي
 الْجَامِعِ وَقَالَ الْعَزِيزِيُّ
 صَحِيحٌ -

میں گڑبڑ ہو گئے (کنایہ ہے حق ناحق بھلے
 بُرے کے آپس میں مخلوط اور غیر ممتاز ہونے
 سے) تو اپنے گھر میں بیٹھ جانا اور زبان کو
 روک لینا جائز امور کو اختیار کرنا اور
 ناجائز سے پرہیز کرنا اور اپنے آپ کو
 سنبھالے رکھنا اور عوام کو چھوڑ دینا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے
 والا ہے کہ آدمی کا بہترین مال چند بکریاں ہوں جن کو لیکر وہ پہاڑ کی
 چوٹیوں پر اور ایسے مواقع پر جا پڑے جہاں بارش ہوتی رہتی ہو کہ
 اپنے دین کی وجہ سے فتنوں سے بھاگتا ہو (بخاری)

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے فتنوں کے زمانہ
 میں یکسوئی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے البتہ جو شخص ایسا ہو کہ اسکو فتنہ کے
 روکنے پر قدرت ہو اس کے لئے اس کے روکنے میں سعی کرنا واجب ہے
 جو حالات کے اختلاف کی وجہ سے فرض عین یا فرض کفایہ ہے (یعنی اگر
 کوئی دوسرا شخص اسکو روکنے والا نہیں ہے تو فرض عین ہے اور اگر اور لوگ
 بھی ایسے ہیں جو اسکو روک سکتے ہیں تو فرض کفایہ ہے) اور بغیر فتنہ کے
 زمانہ کے علما میں اختلاف ہے کہ یکسوئی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ
 اختلاط افضل ہے امام نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور دیگر بہت
 سے علما کا مذہب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اختلاط افضل ہے اس لئے کہ

اس سے بہت سے دینی فوائد حاصل ہوتے ہیں اسلامی شعاروں میں شرکت کی نوبت آتی ہے مسلمانوں کی جماعت کی کثرت ظاہر ہوتی ہے اور ان کو بہت سی بھلائی کے پہونچانے کا موقع ملتا ہے مریضوں کی عیادت جنازوں کی شرکت سلام کا شائع کرنا بھلی باتوں کا حکم کرنا بُری باتوں سے روکنا نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنا محتاج کی مدد کرنا مسلمانوں کی جماعتوں میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ جتنے امور بھی ہو سکتے ہوں سب کا امکان ہے اور جو شخص عالم ہو یا زاہد اس کے لئے اختلاط کا استحباب اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے لیکن ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ باوجود ان سب کے بھی تنہائی افضل ہے اس لئے کہ اس میں سلامتی یقینی ہے بشرطیکہ تنہائی کی عبادت اور ان چیزوں سے جو تنہائی کی حالت میں اس کے ذمہ ضروری ہیں واقف ہو۔ امام نووی فرماتے ہیں مذہب رائج یہی ہے کہ جس شخص کو اس کا غلبہ ظن نہ ہو کہ وہ خود محاصی اور گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا اس کے لئے اختلاط ہی افضل ہے علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں تو یکسوئی ہی افضل ہے اس لئے کہ مجالس گناہوں سے بہت ہی کم خالی ہوتی ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں بھی کرمانی کا موافق ہوں اس لئے کہ اس زمانہ میں اختلاط سے بُرائیوں کے سوا اور کچھ حاصل نہیں فقط۔ امام نووی کی وفات ۸۷۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور علامہ کرمانی کی ۸۸۶ھ میں تقریباً سو برس کے فرق میں زمانہ کا یہ تغیر ہے کہ امام نووی اختلاط کو افضل بتاتے ہیں اور امام کرمانی سو برس کے بعد فرماتے ہیں کہ آجکل مجالس اس قابل نہیں رہیں۔ علامہ عینی کی وفات ۸۵۵ھ میں ہے وہ علامہ کرمانی

کی تائید کرتے ہوئے ضرور کا اضافہ ہی بتاتے ہیں ایسی صورت میں اب چودھویں صدی کے نصف آخر میں جتنا بھی اضافہ ہو قرین قیاس ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر زمانہ اپنے ماضی سے شر میں بڑھا ہوا ہوگا اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بُری باتوں سے روکتے رہو البتہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور خواہشات نفس کی پیروی کی جاتی ہے اور دنیا کو (دین پر) ترجیح دی جاتی ہے اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو بہتر سمجھتا ہے (یعنی خود رائی عام ہو جائے) اور ایسی حالت کو دیکھو کہ (سکوت بغیر) چارہ کار نہیں تو اپنے نفس کی خبر گیری کیجھو (مبادا کسی فساد میں مبتلا ہو جائے) اور عامۃ الناس کو چھوڑ دیجو۔ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (اپنے دین پر) صبر کرنا ایسا ہوگا گویا آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے لی (مشکوۃ) یعنی آگ کی چنگاری ہاتھ میں لیکر اس پر صبر کرنا اور اسکو ہاتھ میں روکے رکھنا جیسا مشکل ہوتا ہے ایسا ہی دین کا تھا مناسبت ہو جائے گا چنانچہ اس زمانہ میں دینی امور کا پھیلنا انکی جانب متوجہ کرنا بلکہ خود اپنے آپ دین پر عمل کرتے رہنا جس قدر مشکل بن گیا ہے وہ ہر دیندار شخص جانتا ہے اہم سے اہم دینی امر اور ایمان کے بعد سب سے اُدنی چیز نماز ہی کو دیکھ لو کہ عوام کے طبقہ سے زیادہ شرفاء اور امرا اور وہ لوگ جو اپنے کو اسلام کا علمبردار سمجھتے ہیں ان کو نماز کے لئے کہنا انکو مسجدوں میں جانے پر جماعت کے اہتمام پر آمادہ کرنا کتنا مشکل بن گیا ہے گویا

کہنے والی کی اپنی غرض اس سے وابستہ ہے جس کو کہا جاتا ہے اس کا تو کوئی نفع اس میں ہے ہی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کوئی آگ (چراغ وغیرہ) روشن کی اور پروانے وغیرہ جانور اس پر آکر گرتے ہیں اور وہ انکو ہٹاتا ہے کہ خواہ مخواہ جل جائیں گے مگر وہ ہٹتے نہیں اور اس میں جلے جاتے ہیں یہی بعینہ میری مثال ہے کہ تم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر (جہنم) کی آگ سے ہٹاتا ہوں مگر تم لوگ اس میں گھسے جاتے ہو (مشکوٰۃ) اسی طرح علماء کیلئے بھی افضل یہی ہے حتیٰ الوسع منکرات سے روکنے کی۔۔۔۔۔ سعی کریں لیکن اسکے بعد بھی اگر وہ مغلوب ہو جائیں یا کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو پھر فتنہ سے علیحدہ رہنا بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج (مشہور ظالم) کو خطبہ میں ناجائز امور کہتے ہوئے سنا میرے دل میں آیا کہ اسکو ٹوکوں مگر مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی (اس لئے چپ ہو گیا) وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا ارشاد فرمایا کہ ایسی مشقت میں داخل ہو جائے جس کا تحمل نہیں کر سکتا حضرت علیؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ مسلمان کے لئے یہ (جائز) نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہ نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا، ارشاد ہوا کہ ایسی بلا میں داخل ہو جسکا تحمل نہیں کر سکتا (مجمع الزوائد) حضرت سعد

بن ابی وقاص جلیل القدر صحابہ میں ہیں جس زمانہ میں حضرت علی اور امیر معاویہ میں لڑائی ہو رہی تھی یہ اپنے اُونٹوں کو لیکر جنگل میں چلے گئے تھے ان کے صاحبزادہ عمران کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے دور ہی سے اللہمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الرَّاکِبِ (اے اللہ میں اس سوار کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں) پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ تشریف لے گئے سواری سے اُترے اور عرض کیا آپ اپنے اُونٹوں اور بکریوں کو لیکر یہاں تشریف لے آئے اور لوگوں کو چھوڑ دیا کہ وہ سلطنت پر لڑتے رہیں حضرت سعد نے ان کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا اور فرمایا چپکے رہو میں نے خود حضورؐ سے سنا ہے کہ اللہ جل شانہ اس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں جو متقی ہو اور مخفی ہو (ترغیب بروایہ مسلم) ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم کو بہترین شخص بتاؤں کون ہے صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہے جو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے اللہ کے راستے میں رہے یہاں تک کہ مر جائے یا شہید ہو جائے پھر ارشاد فرمایا بتاؤں اس کے بعد کون شخص بہترین ہے صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو کسی گھاٹی میں الگ جا پڑا ہو نماز کو قائم رکھتا ہو زکوٰۃ ادا کرتا ہو لوگوں کے شرور سے محفوظ ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے کیا ہی اچھا ہے وہ شخص کہ اپنی زبان پر قدرت رکھتا ہو اپنے گھر میں پڑا رہتا ہو اور اپنی خطاؤں پر روتا رہتا ہو حضرت عقبہؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے عرض کیا نجات کی کیا صورت ہے حضورؐ نے

ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو گھر میں پڑے رہو اپنی خطاؤں پر روتے رہو لیکن ان سب صورتوں میں ایک بات قابل اہتمام ہے کہ ناجائز اور بُری بات کو دیکھ کر دل سے اس چیز کو بُرا سمجھنا دل سے اس پر رنجیدہ ہونا دل سے اس پر نفرت کرنا از بس ضروری ہے جسکو سب سے پہلی حدیث میں ایمان کا ضعیف درجہ کہا گیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو ہلاک کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے تیری ذرا سی نافرمانی بھی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ اس کے باوجود ہلاک کر دو میسر بارے میں اسکی پیشانی پر ذرا بھی بل نہیں پڑا (شکوۃ) بل نہ پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانی دیکھتا رہا اور کسی وقت ذرا بھی اپنی ناگواری اور گرانی کا اظہار نہ کیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر میں شریک ہو مگر اسکو بُرا سمجھتا ہو دل سے اس پر نفرت کرتا ہو گو کسی مجبوری سے اس میں شریک ہو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس میں شریک نہیں ہے اور جو شخص اس میں شریک نہ ہو اور اس کو پسند کرتا ہو وہ ایسا ہے جیسا اس میں شریک ہے (مجمع الزوائد) گناہ کی بات خواہ کسی میں بھی ہو اس پر راضی ہونا سہم قاتل ہے اور پھر سب گناہوں کی جڑ کفر ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے مکتب میں ایک بڑا قابل عبرت قصہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کی عیادت کو گیا وہاں پہونچ کر دیکھا کہ انتقال کا وقت بالکل قریب ہے میں

نے اس پر توجہ ڈالی تو اس کے دل کو ظلمتوں سے بھرا ہوا پایا ہر چند میں نے توجہ کی کہ اس کے دل پر سے یہ ظلمتیں دور ہو جائیں مگر دور نہ ہوئیں۔ بڑی دیر توجہ کے بعد محسوس ہوا کہ یہ ظلمتیں اہل کفر سے دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں یہ توجہ سے زائل نہ ہوں گی جہنم کے عذاب ہی سے زائل ہوں گی (مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم) کس قدر خوف و عبرت کا مقام ہے کہ بعض کدورتیں دل پر ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ اللہ والوں کا تعلق جو اکسیر ہے وہ بھی ان کے مقابلہ میں بے کار ہو جاتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ اہل معاصی کے بغض کے ساتھ اللہ کے یہاں تقرب حاصل کرو اور ان سے ترش روئی سے بٹو اور ان سے ناراضی میں اللہ کی رضا تلاش کرو اور ان سے دور رہنے میں اللہ کا تقرب حاصل کرو (جامع الصغیر) سند اگرچہ ضعیف ہے مگر مضمون کی دوسری احادیث سے تائید حاصل ہوتی ہے عزیزی نے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اس معصیت سے بغض رکھو نہ کہ اس شخص کی ذات سے اور یہی مطلب ہے ان سب احادیث کا جہاں اس قسم کے مضامین وارد ہوئے ہیں کہ آپس کے تعلقات اور کسی سے محبت کی وجہ سے اس میں جو معصیت ہے وہ بھی ہلکی نہ بن جائے اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس معصیت کی وجہ سے اس میں جو صفت اسلام ہے وہ نظر انداز نہ ہو جائے اس لئے ان دونوں افراط و تفریط کے درمیان میں اعتدال ہے یہی اصل تعلیم ہے اور یہی ہر چیز کو اس کے درجہ پر رکھنا ہے جس کے ہم لوگ مامور ہیں۔

حق یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی ہی تھی کہ يَدْ خُلُونِ فِي دِينِ
 اللّٰهِ اَفْوَاجًا (اللہ کے دین میں فوجیں کی فوجیں داخل ہوتی ہیں)
 کا مصداق تھی مگر ہم نے اس سے مُنہ موڑا اس پر عمل کرنا درکنار اسکو
 معلوم کرنا بھی چھوڑ دیا اسی کے یہ خمیازے ہیں جو بھگت رہے ہیں۔
 ہماری مثال شتر مرغ کی سی ہے جس کے متعلق ایک ضرب المثل ہے کہ
 جب اس سے اُڑنے کو کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں شتر ہوں بھلا
 اُونٹ بھی اُڑ سکتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ بار برداری
 کر تو کہتا ہے کہ میں مُرغ ہوں بار برداری کیسے کروں۔

ہم لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ جب اعمال کے کرنے کا ذکر آتا ہے
 تو ہم لوگ چودھویں صدی کے رہنے والے ناکارہ اور ضعیف بن جاتے
 ہیں، بھلا صحابہ کرام جیسے اعمال ہم سے کہاں ہو سکتے ہیں وہ قوی لوگ
 تھے وہ حضور کے پاس بیٹھنے والے تھے وہ خیر القرون کے افراد تھے
 بھلا ہم ان کی کیا حرص کر سکتے ہیں۔ دُنیا دار ہیں دُنیا میں پھنسے ہوئے
 ہیں، مجبوریاں ساتھ ہیں۔ لیکن جب ان حضرات کی ترقیات کا ذکر آتا ہے
 ان کے ملکوں پر فتح اور قبضہ کا ذکر آتا ہے ان کی عزت و وجاہت کا سماں
 بندھتا ہے تو ہم بھی مسلمان ہیں حضور کے نام لیوا، ہیں، صحابہ کے جانشین
 ہیں ان کے خلاف ہیں اور ترقیات میں ان کی ہمسری کے خواب دیکھنے
 لگتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ایسے خواب شتر منہ تعبیر نہیں ہوتے اگر ہمیں
 ان ترقیات کی اُننگ ہے تو ان کے سے اعمال کر کے ان ثمرات کا اُمیدوار

بننا چاہئے لو بیا بو کر سب کا پھل آنے کی امید کرنا سراسر حماقت ہے۔
 بس اب وقت ختم ہو چکا ہے رویت ہلال کا وقت قریب ہے وعاکرو کہ حق
 تعالیٰ شانہ مجھنا کارہ کو بھی ان حضرات اکابر کے اسوہ سے کچھ حصہ نصیب
 فرماویں۔ میری مثال اس ساری تحریر میں اس نابینا کی سی ہے جو چراغ
 ہاتھ میں لئے دوسروں کو کہتا ہے کہ روشنی کے فوائد حاصل کرو، اور
 بیچارہ خود محروم ہے۔ وَمَا اسْتَقَمْتُ فَهَا قَوْلِي لَكَ اسْتَقِم۔

اس کے علاوہ میں نے جو کچھ لکھا ہے میرا خیال ہے کہ سب اشکالات
 کے لئے مجملہ کافی ہے اور سب انور کا اس سے حل ہو گیا ہو گا۔ لیکن یہ
 میرے ناقص خیالات ہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ سب اس کو قبول
 کریں اور مانیں اگر سمجھ میں آئے بہتر ہے قبول کر لیں ورنہ کالائے بدبریں
 خاوند۔ و ما توفیقی الا باللہ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ
 فَاعْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ
 الرَّحِیْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی اَفْضَلِ خَلْقِهٖ سَیِّدِ
 الْبَشَرِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَاَتْبَاعِہُمْ حَمَلَةَ الدِّیْنِ
 اَمَلَتِیْنِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝

فقط والسلام

زکریا عفی عنہ، کاندھلوی
 ۲۹ شعبان ۱۳۵۷ھ